2008

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز

زرد لفافہ
135

پُر ہول سازش
136

نامعلوم دشمن
137

قصبے کی رُوح
138

اشتیاق احمد

السلام علیکم!

زرد لفافہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ناول میں زرد لفافہ شروع میں ہی سامنے آجائے گا اور پھر ایسا غائب ہوگا کہ ڈھونڈے نہیں ملے گا۔ یہاں تک کہ ناول ختم ہو جائے گا، لیکن زرد لفافہ پھر بھی آپ کو نظر نہیں آئے گا۔ ہو سکتا ہے، آپ کہہ اٹھیں، پھر اس ناول کا نام زرد لفافہ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ ضرورت تھی اس لیے کہ زرد لفافہ ان کے دروازے تک نہ پہنچتا تو سازش کامیاب ہو جاتی۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ پورا ناول چٹکی بجاتے لکھ لیتا ہوں اور نام تجویز کرنے میں بہت وقت لگ جاتا ہے۔ اس بار بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ اسی لیے تو اس ناول کا نام زرد لفافہ ہے۔ اگر آپ کو نام پسند نہیں آیا، تو آپ اس ناول کا کچھ بھی نام تجویز کر سکتے ہیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور اگر صبر شکر کر کے یہی نام قبول کر لیں تو یہ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

اب آپ لفافہ کھولیے۔

اشتیاق احمد

سُرخ کار

گھنٹی کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ پورے پانچ بج رہے تھے۔ ابھی انسپکٹر جمشید کے آنے میں پندرہ منٹ باقی تھے۔ گھنٹی بجانے کا انداز بھی ان کا نہیں تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر محمود اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ بیگم جمشید اس وقت باورچی خانے میں موجود تھیں۔

"شاید ہمارے ہاں کوئی مہمان آ گیا ہے۔" فرزانہ نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"مشکل ہے، کیونکہ آج صبح ہماری چھت پر کوئی کوا تو بولا نہیں۔" فاروق مسکرایا۔

اسی وقت محمود نے دروازہ کھول دیا۔ انہوں نے دیکھا، دروازے پر ایک ادھیڑ عمر آدمی موجود تھا۔ اس کے ہاتھ میں زرد رنگ کا ایک لفافہ تھا۔ لفافہ اس نے محمود کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"یہ انسپکٹر جمشید کا ہی گھر ہے؟" آواز میں عجیب سی بے چینی تھی۔

"جی ہاں، بالکل۔" محمود بولا۔

"یہ لفافہ ان کے لیے ہے۔ جلدی سے لفافہ لے کر دروازہ بند کر لیں۔" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

محمود کی حیرت یک دم بڑھ گئی۔ اس نے لفافہ لینے کے لئے ہاتھ اُٹھایا، لیکن دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا۔ لفافہ اجنبی کے ہاتھ سے اچانک غائب ہو گیا، ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکلی اور وہ منہ کے بل دھڑام سے گرا۔ اس کی لپیٹ میں آنے سے بچنے کے لیے محمود کو پہلے پیچھے چھلانگ لگانا پڑی اور پھر اس نے گھر سے باہر چھلانگ لگادی۔ اس نے دوڑتے ہوئے اس شخص کو دیکھ لیا تھا، جس نے اجنبی کے پیچھے اچانک نمودار ہو کر لفافہ اس کے ہاتھ سے اچک لیا تھا۔ فاروق کو حیران ہونے کا موقع بھی نہ ملا۔ اس نے کرسی سے چھلانگ لگائی اور دروازے کی طرف دوڑا۔ فرزانہ بھی بوکھلا کر بھاگی۔ اسی وقت باورچی خانے سے بیگم جمشید نکل آئیں اور دروازے کے منظر کو انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ وہاں ایک شخص اوندھے منہ پڑا تھا اور اس کی کمر میں خنجر دستے تک دھنسا ہوا تھا۔

"اُف اللہ، یہ کیا ہوا؟" ان کے منہ سے تھرتھراتی آواز نکلی۔

اس وقت تک فاروق محمود کے پیچھے گھر سے نکل چکا تھا جب کہ فرزانہ نے ان کے پیچھے جانے کی بجائے اوندھے پڑے اس شخص کے پاس ٹھہرنا ضرور سمجھا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل اس کے پاس بیٹھ گئی اور اس کے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے اوپر اٹھایا۔ اس کے چہرے پر تکلیف کا ایک ایسا عالم تھا کہ وہ لرز اٹھی۔ اجنبی کے پورے جسم میں تھرتھری دوڑ رہی تھی۔

"تم۔ تم کون ہو، اس لفافے میں کیا تھا؟"

"مم۔ میں....." اس کے منہ سے اس کے علاوہ اور کوئی لفظ نہ نکل سکا۔

"ہاں ہاں، بتاؤ، شاباش۔ جلدی بتاؤ۔" فرزانہ نے بے قرار ہو کر کہا۔

"وہ۔ وہ۔ مِن۔ دروازہ تین دو سِں....."

اور اس کے ساتھ ہی اس کی گردن ڈھلک گئی۔

"مِن ڈوزا تین دو سِں....." فرزانہ حیرت زدہ انداز میں بڑبڑائی۔

اسی وقت اس نے اپنی امی کے قدموں کی آواز سنی۔ مڑ کر دیکھا تو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مقتول کو دیکھ رہی تھیں، پھر وہ ہکلائیں۔

"یہ۔ یہ کیا ہوا؟"

"یہ شخص ایک لفافہ لے کر آیا تھا۔ اس نے گھنٹی بجائی۔ محمود نے دروازہ کھولا، اس نے لفافہ محمود کی طرف بڑھایا، لیکن کسی نے پیچھے سے لفافہ اچک لیا اور ساتھ ہی اس کی کمر میں خنجر گھونپ دیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ محمود اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ فاروق نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی دوڑا۔ خدا جانے کیا چکر ہے۔ میں نے اس سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی تو اس نے مرنے سے پہلے منہ سے یہ الفاظ نکالے مِن ڈوزا تین دو سِں۔ اور اس کے بعد اس کی گردن ڈھلک گئی۔" فرزانہ جلدی جلدی بتاتی چلی گئی۔

"اف اللہ، یہ کیا ہوا؟"

انہوں نے بیگم شیرازی کی آواز سنی۔ شاید وہ چیخ کی آواز سن کر گھر سے نکل آئی تھیں۔ آس پاس کے گھروں کے دروازے بھی کھلنے لگے اور پھر کچھ لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔

"آپ یہیں ٹھہریے امی جان، میں ابا جان کو فون کر دوں۔ شاید وہ ابھی دفتر میں ہی ہوں۔"

"اچھا۔" ان کے منہ سے نکلا۔

فرزانہ اندر کی طرف بڑھی اور فون کے پاس پہنچی۔ دفتر کے نمبر ملانے پر اکرام سے معلوم ہوا کہ اس کے والد دفتر سے روانہ ہو چکے ہیں۔

"اچھا تو پھر آپ اپنے عملے کو لے کر یہاں پہنچ جائیں۔" فرزانہ بولی۔

"کیا ہوا خیر تو ہے؟" اکرام نے گھبرا کر کہا۔

"ایک عدد قتل ہو گیا ہے۔ وہ بھی ہمارے دروازے پر۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"ہاں، یہ سچ ہے، ابھی چند منٹ پہلے ہی یہ واردات ہوئی ہے۔"

"اچھا، میں آ رہا ہوں۔" اکرام نے کہا اور ساتھ ہی فرزانہ نے ریسیور رکھنے کی آواز سنی۔

وہ باہر نکل کر پھر دروازے پر آ گئی۔ اب بھیڑ بڑھ گئی تھی۔ ادھر محمود اور فاروق کا کوئی پتا نہیں تھا۔

☆☆

محمود نے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سن کر بلند آواز میں پوچھا:

"فاروق، کیا میرے پیچھے تم آ رہے ہو؟"

"اور کیا تمہارے فرشتے آئیں گے تمہارے پیچھے۔" فاروق نے منہ بنا اور دو تین لمبی لمبی چھلانگیں لگا کر اس کے ساتھ پہنچ گیا۔

"فرشتوں کو پیچھے آنے کی ضرورت بھی نہیں۔ وہ تو ہر انسان کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔" محمود نے بتایا۔

"حملہ آور ان کی امید سے بڑھ کر تیز رفتار نکلا تھا۔ ابھی تک وہ اس کی گر کو بھی نہیں پا سکے تھے، تاہم انہوں نے اسے سڑک پر دوڑتے ضرور دیکھ لیا تھا، ا لیے وہ بھی بے تحاشا دوڑ رہے تھے۔ آس پاس سے گزرنے والے انہیں آنکھیں پھ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

"یار یہ شخص تو شاید چھلاوہ ہے۔ ہم نے اتنا تیز رفتار آدمی آج تک نہ دیکھا۔ دیکھو ہم سے کتنی دور پہنچ گیا ہے اور وہ بھی کس قدر جلد۔" فاروق نے کچھ

تک دوڑتے رہنے کے بعد کہا۔

"ہاں، معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ ہم اسے پکڑ نہیں سکیں گے۔ شاید یہ اس لیے بھی اتنی تیزی سے دوڑ رہا ہے کہ قاتل ہے اور پکڑے جانے کی صورت میں پھانسی کا پھندا اس کا مقدر بن جائے گا۔" فاروق بولا۔

"ارے ارے، مارے گئے۔ وہ اس سرخ رنگ کی کار میں بیٹھ رہا ہے۔ جلدی کوئی ٹیکسی روکو۔"

عین اسی وقت ایک جیپ ان کے پاس سے گزر گئی۔ بے ساختہ انداز میں فاروق کے منہ سے نکلا:

"ابا جان۔"

جیپ انسپکٹر جمشید کی ہی تھی اور انہوں نے فاروق کی آواز بھی سن لی تھی، بلکہ انہوں نے تو دونوں کو دوڑتے بھی دیکھ لیا تھا، لیکن وہ فوری طور پر گاڑی نہیں روک سکتے تھے۔ کچھ دور جا کر انہوں نے جیپ ایک طرف کر کے روکی اور پھر اسے موڑا۔ اس کام میں کافی وقت لگ گیا۔ جب وہ جیپ موڑ کر دونوں کے پاس پہنچے تو محمود نے مایوسانہ لہجے میں کہا:

"اب اسے پکڑنا بہت مشکل ہے۔"

"کیا معاملہ ہے؟" وہ حیران ہو کر بولے: "تم سڑک پر دوڑتے کیوں پھر رہے ہو؟"

محمود نے جلدی جلدی انہیں ساری بات بتائی۔ ان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ پھر وہ بولے:

"وہ سرخ رنگ کی کار تھی؟"

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے، تم گھر پہنچو، وہاں کے حالات کو کنٹرول میں کرو۔ میں اسے دیکھتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے جیپ فل سپیڈ پر چھوڑ دی دونوں واپس مڑ گئے۔

☆☆

انسپکٹر جمشید تقریباً پندرہ منٹ تک آندھی اور طوفان کی رفتار سے جیپ چلاتے رہے، تب کہیں جا کر انہیں ایک سرخ کار جاتی نظر آئی۔ ان کا چہرہ کھل اٹھا۔ آنکھوں میں امید کی چمک لہرا اٹھی، پھر وہ لمحہ بہ لمحہ اس کے نزدیک ہوتے چلے گئے، یہاں تک کہ اس سے آگے نکل گئے۔ لیکن دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا۔ سرخ کار کو ایک لڑکی چلا رہی تھی۔ انہوں نے لڑکی کو کار روکنے کا اشارا کیا، ان کے اشارے کو سمجھتے ہی لڑکی نے کار سڑک کے ایک طرف کر کے روک لی۔ اس وقت تک وہ شہری حدود سے نکل چکے تھے اور سڑک کے دونوں طرف جنگل شروع ہو چکا تھا۔

"کیا بات ہے جناب، آپ چور اچکے تو نظر نہیں آتے۔" انہوں نے لڑکی کی چہکتی آواز سنی۔

"نیچے اتر آیئے۔ میں نے آپ کی کار کی تلاشی لینا ہے۔"

"کیا مطلب؟ آپ کون ہوتے ہیں تلاشی لینے والے، وہ بھی ایک لڑکی کی کار کی۔"

"ہاں، یہ سوال کرنے میں آپ حق بجانب ہیں، لیکن میں مجبور ہوں۔ سرخ رنگ کی کار میں ایک قاتل اسی سڑک پر فرار ہوا ہے، لہٰذا میں ہر سرخ کار چیک کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔"

"اوہ، قاتل! کیا آپ کا تعلق پولیس سے ہے؟"

"ہاں محترمہ۔" وہ بولے۔

"تب تو تلاشی ضرور لیجیے۔" یہ کہہ کر وہ کار سے نیچے اتر آئی۔

انہوں نے کار کی اچھی طرح تلاشی لی۔ ایک ایک خانے کو دیکھا، ڈگی کو بھی ...ا، پھر لڑکی کا جائزہ لیا۔ اس کے ہاتھوں پر دستانے تھے، لیکن سردی کے موسم ...اتھوں پر دستانے ہونا کوئی عجیب بات نہیں تھی۔

"شکریہ محترمہ، اب میں بس آپ کی کار کے نمبر نوٹ کروں گا اور آپ کا ...ا بھی۔"

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے؟" لڑکی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"معاملہ ایک قتل کا ہے۔"

"اچھی بات ہے، نوٹ کر لیجیے۔ میرا نام الیانا ہے۔ شارع نوروز کی ...ی گلی کی نویں کوٹھی میں رہتی ہوں۔ کار کا نمبر ۳۰۰۸ بے ایل ہے۔"

انہوں نے نمبر اور نام نوٹ بک میں لکھ لیا اور پھر کار کے نمبروں پر نظر بھی ...۔ نمبر یہی تھے۔

"میرے پاس سگریٹ ختم ہو گئے ہیں، آپ مجھے ایک سگریٹ عنایت ...یں گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں سگریٹ نہیں پیتی۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"یہ کار آپ کی اپنی ہے یا کسی اور کے استعمال میں بھی رہتی ہے؟"

"میرے والد بھی اسے استعمال کرتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"کیا وہ سگریٹ پیتے ہیں؟"

"ہاں۔" اس نے کہا۔

"آج یہ کار کس وقت سے آپ کے استعمال میں ہے؟"

"آخر ان سب سوالات سے آپ کا مطلب کیا ہے؟" اس نے چراغ ...ر کہا۔

"میں اپنا اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھیے جناب، میں نہیں جانتی، آپ کون ہیں۔ آپ کا تعلق پولیس سے ہے یا نہیں۔ کیا آپ اپنا کارڈ دکھانا پسند کریں گے؟"

"جیپ کی نمبر پلیٹ پر پولیس کا لفظ کافی نہیں ہے کیا؟" انسپکٹر مسکرائے۔

"جی نہیں، دھوکے باز لوگ جعلی پلیٹیں لگا لیتے ہیں۔"

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر یہ لیجیے۔" انہوں نے اپنا کارڈ نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔ لبانا نے کارڈ پر لکھا نام پڑھا اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ چند سیکنڈ خاموشی کے عالم میں گزر گئے، پھر اس کے منہ سے لرزتی آواز نکلی:

"اف میرے خدا، آپ۔ آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔"

"جی ہاں، اس میں ایک فی صد بھی شک نہیں ہے۔ امید ہے، آپ میرے سوال کا جواب دینا پسند فرمائیں گی۔"

"آپ نے۔ آپ نے کیا پوچھا تھا؟"

"آج یہ کار آپ کے استعمال میں کب سے ہے؟"

"ابھی ابھی ڈیڈی سے لے کر روانہ ہوئی تھی۔" اس نے کہا۔

"لیکن آپ اس طرح کہاں جا رہی تھیں؟"

"جب میرا دل گھبراتا ہے تو شہر کے ہنگاموں سے دور نکل جاتی [illegible] مجھے یہ جنگل بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"بہت خوب، اب آپ جنگل کی سیر کریں، میں چلتا ہوں۔"

"کیا آپ کا اطمینان ہو گیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ہاں، ایک بات اور، آپ نے اپنا فون نمبر نہیں لکھوایا [illegible] والد صاحب کا نام بھی۔"

"وہ بھی لکھ لیجیے۔ فون نمبر ۶۳۵۳۵ ہے اور ڈیڈی خود کو غواث میر کہلاتے [illegible]"

"آپ نے کیا نام بتایا؟" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔

"غواث میر۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے پورے شہر میں غواث میر نام کے صرف ایک [illegible] ہیں اور وہ ایک بہت بڑے انجینئر ہیں۔" انہوں نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اور میں انہی انجینئر صاحب کی بیٹی ہوں۔"

"اوہو اچھا، پھر تو میں معافی چاہتا ہوں۔ میں نے آپ کو بلاوجہ روکا۔ [illegible] نامی گرامی باپ کی بیٹی بھلا مجرمانہ زندگی کیوں گزارے گی۔ آپ جا سکتی ہیں۔"

[illegible] یہ کہہ کر وہ مڑے اور جیپ کی طرف بڑھ گئے۔ انہوں نے کار اسٹارٹ [illegible]نے کی آواز سُنی۔ جیپ میں سوار ہونے کے بعد بھی وہ کئی سیکنڈ تک ساکت بیٹھے [illegible]، پھر ان کی جیپ حرکت میں آ گئی، لیکن جیپ کا رخ شہر کی طرف نہیں تھا۔ وہ اب اسی سمت میں جا رہے تھے، جس سمت میں سرخ کار گئی تھی۔

☆☆☆

تابوخان

اکرام سے پہلے محمود اور فاروق گھر پہنچے۔ وہاں منظر جوں کا توں تھا۔

''کیوں فرزانہ، مرنے سے پہلے تم اس سے کچھ معلوم کرنے میں کا
ہوئیں یا نہیں۔''

''یہ اپنا نام نہیں بتا سکا، نہ ہی کچھ اور کہہ سکا، بس اس کی زبان سے
اتنا نکلا، من ڈوزا تین دوس۔''

''من ڈوزا تین دوس، یہ کیا بلا ہے۔'' محمود نے حیران ہو کر کہا۔

''مجھے کیا معلوم، اگر معلوم ہوتا تو میں تمہیں یہاں ہرگز نظر نہ آتی۔''
نے بھنا کر کہا۔

''تو کیا ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی پر نظر آتیں۔'' فاروق نے بھی ا
انداز میں کہا۔

''ختم کرو، تم اس کی تلاشی تو لے چکی ہو گی۔''

''میں نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔ لوگ یہ خیال کرتے کہ میں ایک
ہوئے آدمی کی جیب پر ہاتھ صاف کر رہی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

اسی وقت بھاری قدموں کی آواز گونجی۔ انہوں نے اکرام، ا

ماتحتوں اور دوسرے عملے کو آتے دیکھا۔ اکرام نے آتے ہی کہا:

''یہ۔ یہ کیسے ہوا؟''

محمود نے اسے تفصیل سنا دی۔

''اوہ، تو انسپکٹر صاحب سرخ کار کے تعاقب میں گئے ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''تو پھر ہم اپنی کارروائی شروع کرتے ہیں۔''

سب سے پہلے اکرام نے لاش کی جیبوں کی تلاشی لی۔ اس کی جیبوں سے کچھ کرنسی نوٹ، چابیوں کا ایک چھلا، ایک سگریٹ لائٹر، سگریٹ کا ایک پیکٹ برآمد ہوئے۔ اس کے بعد لاش کی تصاویر لی گئیں۔ اس کی انگلیوں کے نشانات لیے گئے۔ چونکہ جیب سے شناختی کارڈ نہیں نکلا تھا، اس لیے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون تھا۔

''اب ہمیں اس کی تصویر اخبارات میں شائع کرانا ہو گی۔ اسی صورت میں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے گا۔'' اکرام نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوا دیا گیا اور وہ اندر آ کر بیٹھ گئے۔

''حیرت ہے انسپکٹر صاحب اب تک لوٹ کر نہیں آئے۔'' اکرام نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو چھ بجا رہی تھی۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ اسی وقت بیگم جمشید نے چائے ان کے سامنے رکھ دی بیگم شیرازی بھی انہی کے ہاں آ گئی تھیں۔ لاش کی وجہ سے آس پاس قدرے خوف و ہراس پھیل گیا تھا اور وہ بھی کچھ پریشان نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے چائے شروع کی۔

''انکل، آپ بتا سکتے ہیں، منڈوزا تین دوس کسے کہتے ہیں؟''

''کیا مطلب؟'' اکرام کے منہ سے نکلا۔

"جی، مطلب ہی تو ہم بھی پوچھ رہے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"لیکن کس بات کا؟" اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

"منڈوزا تین دوسں۔"

"میں سمجھا نہیں، یہ کیا چیز ہے؟"

"مقتول نے مرنے سے پہلے یہی الفاظ منہ سے نکالے تھے۔"

"اوہ۔" اس نے حیران ہو کر کہا: "میں نہیں جانتا، ان الفاظ کا مطلب کیا ہے۔ ان الفاظ کے بعد وہ خاموش ہو گیا تھا یا مر گیا تھا۔"

"مر گیا تھا، شاید ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا، جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نامکمل لفظ ہے۔" محمود نے کہا۔

"نامکمل الفاظ سے ہی ہم نے کیا جان لیا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"الفاظ مکمل ہو جانے کی صورت میں شاید ہم آسانی سے معلوم کر لیتے کہ مرنے والا کیا بتانا چاہتا تھا۔"

"اور نہ جانے اس لفافے میں کیا تھا۔ یہ شخص اس لفافے کو کہاں سے لایا تھا، کیوں لایا تھا، شاید اسے کسی نے لفافہ دے کر ہمارے ہاں بھیجا تھا۔ معاملہ بہت عجیب سا ہے۔"

"ہاں، مطلب یہ ہوا کہ ہمیں نہ صرف اس شخص کا نام پتا اور پیشہ معلوم کرنا ہے، بلکہ یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ منڈوزا تین دوسں کا کیا مطلب ہے۔ قاتل تک شاید انسپکٹر صاحب پہنچے بغیر نہیں رہیں گے۔" اکرام نے جلدی جلدی کہا۔

"بہت مشکل ہے انکل، وہ شخص انتہائی تیز رفتار ہے اور بعد میں تو وہ کار میں سوار ہو گیا تھا۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔"

اسی وقت دروازے کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی اور ان کے دل دھڑکنے لگے، کیونکہ انداز اس بار بھی انسپکٹر جمشید کا نہیں تھا۔ تھوڑی دیر پہلے کا منظر ان کی آنکھوں کے سامنے ناچ گیا۔ محمود اٹھا اور ایک ایک قدم دروازے کی طرف چلنے لگا۔ ان کی نظریں دروازے پر جم کر رہ گئیں۔

☆☆

تقریباً آدھ گھنٹے تک چلنے کے بعد بھی انہیں سرخ کار نظر نہ آئی تو ان کی حیرت بڑھ گئی۔ البانا نے انہیں بتایا تھا کہ وہ سیر کی غرض سے اس طرف نکل آئی ہے، اس صورت میں آخر اسے جنگل سے واپس تو لوٹنا ہی چاہیے تھا، جب کہ یہ سردی کے دن تھے اور اب تو رات کا وقت شروع ہو چکا تھا۔ ایسے میں بھلا کون جنگل کی سیر کرتا ہے۔ آخر تنگ آ کر وہ واپس روانہ ہوئے۔ شہری حدود میں داخل ہونے کے بعد جو پہلا فون بوتھ انہیں نظر آیا۔ اس کے پاس انہوں نے جیپ روک دی اور بوتھ میں گھس کر البانا کے بتائے ہوئے نمبر گھمائے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی ریسیور اٹھایا گیا اور ایک بھاری سی آواز سنائی دی:

"جی فرمائیے، آپ کون ہیں، کس سے ملنا ہے؟"

"یہ مشہور و معروف انجینئر غواث میر صاحب کا گھر ہے نا؟"

"جی نہیں، یہ تو مشہور فلمی اداکار بالم خان کا مکان ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔

انہوں نے بڑا سا منہ بنا کر ریسیور رکھا اور پھر ڈائریکٹری میں غواث میر کے نمبر تلاش کرنے لگے، کئی منٹ کی کوشش کے بعد انہیں نمبر تلاش کرنے میں کامیابی ہوئی اور انہوں نے نمبر ملائے۔

"جی فرمائیے۔" دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز سنائی دی۔

''یہ غواث میر صاحب کا گھر ہے؟''

''جی ہاں، بالکل۔''

''میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ انسپکٹر جمشید میرا نام ہے۔''

''ایک منٹ انتظار فرمائیے۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر ٹھیک ایک منٹ بعد ایک پتلی دبلی سی آواز آئی:

''غواث میر بول رہا ہوں۔ آپ نے اپنا کیا نام بتایا تھا میری سیکرٹری کو، انسپکٹر جمشید؟''

''جی ہاں، یہ نام میں نے اس لیے بتایا تھا کہ یہ میرا نام بھی ہے۔''

''انسپکٹر جمشید تو محکمہ سراغرسانی کے بہت مشہور سراغرساں کا نام ہے، کیا آپ ہی ہیں؟''

''اب میں اپنے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، نام میرا بھی ہے۔'' وہ مسکرائے۔

''خیر فرمائیے، آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔''

''آپ کی بیٹی گھر پہنچ چکی ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''میری بیٹی ہم... میں سمجھا نہیں۔''

''میں آپ کی بیٹی الپانا کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔''

''آپ کہاں کی باتیں کر رہے ہیں۔ میرے ہاں تو کوئی بیٹی پیدا ہی نہیں ہوئی اور نہ ہوگی، کیونکہ میری بیوی تو کب کی فوت ہو چکی ہے، نہ ہی میرے کوئی لڑکا ہے۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''اوہ۔'' ان کے منہ سے نکلا، پھر انہوں نے چونک کر پوچھا۔

''آپ کی کار کا نمبر اور رنگ کیا ہے؟''

''بات کیا ہے، آپ یہ سوالات کیوں پوچھ رہے ہیں۔'' دوسری طرف ے الجھن کے عالم میں پوچھا گیا۔

''پہلے آپ میری بات کا جواب دیں، اس کے بعد میں آپ کو بتاؤں گا کہ کیا معاملہ ہے۔''

''میرے پاس نیلے رنگ کی ڈاٹسن ہے، اس کا نمبر ۱۹۱۹ آئی ہے۔''

''تو آپ کے پاس کوئی سرخ کار سرے سے نہیں ہے۔''

''بالکل نہیں۔ کیا اب آپ مجھے بتائیں گے کہ معاملہ کیا ہے؟'' دوسری رف سے بے چینی کے عالم میں کہا گیا۔

''ہاں، کیوں نہیں۔'' یہ کہہ کر انہوں نے مختصر طور پر بتا دیا کہ وہ یہ سوالات س سلسلے میں کر رہے تھے اور پھر انہوں نے فون رکھ دیا، پھر بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل ے۔

''گویا اس لڑکی نے مجھے الو بنانے کی کوشش کی ہے اور میں بن گیا ہوں، ن آخر یہ چکر کیا ہے، مجھے واپس چلنا چاہیے۔''

انہی خیالات میں گھرے وہ گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی انہوں نے رلانگ کا فاصلہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ سرخ رنگ کی کار انہیں کچھ فاصلے پہ جاتی نظر ا۔

''حیرت ہے، یہ لڑکی مجھ سے آنکھ مچولی تو نہیں کھیل رہی۔ اب یہ کار ں سے نکل آئی۔'' ان کے منہ سے نکلا اور پھر انہوں نے جیپ کی رفتار بڑھا دی۔ ں تک کہ سرخ کار کے عین پیچھے پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا کار کے نمبر وہی تھے اور لڑکی اسے چلا رہی تھی۔ سردی کی وجہ سے سڑک سنسان پڑی تھی۔ کوشش کر کے وہ ے آگے نکل گئے اور پھر جیپ سڑک کے درمیان میں ترچھی کر کے روک دی،

تاہم جیپ سے اترنے کی کوشش نہ کی اور ساکت بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ سرخ کار کا ہارن زور زور سے بجنے لگا۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا اور مسکرا دیے۔ آخر لڑکی کی جھلاہٹ کے انگارے چباتی نیچے اتری اور پیر پٹختی ان کے نزدیک آئی، پھر انہیں دیکھ کر اچھل پڑی۔

''اوہو، تو یہ آپ ہیں۔ حیرت ہے، آپ ابھی تک سڑکوں پر گھوم رہے ہیں۔''

''میرا کام ہی ایسا ہے۔'' وہ بولے۔

''لیکن میرا راستہ کیوں روک لیا آپ نے۔ اور وہ بھی ایک بار پھر۔''

''اس لیے کہ آپ نے مجھ سے غلط بیانی کی ہے۔ اب آپ کو پولیس اسٹیشن چلنا ہوگا۔''

''وہ کیوں، میں نے کیا غلط بیانی کی ہے؟''

''آپ غواث میر کی بیٹی نہیں ہیں اور نہ یہ سرخ کار ان کی ہے۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' البانا نے حیران ہو کر کہا۔

''حیرت ہے، آپ اس بات پر حیرت ظاہر کر رہی ہیں۔'' انہوں نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

''تو اور کیا کروں، میں سوفی صد غواث میر کی بیٹی ہوں اور یہ کار بھی انہی کی ہے۔''

''تب پھر آپ کو میرے ساتھ اپنے گھر چلنا ہوگا۔ میں آپ کے والد سے مل کر اپنا اطمینان کروں گا، کیونکہ جو فون نمبر آپ نے بتائے ہیں، اس نمبر پر کوئی غواث میر نہیں رہتا۔''

''ٹھیک ہے، ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ چلیے میں آگے آگے چلتی ہوں،

آپ میرے پیچھے پیچھے آیئے۔''

''مجھے منظور ہے، لیکن یاد رکھیے، اگر آپ نے فرار ہونے کی کوشش کی تو جان سے جائیں گی۔''

''اچھی بات ہے، میں ایسی کوئی کوشش نہیں کروں گی۔'' اس نے پرسکون آواز میں کہا۔

وہ کار میں جا بیٹھی۔ انسپکٹر جمشید نے جیپ سیدھی کر لی۔ ان کے پاس سے گزر کر آگے چلی گئی۔ انہوں نے جیپ اس کے پیچھے لگا دی۔ ان کی حیرت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

آخر آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد لڑکی نے کار ایک بڑی سی عمارت کے سامنے روک دی۔ انہوں نے اسے کار سے اترتے دیکھا، وہ بھی جیپ روک کر نیچے اترے۔

''میں اندر جا کر ڈیڈی کو آپ کی آمد کی اطلاع کرتی ہوں۔ آپ کو چند منٹ انتظار کرنا پڑے گا۔''

''اچھی بات ہے۔''

لڑکی تیز تیز چلتی اندر چلی گئی۔ وہ انتظار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ دس منٹ گزر گئے۔ اب تو ان کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ آخر جب لڑکی باہر نہ نکلی تو وہ بھی دروازے پر پہنچے اور اسے دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ اندر بائیں طرف کاؤنٹر کے پیچھے ایک نوجوان عینک لگائے بیٹھا نظر آیا۔ انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ سیدھا ہو گیا۔ پھر ان کے نزدیک پہنچنے پر اس نے کہا:

''فرمائیے، کوئی کمرہ چاہیے آپ کو؟''

''جی، کیا مطلب؟'' وہ چونکے، پھر فوراً بولے۔

"کیا یہ کوئی کرائے کی عمارت ہے۔"
"جی ہاں، آپ کیا سمجھ کر اندر داخل ہوئے ہیں۔" اس کے لہجے میں ط
تھا۔
"ابھی ابھی سبز کپڑوں والی ایک لڑکی داخل ہوئی تھی۔ کیا وہ بھی یہاں
ٹھہری ہوئی ہے؟"
"جی نہیں، اسے شاید دوسری سڑک پر جانا تھا۔ دوسری سڑک پر جانے
والے لوگ بعض اوقات ہماری عمارت استعمال کر لیتے ہیں۔ اصل میں عمارت کا ایک
دروازہ دوسری سڑک پر بھی کھلتا ہے، جو لوگ اس بات سے واقف ہیں، وہ فاص
بچانے کیلیے ایسا کر لیتے ہیں اور ہم ایسے لوگوں کا منہ ہی دیکھتے رہ جاتے ہیں، لیک
آپ اس لڑکی کا پیچھا کر رہے ہیں....." کلرک کہتے کہتے رک گیا۔
"اس لیے کہ وہ لڑکی ایک خطرناک مجرمہ ہے۔ ایک قتل کے کیس
میں پولیس کو اس کی ضرورت ہے۔ میرا تعلق پولیس سے ہے۔"
"اوہ۔" وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔
"آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں، تشریف رکھیے۔ ہاں۔ اگر وہ لڑ
عمارت میں کہیں چھپی ہوئی ہے تو ضرور بتا دیں۔"
"جی نہیں وہ تو بہت تیزی سے دوسری سڑک کی طرف چلی گئی تھی۔"
"اچھا تو مجھے راستہ بتا دیں۔ میں ذرا سڑک پر ایک نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔"
"جی ہاں، ضرور۔" یہ کہہ کر کلرک نے انہیں راستہ بتا دیا۔ وہ دوسری سڑ
پر آئے۔ دونوں طرف دور دور تک کا جائزہ لینے کے بعد بھی لڑکی انہیں کہیں نظ
آئی۔ وہ انہیں چکر دے گئی تھی۔ دل ہی دل میں اس کی چالاکی پر مسکراتے ہوئے
واپس پلٹے اور جب عمارت سے ہوتے ہوئے جیپ کے پاس پہنچے تو ایک اور د

انہیں لگا۔
لڑکی کی کار غائب تھی۔

☆☆

محمود نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ انہوں نے
دیکھا، وہاں ایک بوڑھا آدمی کھڑا تھا۔
"مم، مم۔ مجھے۔ مجھے انسپکٹر جمشید صاحب سے ملنا ہے۔" اس نے ہکلا کر
کہا۔
"آپ کو ان سے کیا کام ہے۔ وہ اس وقت گھر میں نہیں ہیں، تاہم آنے
والے ہی ہوں گے۔"
"مجھے ان سے ایک بہت ضروری کام ہے، اگر آپ ناگوار محسوس نہ کریں
تو میں یہیں دروازے پر بیٹھ کر ان کا انتظار کر لوں۔"
"دروازے پر کیوں بابا، آپ اندر تشریف رکھیے۔" محمود نے نرم آواز
میں کہا۔
"بہت بہت شکریہ بیٹے۔"
محمود اسے لے کر اندر آیا اور اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا: تشریف رکھیے
بابا۔"
بوڑھا فرش پر بیٹھ گیا۔
"ارے ارے، یہ کیا۔ آپ فرش پر کیوں بیٹھ رہے ہیں۔ کرسی پر بیٹھیے
نا۔"
"جی، کرسی پر؟ لیکن میں تو ایک بہت غریب آدمی ہوں۔" اس نے
حیران ہو کر کہا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ امیر غریب سب برابر ہیں۔" یہ کہہ کر فاروق نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور کرسی پر بٹھا دیا۔ بیگم جمشید نے اس کے لیے چائے تیار کی اور کپ اس کے آگے رکھتے ہوئے بولیں:

"چائے لیجیے بابا، اور یہ بھی کھائیے۔" انہوں نے بسکٹ وغیرہ کی پلیٹ اس کی طرف سرکا دی۔

بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے، پھر وہ چائے پینے لگا۔

"آپ بہت پریشان ہیں بابا، آخر بات کیا ہے؟" فرزانہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"کیا آپ لوگ انسپکٹر جمشید صاحب کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں، آپ بے فکر ہو کر بتا سکتے ہیں۔"

"م، میرا بیٹا گم ہو گیا ہے۔"

"اوہ" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

عین اسی وقت گھنٹی بجی۔ انداز انسپکٹر جمشید کا تھا۔

"لیجیے، ابا جان آ گئے۔"

محمود نے کہا اور دوڑ کر دروازہ کھول دیا۔ انسپکٹر جمشید اندر داخل ہوئے تو ان کی نظریں بوڑھے پر جم گئیں۔

"یہ کون ہیں؟"

"ان کا بیٹا گم ہو گیا ہے۔"

"اوہ، آپ کے بیٹے کا نام کیا ہے بابا؟ آپ بھی اپنا نام بتائیے۔"

"اس کا نام تابو خان ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"ذرا تفصیل سے بتائیں، آپ کا بیٹا کیا کام کرتا ہے؟"

"مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کیا کام کرتا ہے۔ اس نے کبھی نہیں بتایا۔"

"سوال یہ ہے کہ آپ میرے پاس کیوں آئے ہیں؟"

"میں پہلے پولیس اسٹیشن بھی گیا تھا۔ انہوں نے رپورٹ درج کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ کہتے ہیں، کہیں آوارہ گردی کرتے چلا گیا ہوگا۔ آ جائے گا خود ہی۔"

"آپ کا بیٹا کتنے دن سے غائب ہے؟"

"تقریباً ایک ماہ سے، وہ اتنا عرصہ گھر سے غائب کبھی نہیں رہا۔ ایک ہفتے تک ضرور غائب رہتا ہے اور پھر ایک ہفتے کے لیے گھر آ جاتا ہے، گویا ایک ہفتہ گھر میں رہتا ہے، ایک ہفتہ گھر سے باہر۔ میرے پوچھنے پر اس نے ہر بار یہی بتایا کہ اس کا کام ہی ایسا ہے، خدا جانے وہ کیا کام کرتا ہے۔" یہاں تک کہہ کر بوڑھا خاموش ہو گیا۔

"اس کا حلیہ بتائیے۔"

"اس کا رنگ گندمی، آنکھیں بالکل سیاہ، بال گھنگھریالے، تھوڑی میں گڑھا۔"

"نہیں۔" فرزانہ نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔ اکرام کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار نظر آئے۔ محمود اور فاروق کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔

"کیا بات ہے، خیر تو ہے؟"

"بابا نے جو حلیہ بتایا ہے، وہ اس شخص سے ملتا جلتا ہے جو زرد لفافہ لے کر

یہاں آیا تھا اور پھر ....'' فرزانہ کہتے کہتے رک گئی۔

''اوہو، اچھا۔'' انسپکٹر جمشید نے بے چین ہو کر کہا، پھر اٹھتے ہوئے بولے

''تب پھر ہمیں فوراً ہسپتال چلنا چاہیے، آؤ بابا۔''

وہ سب ہسپتال پہنچے، ابھی لاش کا پوسٹ مارٹم شروع نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے چہرے سے کپڑا اٹھا کر بوڑھے کو دکھایا گیا۔ بوڑھا دل دوز چیخ مار کر لاش پر گرا اور بلکنے لگا۔

''میرا بیٹا، ہائے میرا بیٹا۔''

ان کے چہروں پر غم پھیل گیا۔ بڑی مشکل سے وہ بوڑھے کو باہر لائے۔

''تو آپ کو بالکل کوئی اندازہ نہیں کہ تابو خان کیا کام کرتا تھا۔''

''جی نہیں۔''

''ہم آپ کے گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔ شاید ہمیں کوئی ایسی چیز مل جائے، جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ تابو خان کیا کام کرتا تھا اور کہاں۔''

''چلیے۔'' اس نے کہا۔

وہ اس کے ساتھ ایک کچی آبادی میں پہنچے اور پھر ایک پرانے سے مکان میں داخل ہوئے۔ اندر ایک اندھی عورت بیٹھی تھی۔ قدموں کی آہٹ سنتے ہی بولی:

''گلاب خان، میرا بیٹا مل گیا۔''

''نن، نہیں، اب وہ کبھی نہیں ملے گا۔ وہ ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا ہے۔'' بوڑھے نے روتے ہوئے کہا۔

''کیا؟'' بڑھیا چیخ کر بولی اور پھر اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔

ان کے دل بھی بھر آئے۔ آخر انہوں نے مکان کی ایک ایک چیز دیکھنا شروع کی۔

''کیا آپ کا بیٹا کچھ پڑھا لکھا بھی تھا؟'' فرزانہ نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''ہاں، آٹھ جماعت پاس تھا۔'' بوڑھے نے بتایا۔

یہ سن کر فرزانہ ایک الماری میں رکھے کچھ کاغذات نکال کر دیکھنے لگی۔ پھر اس نے پر جوش آواز میں کہا:

''جہاں تک میرا خیال ہے، تابو خان مجرمانہ زندگی گزار رہا تھا۔''

اس کا جملہ سنتے ہی وہ سب ان کاغذات پر جھک گئے۔ کاپی کی شکل کی ایک پھٹی پرانی سی نوٹ بک پر تاریخ وار اندراجات موجود تھے۔ فلاں تاریخ کو مال آئے گا، فلاں تاریخ کو بندرگاہ پر پہنچنا ہے، فلاں تاریخ کو مال چڑھانا ہے، فلاں تاریخ کو ماسٹر نے بلایا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تمام صفحات اس قسم کی تحریر سے بھرے ہوئے تھے۔

انہیں فرزانہ کے خیال سے اتفاق کرنا پڑا۔ انسپکٹر جمشید نے آخری صفحات پر بغور نظر ڈالی، لیکن ان صفحات پر چھ ماہ پہلے تک کی تاریخیں موجود تھیں۔ اس کے بعد اس نے کچھ نہیں لکھا تھا۔

''حیرت ہے، وہ مجرمانہ زندگی گزار رہا تھا، لیکن حالات خراب ہی نظر آرہے ہیں۔'' محمود نے ارد گرد نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتا تھا کہ میں پیسے جمع کر رہا ہوں۔ میں نے بہت سارا روپیہ جمع کر لیا ہے۔ اب ہم ایک بہت اچھا سا مکان لیں گے اور اچھے حالات میں زندگی بسر کریں گے۔'' بوڑھے نے بتایا۔

''اوہ، تب تو شاید اس نے دولت کسی جگہ چھپا رکھی ہوگی یا پھر بنک میں جمع کرائی ہوگی۔'' فرزانہ بولی۔

''لیکن ہمیں یہاں کوئی چیک بک وغیرہ نہیں ملی۔''

"آؤ ذرا دوسری الماریوں کو غور سے دیکھیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ایک الماری میں پرانے ناولوں کے نیچے انہیں ایک چیک بک مل ہی گئی۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ چیک بک کے مطابق بنک میں تابو خان نے تقریباً ایک لاکھ روپے تو جمع کرا ہی رکھے تھے۔

☆☆☆

درمیانی آدمی

وہ تابو خان کے گھر سے نکل کر جیپ میں سوار ہوئے ہی تھے کہ فاروق نے چونک کر کہا:

"ارے، ہم نے ابا جان کو یہ تو بتایا ہی نہیں کہ مرتے وقت مقتول نے کچھ الفاظ بھی ادا کیے تھے۔"

"اوہ ہاں، یہ بہت ضروری ہے۔ شاید ابا جان ہی ان الفاظ کا مطلب بتا سکیں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"وہ کیا الفاظ تھے؟" وہ بولے۔

"منڈوزا تین دو سس۔" محمود نے انہیں بتایا۔

"منڈوزا تین دو سس!" وہ بڑبڑائے اور پھر سوچ میں ڈوب گئے۔ اکرام جیپ چلاتا رہا۔ آخر انہوں نے کہا:

"منڈوزا کے بعد تین دو الفاظ آتے ہیں اور ان کے بعد سس، پہلے تو ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ یہ سس کیا بلا ہے؟ ایک سے لے کر نو تک گنا جائے تو صرف سات میں س آتا ہے۔ ہو سکتا ہے مرنے والا سات کہنا چاہتا ہو اور اس کے منہ سے جان کنی کے عالم میں صرف سس نکلا ہو۔"

"اوہ، واقعی۔ ضرور یہی بات ہے۔" فرزانہ نے پرجوش انداز میں کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ منڈوزا تین دو سات کہنا چاہتا تھا، یعنی منڈوزا تین سوستائیس۔" محمود بولا۔

"میرا خیال تو یہی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن ابا جان، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مرنے والا تین سو بیس کہنا چاہتا ہو۔" فاروق نے کچھ سوچ کر کہا۔

"تین سو بیس، بھلا تین سو بیس یہاں کہاں سے آ ٹپکا۔" فرزانہ نے فاروق کو گھورا۔

"تین دو صفر کہتے وقت اگر اس کی زبان ساتھ نہ دے گئی تھی تو اس کے منہ سے مس نکلا ہوگا، تم نے مس سمجھا۔" فاروق بولا۔

"دور کی کوڑی لائے، یہ بات بھی ہو سکتی ہے، گویا اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ منڈوزا تین سوستائیس یا تین سو بیس کا کیا مطلب ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

"اور میں حیران ہوں، بلکہ پریشان بھی ہوں کہ ہم یہ کس طرح معلوم کریں گے۔" محمود بولا۔

"عقل کے ذریعے، کیوں فرزانہ ٹھیک ہے نا۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"لیکن عقل تمہارے پاس کہاں۔ تمہارے پاس تو بس لے دے کے ایک زبان ہی ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"میرا خیال ہے، میں تھوڑی سی کوشش کر کے معلوم کر لوں گا کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید سوچ میں ڈوبے ہوئے انداز میں بولے۔

"خدا کا شکر ہے، ارے ہائیں اوہ۔" فاروق گڑبڑا گیا۔

"کیا ہوا، تم پٹڑی سے کیوں اتر گئے۔" محمود نے برا سامنہ بنایا۔

"آج شاید ہماری عقلیں گھاس چرنے چلی گئی ہیں۔ ہم نے ابا جان سے یہ پوچھا ہی نہیں کہ سرخ کار کا کیا بنا؟"

"ہاں، میں خود تم دونوں سے اس سلسلے میں سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے یہ بتاؤ، کیا تم نے حملہ آور کی جھلک دیکھی تھی، وہ کوئی مرد تھا یا عورت؟"

"نظر تو مرد ہی آیا تھا۔" محمود بولا۔

"اس نے کپڑے کیسے پہن رکھے تھے؟"

"سبز رنگ کے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"تب وہ ایک لڑکی ہی تھی۔ میں نے سرخ کار کو جا لیا تھا۔ لیکن اس میں ری کو بیٹھے دیکھ کر الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی کار کے نمبر، فون نمبر اور ری کا نام پتا نوٹ کیا۔ کار کی تلاشی لی اور پھر اسے جانے دیا۔ اس کے بعد بھی میں ے اس کا تعاقب کیا، لیکن وہ آگے کہیں بھی نظر نہ آئی۔ آخر واپس مڑا۔ شہر میں آ کر ں کے بتائے ہوئے فون نمبر ڈائل کیے، لیکن وہ غلط نمبر ثابت ہوا۔ لڑکی نے اپنے الد کا نام غواث میر بتایا تھا۔ میں نے ڈائریکٹری میں غواث میر کے نمبر دیکھے۔ فون کیا غواث میر نے بتایا کہ اس کی تو کوئی لڑکی ہے ہی نہیں۔ اور اس وقت مجھے معلوم ہوا لڑکی مجھے چکمہ دے گئی۔ مزے کی بات یہ کہ میں جب فون کر کے نکلا تو دیکھا کہ ہی سرخ کار کچھ فاصلے پر جا رہی ہے، میں نے پھر اس کا تعاقب کیا اور اسے جا پکڑا۔ ے بتایا کہ وہ دھوکے باز ثابت ہوئی ہے، اس پر اس نے کہا، میں غلطی پر ہوں۔ چلیے ں آپ کو اپنے والد سے ملوا دوں۔"

اس کے بعد جس طرح لڑکی نے انہیں دھوکا دیا، انہوں نے تفصیل سے ں سنا دیا اور پھر بولے:

"غوات میر ایک مشہور و معروف انجینئر ہیں، شہر میں اس نام کا شاید ی کوئی اور آدمی ہو۔ نتیجہ یہ کہ یہ قتل اسی لڑکی نے کیا ہے۔ لیکن میں اس کے ہتھے کے بر ایک بار نہیں، دوبارہ آ گیا۔"

"اوہ، یہ تو بہت برا ہوا۔ سوال یہ ہے کہ لڑکی نے غواث میر کا نام ہی کیو بتایا تھا؟" محمود نے سوال اٹھایا۔

"اس کے ذہن میں اس وقت یہی نام آیا ہوگا۔ اس نے بھی غواث میر نام سن رکھا ہوگا۔" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"ہوں، ضرور یہی بات ہے، لیکن چکر کیا ہے، یہ ہماری سمجھ میں ابھی تک نہیں آیا۔" فاروق بولا۔

"مجھے تو رہ رہ کر اس زرد لفافے کا خیال آ رہا ہے۔ خدا جانے اس میں تھا۔ ابا جان کو کار کی تلاشی لینے پر بھی وہ لفافہ نہیں ملا۔ شاید لڑکی نے پھاڑ کر پھینک ہوگا اس۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اوہو، ہم اس درمیانی آدمی کو تو بھول ہی گئے۔" اچانک انسپکٹر جم چونک کر بولے۔

"درمیانی آدمی، کیا مطلب؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"عجیب ہو تم بھی، درمیانی آدمی کا مطلب پوچھ رہے ہو۔" فاروق بنا کر کہا۔

"میں اس آدمی کی بات کر رہا ہوں، جو سرخ کار لیے سڑک پر پہلے موجود تھا اور جوں ہی لڑکی کار کے پاس پہنچی، اس نے اس کے لیے کار کا دروازہ کھ دیا۔ محمود کو کار چلتی نظر آئی تھی۔ جب لڑکی اس میں سوار ہوئی۔ کیوں بھئی، یہی با ہے نا۔"

"جی ہاں، کار سڑک کے کنارے چل رہی تھی۔ لڑکی جوں ہی اس کے نزدیک پہنچی، کار کا پچھلا دروازہ کھل گیا اور وہ اس میں سوار ہو گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی کار ہوا ہو گئی۔" محمود نے بتایا۔

"اور آگے جا کر لڑکی نے اپنے مددگار کو تو اتار دیا ہوگا۔ خود ڈرائیو سیٹ سنبھال لی ہوگی۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے تابوخان کا تعاقب کار میں بیٹھ کر ہی کیا تھا۔ تابوخان کسی ٹیکسی میں ہمارے گھر کے باہر والی سڑک تک پہنچا ہوگا۔ ٹیکسی سے اتر کر وہ گلی میں داخل ہوا، ادھر لڑکی کار سے اتر کر اس کے پیچھے لگی۔ اس نے اپنے ساتھی کو ہدایت کی ہوگی کہ کار کا رخ موڑ کر تیار رہے۔ یہاں تک تو بات صاف ہو گئی۔ اب اگر ہمیں منڈوزا تین سو ستائیس یا تین سو بیس کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ یہ کیا چیز ہے تو ہم شاید بہت جلد اس کیس کی تہہ تک پہنچ جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے۔

"ہم اب تک اتنے کیسوں کی تہوں میں پہنچ چکے ہیں۔ آخر اب کیا ضرورت رہ جاتی ہے، کسی اور کیس کی تہہ تک پہنچنے کی۔" فاروق بولا۔

"تابوخان کی کاپی میں بندرگاہ کا لفظ بھی موجود ہے۔ منڈوزا تین سو بیس یا تین سو ستائیس کسی لانچ کا نام نہ ہو۔" اچانک فرزانہ نے پر خیال لہجے میں کہا۔

"ویری گڈ۔" انسپکٹر جمشید اچھل پڑے: "شاباش فرزانہ۔"

فرزانہ کی تعریف پر فاروق نے کڑوا سا منہ بنایا۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید بولے:

"روکو، اکرام روکو۔ میرا ایک واقف لانچیں کرائے پر دیتا ہے۔ میں اس سے یہ بات پوچھنا چاہتا ہوں۔"

اکرام نے بریک لگائے۔ انسپکٹر جمشید اتر کر ایک میڈیکل اسٹور میں

داخل ہو گئے۔ انہوں نے انہیں فون کرتے دیکھا اور پھر وہ واپس آتے نظر آئے۔

"نہیں بھئی، کسی لانچ کا نام منڈوزا نہیں ہے۔ یہ بات میرے اس واقف نے گارنٹی سے کہی ہے۔"

"اوہ، اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرا خیال غلط نکلا۔"

"ایسے خیالات پیش کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے، جو غلط نکلیں۔" فاروق نے بھنائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کچھ بھی ہو، یہ خیال تھا زوردار۔" انسپکٹر جمشید بولے اور جیپ پھر چل پڑی۔

اکرام کو انہوں نے راستے میں اتارا اور خود گھر پہنچے۔ آج انسپکٹر جمشید نے شام کی چائے اب تک نہیں پی تھی، موقع ہی نہیں ملا تھا۔ چائے کی میز پر انہوں نے شام کا اخبار بھی دیکھنا شروع کیا۔ ان دنوں ملک میں ہنگامی سے حالات تھے، اس لیے شام کو بھی اخبار شائع ہوتے تھے اور پھر ایک خبر پر ان کی آنکھیں جم کر رہ گئیں۔

محمود، فاروق اور فرزانہ نے دیکھا کہ چائے کے کپ والا ہاتھ منہ تک جاتے جاتے رہ گیا اور پھر آہستہ آہستہ نیچے آتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ کپ پر سے ان کا ہاتھ ہٹ گیا۔ چہرے پر حیرت کے بادل اُمڈتے نظر آئے۔

☆☆

"کیا کوئی خاص خبر نظر آ گئی ہے ابا جان۔"

"ہاں بھئی، بہت ہی خاص۔ منڈوزا تین سو ستائیس کا راز معلوم ہو گیا ہے۔"

"جی کیا مطلب؟" وہ اچھل پڑے۔

"یہ تو کوئی گہرا چکر معلوم ہوتا ہے اور فرزانہ تمہارا خیال واقعی بڑی حد تک

درست تھا۔"

"تو کیا منڈوزا تین سو ستائیس کسی لانچ کا ہی نام ہے؟" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"نہیں، لو تم خود ہی پڑھ لو، معلوم ہو جائے گا۔" انہوں نے مسکرا کر کہا اور اخبار ان کے سامنے کر دیا۔

تینوں ایک ساتھ اخبار پر جھک گئے۔ کئی سیکنڈ تک انہیں وہ خبر نظر ہی نہ آ سکی۔ آخر انسپکٹر جمشید نے خبر پر انگلی رکھ کر انہیں بتایا، سرخی یہ تھی:

"منڈوزا تین سو ستائیس کل روانہ ہو گا۔"

اس کے نیچے خبر درج تھی، اس کے الفاظ یوں تھے:

"منڈوزا تین سو ستائیس، سب سے بڑا مال بردار بحری جہاز ملکی مصنوعات سے لد پھند کر کل روانہ ہو رہا ہے۔ اس مرتبہ یہ جہاز کروڑوں روپے کا مال لے کر پڑوسی ملک جا رہا ہے۔ امید ہے، کہ اس بار کی تجارت سے ملک کو خاطر خواہ فائدہ ہو گا۔"

خبر پڑھ کر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت بھرے انداز میں دیکھا۔

"یہ تو کوئی تجارتی جہاز ہے۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"خبر پڑھنے کے بعد یہ اندازہ تو ایک ننھا سا بچہ بھی لگا سکتا ہے۔" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تو کیا اس جہاز پر کوئی گڑبڑ ہے؟"

"تابو خان یا کوئی اور اگر ہمیں کوئی پیغام دینا چاہتا تھا تو پھر ضرور اس جہاز میں گڑبڑ موجود ہے۔ وقت بہت کم ہے۔ ہمیں جو کچھ کرنا ہے، فوری طور پر کرنا ہے۔"

انسپکٹر جمشید فکر مندانہ لہجے میں بولے اور پھر وہ فون پر جھک گئے۔ کئی منٹ وہ فون پر کسی سے باتیں کرتے رہے، پھر فون کا ریسیور رکھتے ہوئے بولے:

"میں نے جہاز ران کمپنی سے بات کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جہاز ہر طرح روانگی کے لیے تیار ہے۔ سامان جو اس پر لدوایا جانا تھا، لادا جا چکا ہے۔ جہاز کا عملہ روانگی کی تیاری کر رہا ہے۔ جہاز پر ایک ڈاکٹر اور اس کا عملہ، ایک انجینئر اور اس کا عملہ موجود ہے۔ یہ جہاز چھ ماہ میں ایک بار مال لے کر کسی دوسرے ملک کو جاتا ہے، یعنی جس طرح ادھر سے بھر کر جاتا ہے اسی طرح اس طرف سے بھر کر واپس آتا ہے۔ تجارتی کمپنیاں تو اس تجارت کے فائدہ اٹھاتی ہی ہیں، ہمارا ملک بھی فائدے میں رہتا ہے اور اس مرتبہ تو زیادہ تر مال جو لادا گیا ہے۔ سرکاری اداروں کا ہی ہے۔ ان حالات میں میں حیران ہوں کہ جہاز پر کس قسم کی گڑبڑ ہو سکتی ہے۔"

"اور کوئی شخص ہمیں اس گڑبڑ کی اطلاع کیوں دینا چاہتا تھا؟" محمود بولا۔

"ہاں، ہمیں کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا چاہیے۔ کیوں نہ جہاز کی چیکنگ کا پروگرام بنالیا جائے۔" انسپکٹر جمشید سوچ کے انداز میں بولے۔

"یہ بہت مناسب رہے گا۔"

"اچھا، میں بات کرتا ہوں۔" انہوں نے کہا اور ایک بار پھر فون پر جھک گئے۔ ان کی نظریں ان کی انگلی پر تھیں۔ فوراً ہی انہیں معلوم ہو گیا کہ انہوں نے آئی جی صاحب کے نمبر ملائے ہیں۔ وہ فون پر آئی جی صاحب کو تمام حالات سناتے رہے، پھر اپنی خواہش ظاہر کی۔ اس کے بعد آئی جی صاحب کی بات سنتے رہے، آخر ریسیور رکھتے ہوئے بولے:

"آئی جی صاحب متعلقہ آدمیوں سے بات چیت کرنے کے بعد ہمیں فون کریں گے۔"

"گویا ان کا فون آنے تک ہم فارغ ہیں۔" محمود نے کہا۔

"ہاں، لیکن فون آنے میں دیر نہیں لگے گی۔" وہ بولے۔

ان کا خیال ٹھیک ہی نکلا۔ ٹھیک آدھ گھنٹے بعد آئی جی صاحب کا فون آ گیا۔ فون سننے کے بعد انہوں نے بتایا:

"آئی جی صاحب نے پورے جہاز کی تلاشی کا انتظام کر دیا ہے۔ یہ تلاشی جہاز کی روانگی سے پہلے پہلے مکمل کرنا ہو گی۔ شیخ صاحب کی خواہش تھی کہ تلاشی ہم لوگ لیں، لیکن میں نے انکار کر دیا ہے۔ اس کی بھی ایک خاص وجہ ہے، چنانچہ اب کچھ بہت ہی سمجھدار قسم کے آفیسر جہاز کی تلاشی لیں گے۔"

"مطلب، یہ تو ہوا۔ اب آپ کیا کریں گے۔"

"میں اس لڑکی کو گرفتار کروں گا، جو تابو خان کی قاتلہ ہے اور جس نے مجھے ایک ہی دن میں دو بار جُل دیا ہے۔" انسپکٹر جمشید خوش دلی سے بولے۔

"آپ اسے کہاں تلاش کریں گے۔"

"بس یہی سوچ رہا ہوں کہ تلاش کہاں سے شروع کی جائے۔ کیونکہ اس کیس میں تفتیش کا راستہ اگر کوئی ہے تو منڈوزا تین سوتائیس۔ اور اس پر میں ابھی جانا نہیں چاہتا۔"

"آخر کیوں، آپ نہایت آسانی سے تلاشی لینے والوں میں شامل ہو سکتے تھے۔"

"اگر تلاشی میں کوئی کامیابی نہ ہوئی تو پھر ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اب ہم بہت کچھ کر سکیں گے۔ انسپکٹر جمشید نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"جی، کیا مطلب؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"مطلب یہ کہ تلاشی لینے کی صورت میں ہم جہاز کے عملے کی نظر میں

آجاتے۔ اس صورت میں ہم ان کی نظروں میں آئے بغیر جہاز پر سفر نہیں کر سکتے تھے۔"

"تو کیا، ہم جہاز پر سفر کریں گے۔ فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، اگر تلاشی لینے والے کسی گڑبڑ کا سراغ نہ لگا سکے تو ہمیں ایسا ہی کرنا ہوگا۔" وہ بولے۔

"اوہ، لیکن یہ کیسے ہوگا، ہم اس پر سفر کس طرح کریں گے۔"

"کل تک سوچنے کا وقت ہمارے پاس ہے تم بھی سوچو اور میں بھی سوچتا ہوں کہ ہم جہاز پر کس طرح سفر کر سکتے ہیں۔ اگر ہم کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے تو پھر جہاز ران کمپنی کے ڈائریکٹر ہمیں بتائیں گے کہ ہم کس طرح سفر کر سکتے ہیں۔"

اور وہ سوچ میں ڈوب گئے۔ یہ سوچ ان پر دوسرے دن تک سوار رہی، لیکن وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے، جس کی وجہ یہ تھی کہ جہاز صرف مال بردار تھا، اگر مسافر بردار ہوتا تو وہ مسافروں میں کھپ سکتے تھے۔ دوسرے دن صبح سویرے ان کے فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے بے تابی کے عالم میں ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو۔" وہ بولے۔

"ہیلو جمشید، تلاشی لینے والوں کی رپورٹ موصول ہوگئی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جہاز پر کسی قسم کی کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔ انہوں نے سارا مال دیکھ لیا ہے۔ جہاز کے کپتان، نائب کپتان اور دوسرے لوگوں سے بھی ملاقات کی ہے۔"

"اوہ، لیکن مجھے یقین ہے، کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"پھر تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"ہم چاروں جہاز پر سفر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سفر کس طرح کر سکتے ہیں۔ اس پہلو پر ہم کل سے غور کر رہے ہیں، لیکن ابھی تک کچھ نہیں سوچ سکے۔ مہربانی فرما کر کمپنی کے ڈائریکٹر سے بات کیجیے، شاید وہ اس کا کوئی حل بتا سکیں۔ اچھا میں دیکھتا ہوں۔ جہاز آج شام روانہ ہو جائے گا، گویا اس کی روانگی میں اب صرف چند گھنٹے باقی رہ گئے ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"میرا خیال ہے، تم لوگ سفر کی تیاری شروع کرو۔"

"شیخ صاحب کا فون آنے سے پہلے ہی۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، ڈائریکٹر صاحب کو ہمارے لیے کوئی نہ کوئی راستہ تو نکالنا ہی ہوگا۔"

وہ تیاری میں مصروف ہو گئے۔ ٹھیک دس منٹ بعد فون موصول ہوا۔ آئی جی کہہ رہے تھے:

"ہیلو جمشید، ڈائریکٹر صاحب نے حل تلاش کر لیا ہے۔ جہاز کے کپتان کو یہ اطلاع دے دی گئی ہے کہ ہمارے پڑوسی ملک میں اچانک چیچک کی وبا پھیل گئی ہے، لہٰذا ایک ڈاکٹر اپنے تین مددگاروں سمیت جہاز کے تمام عملے کو چیچک کے ٹیکے لگانے کے لیے آ رہے ہیں۔ جہاز پر بھی سفر کریں گے، تاکہ پڑوسی ملک پہنچ کر اگر عملے کا کوئی آدمی چیچک کا شکار ہو جائے تو اس صورت میں وہ مددگار ثابت ہو سکیں۔ اب کپتان صاحب ایک ڈاکٹر اور ان کے تین مددگاروں کا انتظار کریں گے۔ تمہیں عین اس وقت پہنچنا ہے، جب جہاز روانہ ہونے میں ایک آدھ گھنٹا باقی ہو۔ چیچک کی دوائیں، ٹیکہ لگانے کا سامان اور ایک ماہر آپ کے ہاں روانہ کیا جا رہا ہے، وہ تم لوگوں کو چند منٹ میں تربیت دے دے گا۔ وہ ڈاکٹروں والا لباس بھی لے کر آئے گا۔ مددگاروں کے لیے مخصوص لباس کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ فوری طور پر ان کے ماپ کا لباس مہیا نہیں کیا جا سکتا۔" آئی جی صاحب کہتے چلے گئے۔

"بہت بہت شکریہ جناب، مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ ڈائریکٹر صاحب کوئی

نہ کوئی راستہ ضرور نکال لیں گے۔" انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

اور دو پہر کے دو بجے کے قریب وہ ہسپتال کی گاڑی میں بیٹھ کر بندرگاہ کا رخ کر رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید اس وقت پورے ڈاکٹر نظر آ رہے تھے۔ ایسے میں فاروق نے کہا۔

"لیکن ابا جان، جہاز پر تو پہلے ہی ایک ڈاکٹر اپنے عملے سمیت موجود ہے۔ اس کی موجودگی میں ایک اور ڈاکٹر جہاز پر موجود لوگوں کو الجھن میں مبتلا کر دے گا۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ جہاز پر گڑبڑ کا امکان ہے، گڑبڑ کرنے والے ضرور چونکیں گے۔"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ جہاز پر موجود ڈاکٹر ایک عام ڈاکٹر ہے۔ چیچک کا ٹیکہ لگانے والے ویکسی نیٹر بالکل الگ ہوتے ہیں، تاہم انہیں بھی ڈاکٹر ہی کہہ دیا جاتا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہسپتال سے گاڑی کے ڈرائیور کے علاوہ ایک اور شخص بھی ساتھ آیا تھا۔ معلوم ہوا وہ ڈائریکٹر جہاز راں کمپنی کا آدمی ہے اور ان کی جہاز تک رہنمائی کے لیے آیا۔ اس شخص کو دیکھ کر ہی کپتان انہیں جہاز پر چڑھنے کی اجازت دے سکتا تھا۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ جہاز پر سوار ہو رہے تھے۔ جہاز کی سیڑھیاں چڑھتے وقت انہوں نے ایک لمبی سی ڈاڑھی والے باوردی آدمی کو عرشے پر کھڑے دیکھا۔ ان کے ساتھی نے دبی آواز میں کہا:

"یہی جہاز کے کپتان ہیں۔ ان کا نام کیپٹن یونس امیر ہے۔"

کیپٹن یونس امیر بھی انہی کی طرف دیکھ رہے تھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار موجود تھے۔ شاید اسے چیچک پھیل جانے والی خبر پر اعتبار نہیں آیا تھا۔ عرشے پر پہنچ کر ان کے ساتھی نے اس سے کہا:

"کپتان صاحب، یہ چاروں چیچک کا ٹیکہ لگانے والے ہیں۔ ہسپتال سے ...خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ ڈائریکٹر صاحب کا حکم ہے کہ یہ لوگ بھی جہاز پر سفر ...گے۔ ان کے قیام اور کھانے وغیرہ کا بندوبست بھی کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، مجھے ان کا فون مل چکا ہے۔ آپ جا سکتے ہیں۔ میں انہیں ...نے نائب ادریس بخاری کے حوالے کر دیتا ہوں۔ جہاز کی روانگی کے بعد یہ اپنا ...شروع کر سکتے ہیں آپ لوگوں کے نام کیا کیا ہیں۔ اس نے پہلے ڈائریکٹر کے ...ے اور پھر ان سے کہا۔

"میرا نام ڈاکٹر جمشید ہے۔ یہ تینوں میرے نائب ہیں۔" وہ جان بوجھ کر ...نام گول کر گئے۔

"شکریہ ڈاکٹر صاحب، مجھے کیپٹن یونس امیر کہتے ہیں۔"

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" یہ کہہ کر انہوں نے کپتان سے ہاتھ

"آیئے، میں آپ کو اپنے نائب تک لے چلوں۔"

"ڈائریکٹر کا آدمی اب واپس جا رہا تھا، وہ کپتان کے پیچھے چل پڑے۔ ...کے دوسری طرف ایک پتلا دبلا نوجوان کھڑا تھا ان کے قدموں کی آہٹ سن کر ...طرف مڑا۔

"یہی وہ لوگ ہیں، جن کا ذکر ڈائریکٹر صاحب نے کیا تھا انہیں دو کمرے ...اور ان کے کھانے پینے کا خیال بھی آپ کو رکھنا ہوگا۔"

"بہت بہتر سر۔" اس نے فوراً کہا۔

"یہ میرے نائب ادریس بخاری ہیں اور یہ ڈاکٹر جمشید اور ان کے ...کپتان نے تعارف کرایا۔

انہوں نے ادریس بخاری سے بھی ہاتھ ملائے اور پھر کپتان اسی سمر
میں چلا گیا، جس طرف سے آیا تھا۔

"آیئے میرے ساتھ، میں آپ لوگوں کو آپ کے کمرے دکھا دوں"
نائب نے کہا اور سیڑھیاں اترنے لگا۔ وہ بھی اس کے پیچھے چلے۔ اچانک نائب نے
اور سر اوپر اٹھاتے ہوئے بولا:

"کیا آپ واقعی ڈاکٹر ہیں؟"

وہ دھک سے رہ گئے۔ اس سوال کی انہیں ایک فیصد بھی امید نہیں تھی۔

☆☆☆

خاص بات

انسپکٹر جمشید نے اسے تیز نظروں سے گھورا، پھر بولے:

"کیا آپ کے خیال میں میں آپ کو ڈاکٹر معلوم نہیں ہوتا۔"

"مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے بات کچھ اور ہو، کیوں کہ اس سے پہلے کبھی
نہیں ہوا کہ اچانک جہاز پر ڈاکٹر بھیجے گئے ہوں۔"

"اس سے پہلے چیچک پھیلنے کی خبر بھی نہیں سُنی گئی ہوگی۔
جمشید ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"آپ بُرا نہ مانیں۔ میں نے تو یوں ہی ایک بات کہہ دی تھی۔ آیئے۔"

درمیانی منزل پر انہیں دو کمرے دیے گئے۔ ان میں انہوں نے اپنا مختصر سا
ان رکھ دیا۔ جہاز روانہ ہوتے پر انہوں نے اپنا کام شروع کیا۔ وہ عرشے پر جا کر
یوں پر بیٹھ گئے۔ ان کے سامنے ایک میز بچھا دی گئی، جس پر انہوں نے چیچک کی
رکھی کپتان یونس امیر نے باری باری سب کو ٹیکہ لگوانے کا حکم دیا۔ ایک ایک
سب لوگ ان کے پاس آتے گئے اور وہ ٹیکے لگاتے گئے۔ انہوں نے کپتان
نوں نائبوں اور کپتان کو بھی ٹیلے لگائے۔ کپتان کے دوسرے نائب کا نام

الطاف سوری تھا۔ انجینئر اور اس کا عملہ بھی ٹیکہ لگوانے آیا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا اور اس کا عملہ آٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ان آٹھ آدمیوں میں سات آدمی تو اسی جیسے یعنی ادھیڑ عمر تھے، البتہ آٹھواں آدمی بالکل نوعمر سا تھا۔ ڈاکٹر اور اس کا عملہ البتہ ٹیکہ لگوانے نہیں آیا۔

"محمود، تم کپتان صاحب کے پاس جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ ڈاکٹر صاحب اور اس کے عملے نے ٹیکہ نہیں لگوایا ہے۔"

"جی بہت بہتر۔"

"اور اگر ادھر ادھر نائب ادریس بخاری نظر آ جائے تو ان سے کہنا، ذرا مجھ سے مل لیں۔"

"بہت اچھا۔" محمود نے کہا اور چلا گیا۔

وہ ابھی واپس نہیں آیا تھا کہ نائب ادریس بخاری ان کے پاس پہنچ گیا۔

"جی فرمایئے۔"

"ڈاکٹر صاحب اور ان کے عملے کی موجودگی تو جہاز پر سمجھ میں آتی ہے لیکن انجینئر صاحب اور ان کے عملے کی موجودگی کی بھلا کیا ضرورت ہے، کیا آپ مجھے بتائیں گے۔"

"لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔ آپ تو جہاز پر موجود لوگوں کو چیچک کے ٹیکے لگانے آئے ہیں۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے، لیکن تجسس تو ہر انسان میں ہوتا ہے۔ بس میرے ذہن میں یہ بات آئی اور میں نے آپ سے پوچھ لی۔"

"بات صرف یہ ہے کہ جہاز میں بھی تو کوئی خرابی ہو سکتی ہے، سمندر میں مرمت کرنے والوں کا انتظام کہاں سے کر سکتے ہیں، لہٰذا ساتھ لے کر ہی چلنا پڑ

ہے۔"

"کیوں، کیا کپتان صاحب اور آپ دونوں خرابی دور نہیں کر سکتے۔"

"ہمارا کام جہاز کو چلانا ہے، مرمت کرنا نہیں، مرمت کرنا الگ کام ہے، جس طرح گاڑی کے ڈرائیور چھوٹا موٹا نقص تو دور کر سکتے ہیں، کوئی بڑی خرابی دور نہیں کر سکتے۔" اس نے وضاحت کی۔

"بہت خوب، ہم سمجھ گئے۔ آپ کو زحمت دی، معاف کیجئے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔" یہ کہہ کر وہ مڑنے لگا۔

"ایک منٹ جناب، کیا ہر بار آپ کے ساتھ یہی انجینئر اور عملے کے یہی لوگ ہوتے ہیں یا یہ بدلتے رہتے ہیں۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"بدل بھی جاتے ہیں۔ اس بار کے انجینئر صاحب بھی نئے ہیں اور ان کا عملہ بھی۔"

"بہت خوب، شکریہ جناب۔"

"کیا بات ہے جناب، آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟" ایک جھنجلائی ہوئی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"آیئے ڈاکٹر صاحب۔ آیئے، آیئے۔ تشریف رکھیے۔" ادریس بخاری چہک کر بولا۔

"شکریہ بخاری صاحب، میں ان لوگوں سے بات کر رہا ہوں۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"ہم ٹیکہ لگانا چاہتے ہیں اور بھلا کیا چاہیں گے۔"

"لیکن میں اور میرا عملہ ٹیکہ نہیں لگوائیں گے۔"

"جی، وہ کیوں؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"اس لیے کہ ہم خود ڈاکٹر ہیں۔"

"جیسے آپ کی مرضی، بہر حال ہم کپتان صاحب کو بتا دیں گے کہ آپ نے ٹیکہ نہیں کرایا۔"

"ضرور بتا دیجیے گا۔" اس نے کہا، پیر پٹختا چلا گیا۔

"معاف کیجیے گا، ڈاکٹر صاحب ذرا بہت تیز مزاج واقع ہوئے ہیں۔"

"ان کا نام کیا ہے؟" فاروق بولا۔

"انہیں ڈاکٹر کریمی کہتے ہیں۔ یہ بھی اسی مرتبہ ہمیں ملے ہیں۔"

"اوہ، گویا پچھلی مرتبہ کوئی اور ڈاکٹر تھا۔"

"جی ہاں۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔ اسی وقت فاروق کے منہ سے نکلا:

"ارے، یہ محمود کہاں رہ گیا؟"

انہوں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ محمود واقعی ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔

☆☆

کپتان یونس امیر کے کمرے سے نکل کر محمود واپس لوٹ رہا تھا کہ نہ جانے اس کے جی میں کیا آئی۔ مخالف سمت میں بڑھتا چلا گیا، پھر ایک جگہ سیڑھیاں جاتی نظر آئیں تو ان کے ذریعے نیچے اُترنے لگا۔ اس طرف اس کے قدم غیر ارادی طور پر اٹھ گئے۔ اسے حیرت ہونے لگی۔ سیڑھیاں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ حیرت کی بات بھی تھی اور آخر اس کے پاؤں فرش پر لگے۔ اس نے دیکھا، جہاز کے سب سے نچلے حصے میں تھا۔ یہاں قطار در قطار مال کی پیٹیاں رکھی تھیں، بہت بڑی بڑی پیٹیاں، گویا ہزاروں ٹن مال اس حصے میں موجود تھا۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس کے سوا یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ پیٹیاں بالکل بند تھیں اور ہاتھوں سے کھول کر ان کے اندر نہیں جھانک سکتا تھا، تاہم ان کے اندر بظاہر کوئی

چونی چیز نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو تلاشی لینے والوں کی نظروں میں آنے سے نہیں بچ سکتی تھی۔ اس نے پورے ہال کا ایک چکر لگایا۔ پیٹیوں کی قطاروں کے درمیان بنے راستوں پر چلتا رہا۔ ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف نکلتا رہا، اس کا جی چاہ رہا تھا کہ پیٹیوں کو کھول کھول کر دیکھے، لیکن اس وقت یہ ممکن نہیں تھا۔ کسی وقت بھی اوپر سے کوئی شخص نیچے آ سکتا تھا۔ زینے پر کوئی تالا تو لگا ہوا تھا نہیں۔ آخر اس نے سوچا، وہ رات کو فاروق اور فرزانہ کے ساتھ یہاں آئے گا اور اپنے چاقو کی مدد سے ان میں سے کچھ پیٹیوں کو کھول کر دیکھے گا۔ یہ سوچ کر وہ مڑا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ عین اسی وقت اوپر سے آتی قدموں کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس کا دل اور بھی زور زور سے دھڑکنے لگا۔ تیزی سے پلٹا اور پیٹیوں کی قطار کے پیچھے دبک گیا۔ چند سیکنڈ بعد ایک آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی:

"چیچک کے ڈاکٹر اور اس کے مددگاروں کی آمد کافی پراسرار ہے۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اگر کبھی کسی وبا کی اطلاع ملی بھی تو ہم سب کو وبائی امراض کے ہسپتال میں جا کر ٹیکے لگوانا پڑے اور اگر وقت کی کمی کے پیش نظر ان لوگوں کو یہاں بھیجا ہی گیا تھا تو یہ ٹیکے لگا کر واپس چلے جاتے۔ انہیں جہاز پر ہی کیوں چھوڑا گیا۔"

"مجھے تو اس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں آتی۔ حفظانِ صحت کے عالمی ادارے نے خصوصی ہدایات دی ہوں گی، جن کی بنا پر ایسا کیا گیا۔" دوسری آواز آئی۔

محمود نے فوراً جان لیا کہ ادریس بخاری اور الطاف سوری ہیں۔

"یہی ہو سکتا ہے، یہی بات ہو، لیکن وہ ڈاکٹر مجھے عجیب سا آدمی لگتا ہے اور اس کے مددگار کتنے نوعمر ہیں۔ کبھی اتنے کم عمر ملازم دیکھے ہیں ہسپتال میں۔" ادریس بخاری بولا۔

"ہو سکتا ہے، ہنگامی حالات کے تحت رکھے گئے ہوں۔"

"تمہارے پاس تو ہر بات کا گھڑ گھڑایا جواب تیار ہوتا ہے۔" اد
بخاری کے لہجے میں اس مرتبہ جھنجلاہٹ محسوس ہوئی، پھر اس کی چونکی ہوئی آوا
دی:

"ارے۔"

"کیوں کیا ہوا؟"

"میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ یہاں کوئی اور بھی موجود ہے۔"

"اب تمہیں وہم ہو گیا ہے، بھلا یہاں کون ہو سکتا ہے اور کسی کو چور
یہاں آنے کی ضرورت بھی کیا ہے، ان پیٹیوں میں۔"

اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت کسی کے سیڑھیاں
کی آواز سنائی دی تھی۔

"کون نیچے آ رہا ہے؟" ادریس بخاری نے تیز آواز میں پوچھا۔

اس کی بات کا جواب آنے والے نے نہیں دیا۔ سیڑھیاں اترنے
بدستور سنائی دیتی رہی۔ ادھر محمود کے دل کی دھڑکن میں بے پناہ اضافہ ہو گیا
یوں لگا، جیسے دل پسلیاں توڑ کر باہر ہی نکل آئے گا۔

"جواب کیوں نہیں دیتے، تم کون ہو؟" ادریس بخاری نے جھلا کر

"اتنا بگڑنے کی کیا ضرورت ہے بخاری صاحب، میں جو کوئی بھی
ابھی آپ کے سامنے آ جاتا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے، تمہیں اندر کسی کی موجودگی کا احساس غلط
تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ پہلے سیڑھیوں پر موجود تھا۔ پہلے تو وہ دبکا رہا، لیکن
نے یہاں کسی کی موجودگی محسوس کر لی تو وہ سیڑھیاں اترنے لگا۔" الطاف سو
دبی آواز میں کہا۔

"نہیں، کوئی شخص ان پیٹیوں کے درمیان بھی موجود ہے۔ میری چھٹی حس
نے مجھے کبھی غلط خبر نہیں دی۔" ادریس بخاری نے سرگوشی کی۔ اتنے میں سیڑھیاں
اترنے والا سامنے آ گیا۔

"ارے انجینئر صاحب آپ، لیکن آپ کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی
اور وہ بھی اس پُراسرار انداز میں۔" ادریس بخاری نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"مجھے ایسی جگہ آنا ہی تھا، جہاں آپ دونوں سے تنہائی میں بات
کر سکوں۔" انجینئر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"اوہو، کیا آپ ہم سے کوئی خاص بات کرنا چاہتے ہیں؟" الطاف سوری
چونکا۔

"ہاں، بہت ہی خاص۔ اتنی خاص بات آپ دونوں نے اپنی زندگی میں
پہلے کبھی نہیں سُنی ہوگی۔" اس نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

"اوہو، یہ ہم کیا سُن رہے ہیں؟" ادریس بخاری کے لہجے میں حیرت
در آئی۔

"نیچے آ جاؤ بھئی، یہ دونوں حضرات ہماری بات سننے کے لیے تیار ہیں۔"
انجینئر نے منہ اوپر کر کے کہا۔

"کیا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟"

"ہاں، میرے چار ماتحت، چار اوپر ہی چھوڑ آیا ہوں، کیونکہ یہاں زیادہ
آدمیوں کی ضرورت نہیں تھی۔" اس کا لہجہ اب بھی عجیب تھا۔

"نہ جانے کیوں، آپ کی باتوں سے مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔"
ادریس بخاری نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"بخاری، ہوش میں تو ہو، بھلا انجینئر صاحب سے خوف زدہ ہونے کی کیا

ضرورت ہے۔ یہ تو اپنے آدمی ہیں۔"

"اور کیا۔" انجینئر نے خوش ہو کر کہا۔

"مم، میری چھٹی حس۔" اور یس بخاری جملہ مکمل نہ کر سکا۔

"بھاڑ میں گئی تمہاری چھٹی حس، جب دیکھو، ان کی چھٹی حس....." الطاف سوری کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت انہوں نے کڑ کڑ کرتی کئی آوازیں سُنی تھیں۔ محمود کے بدن میں سنسناہٹ دوڑ گئی، کیونکہ وہ اس آواز سے بخوبی واقف تھا۔

☆☆☆

کھیل شروع

"اوہو، محمود تو واقعی یہاں موجود نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"معلوم ہوتا ہے، وہ حضرت پھر اکیلے ہی کوئی مہم سر کرنے کے شوق میں کسی طرف نکل گئے ہیں۔" فرزانہ نے بُرا سامنہ بنایا، کیونکہ اسے محمود کی اس عادت سے چڑ تھی۔

"اس کی اس عادت نے کئی بار کام بگاڑے اور کئی کام بنائے ہیں، لیکن میرا خیال ہے، اس وقت وہ گھومنے نکل گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کہیں اس کا یہ گھومنا ہمیں نہ گھما کر رکھ دے۔" فاروق تلملائے ہوئے انداز میں بولا۔

"دیکھو بھئی، یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ ہم اس جہاز پر کسی گڑبڑ کا کھوج لگانے کے لیے ہی نکلے ہیں۔ اچھا ہے، جس قدر جلد اصل بات سامنے آ جائے۔" انسپکٹر جمشید نے انہیں دلاسا دیا۔

"میرا تو دل بُری طرح گھبرا رہا ہے ابا جان، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ محمود نے خود کو بُری طرح پھنسا دیا ہے۔"

"یہ بات بھی ہو سکتی ہے۔ تو پھر ایسا کرو کہ تم دونوں اس کی تلاش میں نکل جاؤ۔"

"اور آپ۔ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں بھی ادھر ادھر اسے دیکھتا ہوں۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بہت بہتر۔ میں سمجھ گیا، آپ ہم سے الگ رہ کر اسے تلاش کرنا چاہتے ہیں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"چلو، یہی سمجھ لو۔" وہ مسکرائے اور کمرے سے نکل گئے۔

فاروق اور فرزانہ بھی نکلے اور ان سے مخالف سمت میں نکل کھڑے ہوئے۔

"اب ڈھونڈتے رہو ان حضرت کو۔ ذرا جو کبھی چین سے بیٹھ جائیں۔" فاروق نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"اب جل بھن کر کوئلہ ہونے کا کیا فائدہ۔ صبر شکر سے ڈھونڈو۔" فرزانہ نے نیک مشورہ دیا۔

"کیا تمہیں غصہ نہیں آ رہا اس پر۔"

"آیا تھا ایک دو لمحے کے لیے، پھر ہوا ہو گیا، کیونکہ میں نے یہ حدیث سن رکھی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: غصہ عقل کو کھا جاتا ہے۔ اور میں نہیں چاہتی عقل سے محروم ہو جاؤں اور پھر تم مجھے عقل سے کوری کہتے پھرو۔"

"اچھا میں وعدہ کرتا ہوں، تمہیں عقل سے کوری نہیں کہوں گا۔ لے آؤ غ کو غصے کی لپیٹ میں۔" فاروق نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

"بس بس، زیادہ سخاوت نہ جھاڑو۔"

"لو اور سنو، سخاوت بھی کہیں جھاڑی جاتی ہے۔"

"میرا خیال ہے، ہم ادھر ادھر کی باتوں میں الجھ گئے۔ ہمیں تو صرف محمود کو تلاش کرنا ہے۔ ایسا نہ ہو، ابا جان ہم سے پہلے اس تک پہنچ جائیں۔ اس صورت میں بھلا ہم انہیں کیا منہ دکھائیں گے۔" فرزانہ نے فکر مندانہ انداز اختیار کیا۔

"یہی منہ دکھائیں گے، اس جہاز پر اور منہ کہاں سے لا سکتے ہیں۔" فاروق نے ایسے انداز میں کہا، جیسے خشکی پر ہونے کی صورت میں تو وہ اور منہ لے ہی آتا۔

"لاحول ولاقوۃ۔" فرزانہ نے بھنا کر کہا: "مجھے بھی اپنی لچھے دار باتوں میں الجھا لیا۔"

"شیطان ہو گی تم خود، بلکہ شیطان کی خالہ۔" فاروق بھلا کب خاموش رہنے والا تھا۔

"ویسے ایک بات کہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ جہاز کی فضا پُراسراری لگتی ہے۔" فرزانہ نے اس کی بات پر توجہ دیے بغیر کہا۔

"اب فضا بھی پراسرار لگنے لگی۔ خدا جانے آگے کیا ہو۔" فاروق نے سرد آہ بھری۔

"پہلے ہم محمود کو انجن روم میں دیکھیں گے۔ کہیں وہ کپتان یونس امیر سے جہاز چلانا نہ سیکھنے بیٹھ گیا ہو۔" فرزانہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اور پھر ہم اسے عرشے پر دیکھیں گے، کہیں وہ کپتان کے نائبوں سے عرشے پر چہل قدمی کرنے کا طریقہ نہ سیکھنے لگ گیا ہو۔" فاروق نے اس کی نقل اتاری۔

"نقل اتارتے ہوئے تم بہت بھونڈے لگتے ہو۔"

"جس کی نقل اتاری جائے، اگر وہ بھونڈا ہو گا تو نقل اتارنے والا بھونڈا

دکھائی نہیں دے گا تو کیا چودھویں کا چاند لگے گا۔"

"توبہ ہے تم سے تو۔ اچھا بس، اب خاموش رہو۔ میں ذرا یونس امیر صاحب سے بات کرلوں۔"

فاروق نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ وہ انجن روم تک پہنچ گئے تھے۔ اندر کیپٹن یونس امیر انجن سے الجھا ہوا تھا۔

"کیا میں اندر آ سکتی ہوں جناب؟"

"اب کیا ہوا، ابھی ابھی تو تمہارا ساتھی آیا تھا۔ کیا ڈاکٹر اور اس کے ساتھی ٹیکہ لگوانے نہیں پہنچے؟"

"وہ تو آ چکے ہیں، ہم تو بس یہی پوچھنے آئے تھے، ہمارا ساتھی یہاں آیا تھا یا نہیں، کیونکہ وہ اب تک واپس نہیں پلٹا۔"

"تو ادھر ادھر گھومنے لگ گیا ہوگا۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔" اس نے کسی قدر جھنجلا کر کہا۔

"پریشانی کی بات تو خیر ہے، جب تک وہ مل نہیں جاتا، بات پریشانی کی ہی رہے گی۔ اس کے بعد بے فکری کی ہو جائے گی۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"صاحب زادے، میں عمر میں تم سے بہت بڑا ہوں اور تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔"

"بالکل نہیں جناب، ہم بڑوں کا مذاق تو ہرگز نہیں اڑا سکتے جملے چست کرنا اس کی گھٹی میں پڑا ہے۔"

"خیر خیر تو تمہارا ساتھی یہاں آیا ضرور تھا، اسے عرشے پر تلاش کرلو۔"

"جی بہت بہتر۔ آؤ بھئی، عرشے پر دیکھیں۔"

دونوں وہاں سے ہٹ آئے اور عرشے پر چلنے لگے۔ پورا عرشہ دیکھ لینے کے بعد وہ واپس اپنے کمروں تک پہنچے۔ انسپکٹر جمشید ابھی تک نہیں لوٹے تھے اور نہ ہی محمود واپس آیا تھا۔ انہوں نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

☆☆

انسپکٹر جمشید محمود کی تلاش میں چلے جا رہے تھے۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے وہ غیر یقینی حالات میں گھرنے والے ہوں۔ محمود کا اس طرح اچانک غائب ہونا انہیں فکر میں مبتلا کر رہا تھا۔ اچانک ان کی نظر اس نوجوان پر پڑی جو انجینئر کا ساتھی تھا۔ وہ تیزی سے ایک سمت میں چلا جا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کے آثار طاری تھے۔ انہوں نے پہلی مرتبہ اسے سرسری نظر سے دیکھا تھا، اب اس پر بغور نظر ڈالی۔ انہیں ایک عجیب سا احساس ہوا۔ تیز تیز چلتے وہ اس کے پاس پہنچ گئے:

"کیا آپ بتا سکتے ہیں، انجینئر صاحب اس وقت کہاں ہیں؟"

"جی!" وہ چونک کر ان کی طرف مڑا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں حیرت کے دیے روشن ہوئے اور پھر بجھ گئے، پھر فوراً ہی اس نے کہا:

"میں خود انہیں تلاش کر رہا ہوں۔"

"ہوں، وہ ملیں تو انہیں بتا دیجیے گا کہ میں بھی ان سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی اچھا۔" اس نے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے۔ اب انہیں احساس ہونے لگا جیسے خطرہ ان کے سروں پر موجود ہو، لیکن خطرہ تو دور دور تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ نوجوان جب کافی دور چلا گیا تو وہ بھی محتاط انداز میں اس سمت میں بڑھے انداز ایسا نہیں تھا جیسے تعاقب کر رہے ہوں۔ نوجوان ایک موڑ مڑا اور پھر ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اب

انہیں تیز تیز قدم اٹھانا پڑے۔ موڑ پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا، سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں، گویا نوجوان نیچے گیا تھا۔ انہوں نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر سیڑھیاں اترنے لگے۔ جہاز چار منزلہ تھا۔ ہر طرف سیڑھیوں کا جال سا بچھا تھا، گویا جہاز کیا تھا، نئے آدمی کے لیے ایک بھول بھلیاں تھا۔

وہ فرش پر پہنچے تو دو طرفہ کمروں کی ایک لمبی قطار نظر آئی۔ نوجوان کا کہیں پتا نہیں تھا۔ وہ ایک ایک کمرے کے دروازے سے کان لگانے آگے بڑھنے لگے۔

اچانک ایک کمرے سے انہیں ایک لڑکی کی آواز سنائی دی:

"میں سچ کہہ رہی ہوں، کام شروع ہو گیا ہے۔ اب ہمیں ہوشیار ہو جانا چاہیے۔"

"ہمارے لیے ہدایت یہی ہے کہ اپنے کمرے میں موجود رہیں۔ جوں ہی سردار صاحب کی طرف سے کوئی حکم ملے، اس کی تعمیل شروع کر دیں: تاہم تم کس طرح کہہ سکتی ہو کہ کام شروع ہو گیا ہے۔"

"سردار صاحب عرصے سے موقع کے منتظر تھے۔ ان کے ساتھ ہمارے چار ساتھی بھی تھے۔ اچانک دونوں نائب انہیں سب سے نچلی منزل کی طرف جاتے نظر آئے۔ پھر میں نے ان دونوں کو نیچے اترتے دیکھا۔ اس کے بعد سردار صاحب بھی اتر گئے، لیکن ہمارے چار ساتھی اوپر ہی کھڑے رہ گئے۔ چند منٹ بعد وہ بھی نیچے چلے گئے، لہٰذا میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ کھیل شروع ہو چکا ہے۔"

"اچھا بس، خاموش رہو، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" دوسری آواز سنائی دی۔

"لیکن یہاں دیواریں کہاں ہیں۔" لڑکی کی آواز سنائی دی" ویسے جانے کیوں مجھے اس ڈاکٹر سے خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"بھلا اس سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ ڈرنا ہی ہے تو جہاز پر موجود بحری پولیس سے ڈرو۔ ہمیں سب سے زیادہ خطرہ اس سے ہے۔"

"انہیں سردار صاحب دیکھ لیں گے، ان کے ذہن میں ہر بات ہے۔"

وکی نے کہا: "لیکن وہ ڈاکٹر۔"

"کیا ڈاکٹر ڈاکٹر لگا رکھی ہے۔ خاموش رہو۔" تیسری آواز نے جھلا کر کہا۔

اور کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ انسپکٹر جمشید سوچ میں ڈوب گئے، نہ جانے وہ کیا کھیل تھا جو یہ لوگ کھیلنے والے تھے، ادھر محمود غائب تھا۔ ان لوگوں کی نگرانی بھی ضروری تھی اور سب سے نچلی منزل میں پہنچنا بھی ضروری تھا۔ اب اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی کہ وہ فاروق اور فرزانہ کو ان کی نگرانی پر مقرر کرتے اور خود نچلی منزل کو دیکھتے۔ یہ سوچ کر وہ اوپر پہنچے۔ انہوں نے پہلے تو عرشے پر ایک نظر ڈالی اور پھر اپنے کمرے میں آ گئے۔ دونوں کمرے میں موجود تھے۔ انہیں دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے چہرے کی طرف دیکھتے ہی فرزانہ بول اٹھی:

"معلوم ہوتا ہے، آپ بھی محمود کو تلاش نہیں کر سکے۔"

"محمود کی فکر چھوڑو، میرے ساتھ آؤ۔ انجینئر کے چار ساتھی ایک کمرے میں موجود ہیں۔ تم دونوں کو چھپ کر ان کی نگرانی کرنا ہے۔ انہیں یہ ہرگز نہ معلوم ہو کہ تم ان کی نگرانی کر رہے ہو۔ اور ان میں جو لڑکا ہے، اس سے خاص طور پر ہوشیار رہنا ہے۔"

"کیا چکر شروع ہو گیا ہے؟" فاروق نے بوکھلا کر پوچھا۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ آؤ جلدی کرو، کہیں وہ کمرے سے نکل نہ کھڑے ہوں۔"

وہ انہیں ساتھ لے کر پھر نیچے پہنچے۔ چاروں کا کمرہ انہیں دکھاتے ہو
سرگوشی میں بولے:

"وہ اس کمرے میں ہیں۔ ادھر ادھر کونوں میں دبک جاؤ۔ میں ایک
سمت میں جاتا ہوں۔"

"کیا آپ محمود کی تلاش میں جا رہے ہیں؟" فرزانہ نے بے چینی ہ
کہا۔

"نہیں، میں کہہ چکا ہوں، محمود کی فکر نہ کرو، اس وقت صرف وہ کرو، ج
گیا ہے۔"

یہ کہہ کر تیزی سے اوپر چلے گئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ انہیں نہیں م
تھا کہ سب سے نچلی منزل کو کون سا راستہ جاتا ہے۔ آخر انہوں نے جہاز کے ا
ملازم سے پوچھا یہ مزدور تھا۔

"کیوں بھئی سب سے نچلی منزل کو کون سا راستہ جاتا ہے؟"

"آپ وہاں جا کر کیا کریں گے۔ وہاں تو سامان کی پیٹیاں ہی پیٹی
ہیں۔" مزدور نے حیران ہو کر کہا۔

"دراصل میرا ایک ساتھی گم ہو گیا ہے، میں اسے تلاش کرتا پھر رہا ہوں
انہوں نے فوراً کہا۔

"تو پھر اس طرف چلے جائیے، ریلنگ کے بالکل ساتھ ساتھ۔ ایک ز
نیچے جاتا نظر آئے گا، وہی سیڑھیاں نچلی منزل تک جاتی ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" انہوں نے کہا اور اس سمت میں قدم اٹھانے لگے

☆☆☆

بولتا گونگا

فاروق اور فرزانہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ راہداری میں آگے
ہ کوئی نہیں تھا۔ چھوٹا سا ایک بلب راہداری میں ہلکی سی روشنی پھیلا رہا تھا۔

"یہ ضروری نہیں کہ وہ چاروں کمرے میں ہی موجود ہوں۔ ہو سکتا ہے، وہ
وقت کمرے سے نکل گئے ہوں، جب ابا جان ہمیں بلانے کے لیے یہاں سے
تھے، لہٰذا پہلے تو ہمیں یہ یقین کرنا چاہیے کہ وہ چاروں اندر موجود ہیں یا نہیں۔"
نہ نے جلدی جلدی کہا۔

"اور اگر وہ اندر موجود ہوں تو پھر ہم کونوں میں دبکنے کا کام کریں گے۔ کیا
ا ہے، ہم اس کام میں ماہر ہیں یا نہیں۔"

"ادھر ادھر کی نہ ہانکو، میں تالے کے سوراخ میں سے اندر جھانک کر دیکھتی
ں۔"

یہ کہہ کر فرزانہ دبے پاؤں آگے بڑھی اور سوراخ سے آنکھ لگا دی اندر اسے
شخص نظر نہ آیا، البتہ مختلف چیزیں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ اس نے دروازے
ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

''لو بھئی، اب ہمیں کونوں میں دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔
چاروں یہاں نہیں ہیں۔'' فاروق اس کے پیچھے سے بولا۔

''ہاں، آؤ ذرا اس کمرے پر نظر ڈال لیں۔'' فرزانہ بولی۔

''اس کام میں وقت لگ جائے گا۔ جب کہ ہمیں پہلے ان چاروں کو تلا
کرنا چاہیے، تاکہ نگرانی کا کام جاری ہو سکے۔''

''جب کہ میں اس کمرے کو ایک نظر دیکھ لینا بہتر سمجھتی ہوں۔'' اس نے
اور کمرے میں داخل ہو گئی۔ فاروق نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

اندر ایک میز کے گرد چار کرسیاں بچھی تھیں۔ چائے کے برتن ادھر
بکھرے پڑے تھے۔ دو چھوٹے سوٹ کیس بھی موجود تھے۔ فرزانہ نے کچھ سو
پھر ایک سوٹ کیس کے پاس بیٹھ کر اسے کھولنے کی کوشش کی گئی۔

''کیا کر رہی ہو۔ ہم پر چوری کا الزام لگ جائے گا۔''

''اس الزام کے حق دار تو ہم کمرے میں داخل ہونے کے بعد ہی ہو
تھے۔'' فرزانہ مسکرائی۔

ایک منٹ کی کوشش کے بعد اس نے سوٹ کیس کھول لیا اور پھر
انداز میں بند کر دیا۔ فاروق اس وقت دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے
تھا کہ کہیں کوئی آ نہ جائے۔ جب کہ فرزانہ ہر خطرے سے بے نیاز سوٹ
طرف متوجہ تھی۔

''فف، فاروق۔'' فاروق نے فرزانہ کی تھرتھراتی آواز سنی۔

''کک، کیا۔'' اس نے اسی کے انداز میں کہا۔

''ادھر دیکھو۔'' یہ کہہ کر اس نے سوٹ کیس کا ڈھکنا اوپر اٹھا دیا۔
ہی لمحے فاروق کی آنکھیں پھیل گئیں۔ سوٹ کیس جدید قسم کے اسلحے سے بھرا ہو

''کیا ہمارے ملک سے اسلحہ سمگل کیا جا رہا ہے، لیکن یہ تو ہم نے پہلے ہی
ت ملک سے منگوایا ہوا ہے۔''

''پاگل ہوئے ہو، اتنا تھوڑا سا اسلحہ سمگل کیا جاتا ہے کیا؟''

''کیا خبر نچلی منزل میں جو پیٹیاں موجود ہیں، وہ سب کی سب اسلحے سے
ی ہوئی ہوں۔''

''تم بھول رہے ہو۔ محکمہ سراغ رسانی کے ذہین لوگ جہاز کی تلاشی لے
ے ہیں۔ انہوں نے ان پیٹیوں کو بھی دیکھا ہوگا۔'' فرزانہ نے انکار میں سر ہلایا۔

''لیکن ان لوگوں نے یہ سوٹ کیس کیوں نہیں دیکھے۔''

''یہ سوٹ کیس کسی ایسی جگہ چھپائے گئے ہوں گے، جہاں ان کی نظر نہیں
گی، یا پھر یہ سوٹ کیس جہاز کی تلاشی کے بعد لائے گئے ہوں گے۔''

''خیر، جو بھی ہے، اسلحہ یہاں موجود ہے اور اب اس بات میں کوئی شک
ہیں رہ گیا کہ جہاز پر کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے، بلکہ گڑبڑ کا آغاز ہو چکا ہے۔ اب ہم
کیا کریں؟'' فاروق بولا۔

''آرام۔'' دروازے کی طرف سے آواز آئی۔

''ہائیں، فرزانہ تم نے مردانہ آواز میں کیوں بولنا شروع کر دیا۔ ویسے
تمہارا مشورہ بہت نیک ہے۔ ان حالات میں آرام کرنا سب سے زیادہ مناسب رہے
گا۔'' فاروق چہک کر بولا۔ فرزانہ بلا کی تیزی سے دروازے کی طرف مڑی اور پھر
ک کر رہ گئی۔ فاروق نے بھی مڑ کر دیکھا کہ دروازے میں انجینئر کے دو ساتھی
کھڑے ہیں اور ان دونوں کے ہاتھوں میں پستول ہیں۔

''کیا ارادے ہیں دوستو۔'' فاروق نے پرسکون انداز میں کہا۔

''نیک۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔ اسی نے پہلے آرام کا لفظ منہ سے

نکالا تھا۔

"شاید تم بہت ہی کم گو ہو۔ اس لیے ایک لفظ سے زیادہ میں جواب نہیں دیتے۔"

"ہاں۔" اس نے کہا اور دونوں مسکرا اٹھے۔

"ہمارے درمیان اسے گونگا کہا جاتا ہے۔" اس کے ساتھی نے کہا۔

"بولنے والا گونگا میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔" فاروق نے حیرت زدہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"ابھی تو تم اور بہت کچھ دیکھو گے۔ ہاں تو ذرا ہاتھ اوپر کرو، کیونکہ دونوں پستول بھرے ہوئے ہیں اور ہیں بھی بے آواز۔ اور ہم لوگوں پر اس وقت خون سوار ہے، کیوں گونگے۔"

"بالکل۔" گونگے نے فوراً کہا۔

"یار کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ تم دونوں کے سروں پر تو بال سوار ہیں۔ خون کا تو دور دور تک پتا نہیں۔ کیا تم نہیں جانتے، جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔"

"ہاں جانتے ہیں۔ تم نے اب تک ہاتھ اوپر نہیں اٹھائے۔"

"پروگرام کیا ہے تم لوگوں کا۔"

"شان دار۔" گونگا پھر بول اٹھا۔

"بھئی، تم تو خاموش ہی رہو۔ ذرا ہمیں اپنے ساتھی سے بات کرنے دو۔"

"کوئی بات کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ماسٹر کا حکم ہے کہ اگر تم چوں چرا کرو تو فوراً گولی ماردو۔" دوسرا بولا۔

"کس کا حکم ہے؟" فرزانہ زور سے چونکی۔ لفظ ماسٹر اسے مانوس سا

لگا۔ وہ سوچنے لگی کہ اس معاملے میں ماسٹر کا لفظ کہاں سنا ہے۔

"ماسٹر کا تم لوگ انہیں انجینئر کہتے ہو۔" اس نے بتایا۔

"تو وہ ماسٹر صاحب ہیں۔ چلو یہ اور بھی اچھا ہے، فرزانہ بس سے الجبرا سیکھ لے گی۔"

"چپ رہو، ہر وقت ریکارڈ نہ لگایا کرو۔ اس بار الجبرے میں ایک نمبر بھی نہیں کٹنے دوں گی۔"

"واقعی تم ٹھیک کہتی ہو، نمبر کٹ بھی کیسے سکتا ہے، جب کہ تم امتحان ہی نہیں دو گی۔" ماسٹر کا ساتھی ہنسا۔

"دیکھو بھئی، خدا کے لیے ہمیں ڈرانے کی اتنی بھرپور کوشش نہ کرو۔ امتحان ہم ہر حال میں دیں گے، مر گئے تب بھی دیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ اس صورت امتحان اوپر جا کر دینا ہوگا۔ لیکن تم ان باتوں کو کیا جانو۔ اگر جانتے ہوتے تو ایسے کام کیوں کرتے۔"

"مولوی صاحب، تقریر نہ جھاڑو، ہاتھ اوپر اٹھا دو، ورنہ میں گولی چلا دوں" گونگے کے ساتھی نے کہا۔

"چلو بھئی فرزانہ، اٹھا دو ہاتھ۔ کہیں یہ سچ مچ گولی نہ چلا دیں۔ اس وقت چ مچ گولی کھانے کے موڈ میں نہیں ہیں۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے انداز ا اور ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

"بہت بزدل ہو تم۔" فرزانہ نے کہا اور خود بھی ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

"تم سے کچھ ہی زیادہ ہوں گا۔" اس نے مسمی صورت بنا کر کہا۔

"گونگے، انہیں باندھ لو۔ ہمارے لیے یہ بھی بہت قیمتی ہیں۔" دوسرے ا۔ گونگا ایک خوف ناک مسکراہٹ سے آگے بڑھا ساتھ ہی اس نے اپنا پستول

جیب میں رکھ لیا اور دوسرے جیب سے رسی کا لچھا نکالا۔

"قیمتی، کیا مطلب؟" فرزانہ بُری طرح چونکی۔

"بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ تم کس طرح قیمتی ہو۔" اس نے کہا۔

"یا اللہ رحم، اب ہم قیمتی بھی ہونے لگے۔" فاروق بڑبڑایا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہے ہوں، کیا پروگر
ہے۔ فرزانہ نے اشارے میں کہا کہ اس وقت ہاتھ بندھوا لینا ہی مناسب رہے گا
بلا وجہ خطرہ مول لینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ابا جان کو تو معلوم ہی ہے کہ ہم کہاں ہیں
لہٰذا وہ خود ہی آ کر ہمیں چھڑا لیں گے۔

اور انہوں نے ہاتھ بندھوا لیے۔ ان کے ہاتھ کمر پر باندھے گئے تھے،
ٹانگیں بھی باندھ دی گئیں۔ اس کے بعد گونگے نے کپڑے کے دو ٹکڑے نکالے
ایک فرزانہ کے منہ میں ٹھونسنے لگا۔

"یہ کیا کر رہے ہو بھئی؟" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"تم لوگ باتیں بہت کرتے ہو، اس لیے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اوپر
رومال باندھ دیں گے، تاکہ کچھ دیر زبان کو بھی آرام مل سکے۔"

"بہت بہت شکریہ، یہ تو تم میری زبان پر بہت بڑا احسان کرو گے
فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

فرزانہ کا منہ بند کرنے کے بعد گونگا اس کی طرف بڑھا اور کپڑا اس
طرف لایا۔ ایسے میں فاروق بولا۔

"دیکھو بھئی ذرا احتیاط سے کام لینا، کہیں ہمارے دم نہ گھٹ جائیں او
مر نہ جائیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو ہم تم سے بہت خوفناک انتقام لیں گے۔"

"اچھا۔" گونگے نے اس کی بات کا اثر لیے بغیر کہا جب کہ فرزانہ

چہرے پر مسکراہٹ کی روشنی پھیل گئی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ باہر نکلے اور انہوں
نے دروازے کو تالا لگنے کی آواز سنی۔

☆☆

"یہ۔ یہ۔ یہ کیا۔" نائب کپتان ادریس بخاری ہکلایا۔

"بخاری صاحب، آپ اتنا بھی نہیں جانتے۔ انہیں چاقو کہتے
ہیں۔" انجینئر صاحب بولے۔

"آپ کا ارادہ کیا ہے؟"

"بہت مزے دار ارادہ ہے۔ سنو گے تو غش غش کر اٹھو گے۔"

"یا اللہ رحم۔" ادریس بخاری بولا۔

"ڈنگو، تم زینے پر جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ عرشے سے کوئی اس طرف آتا نظر
آئے، تو فوراً منہ سے سیٹی کی آواز نکالنا۔ اور ہاں، جگو، تم اپنے چاروں ساتھیوں کے
پاس جاؤ، ان سے کہو، دوسرا قدم اٹھائیں۔ میں پہلا قدم اٹھا چکا ہوں۔"

"جی بہتر۔" ڈنگو اور جگو ایک ساتھ بولے، پھر دونوں سیڑھیاں چڑھتے
چلے گئے۔

کمرے میں اب انجینئر کے ساتھ صرف دو آدمی رہ گئے۔ محمود سوچنے لگا،
وہ ان تین کے مقابلے میں تنہا ہے۔ نائب کپتانوں کے بارے میں اسے کوئی اندازہ
نہیں تھا کہ وہ ساتھ دیتے یا نہیں، چنانچہ اس نے سوچا، ابھی کچھ دیر اور انتظار کرنا
چاہیے۔ دیکھوں تو سہی یہ کرنا کیا چاہتے ہیں۔

"ہم لوگوں کا پروگرام صرف آپ دونوں کو باندھنے کا ہے۔ لیکن اگر آپ
نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو چاقو آپ کے جسم کے آر پار بھی ہو سکتے
ہیں۔" انجینئر نے سرد آواز میں کہا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔" ادریس بخاری نے تقریباً چیخ کر کہا۔

"جو ہم چاہتے ہیں، وہ ہو رہا ہے۔ اب باتیں بند چپ چاپ ہاتھ کمر کی طرف لے جاؤ۔"

"سنو، یہاں ہمارے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے۔ وہ تمہاری ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا ہے۔" ادریس بخاری بولا۔

"ہمیں ورغلانے کی کوشش نہ کرو۔ ہم جانتے ہیں، یہاں کوئی نہیں ہے۔"

"اگر میری بات غلط نکلے تو میری گردن اڑا دینا۔" ادریس بخاری نے پُر زور لہجے میں کہا۔

انجینئر نے اسے بغور دیکھا اور پھر اپنے دونوں ساتھیوں سے بولا:

"پورے ہال کی تلاشی لو۔ پیٹیوں کے درمیان راستوں کو احتیاط سے چیک کرو۔"

"بہت بہتر سردار صاحب۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا اور پیٹیوں کی طرف بڑھے۔

محمود کا دل ایک بار پھر زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے تیزی سے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ یکایک کیا چکر شروع ہو گیا ہے۔ کچھ سوچ کر اس نے جوتے کی ایڑی میں سے چاقو نکال لیا۔ اب لے دے کے اس کے پاس یہی ایک ہتھیار تھا۔ اچانک راستے کے ایک سرے پر انجینئر کا ایک ساتھی نمودار ہوا، محمود نے بوکھلا کر دوسرے سرے کی طرف دیکھا۔ اس وقت ادھر بھی ایک آدمی نظر آیا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں کھلے چاقو تھے اسے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی۔

"سردار صاحب، یہاں نئے ڈاکٹر کا ایک ساتھی واقعی موجود ہے۔ ادریس

بخاری جھوٹ نہیں کہہ رہا تھا۔"

"اوہ، یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟"

"یہ تو یہی بتا سکے گا کہ یہاں کیا کر رہا ہے؟" انجینئر کے ایک ساتھی نے کہا۔

"م۔ میں۔ میں سیر کرنے ادھر آ نکلا تھا۔ میرا کوئی قصور نہیں۔ مجھے جانے دیں۔" محمود نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔ ساتھ ہی وہ تھر تھر کانپنے لگا۔

"سردار صاحب، یہ تو کانپ رہا ہے۔"

"اسے مارنا مت، پکڑ لو۔" انجینئر نے کہا۔

"بہت اچھا۔"

دونوں ایک ایک قدم اٹھاتے اس کی طرف بڑھنے لگے۔ محمود کبھی ایک کی طرف دیکھتا تو کبھی دوسرے کی طرف۔ اگرچہ اس نے اپنے کانوں سے ان کے سردار کا حکم سنا تھا۔ اس نے انہیں مارنے کا حکم نہیں دیا تھا، لیکن یہ دھوکا بھی ہو سکتا تھا۔ اس بہانے وہ نزدیک آ کر اپنا کام نہایت آسانی سے کر گزرتے یہی وجہ تھی کہ محمود بار بار ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اور پھر وہ دونوں اس کے بالکل نزدیک آ گئے۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ خود کو ہمارا حوالے کر دو۔ ہم صرف تمہیں باندھیں گے۔"

عین اسی وقت اوپر سے سیٹی کی آواز سنائی دی۔

☆☆☆

ابھی نہیں

زینے کے نزدیک پہنچ کر انسپکٹر جمشید نے دیکھا، وہاں ایک آدمی کھڑا ہے۔ انہوں نے اس کی شکل دیکھ کر یاد کرنے کی کوشش کی کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے، جہاز پر موجود تمام آدمیوں کو انہوں نے ایک ایک نظر ہی دیکھا تھا۔ انہیں یاد آیا، یہ شخص انجینئر کے عملے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے بھی انہیں زینے کی طرف بڑھتے دیکھ لیا۔ فوراً منہ آسمان کی طرف کرتے ہوئے اس نے منہ سے سیٹی کی آواز نکالی اور پھر بولا:

"اُف کتنا شاندار منظر ہے۔ کاش، میں کیمرہ ساتھ لایا ہوتا۔"

"ہاں، واقعی خوب صورت منظر ہے۔ کیا یہ زینہ جہاز کی نچلی منزل تک جاتا ہے؟"

"جی ہاں، جاتا تو ہے، مگر ڈاکٹر صاحب، نیچے جا کر آپ کیا کریں گے۔ ٹیکہ تو سب لوگ لگوا چکے ہیں۔"

"ہاں، لگوا چکے ہیں۔ میرا ایک ساتھی نہیں مل رہا۔ میں اُسے تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے۔ فوراً ہی اس نے کہا۔

"تب پھر وہ نیچے نہیں ہو سکتا۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"اس طرح کہ میں یہاں کافی دیر سے موجود ہوں۔"

"وہ کافی سے بھی زیادہ دیر سے غائب ہے۔" یہ کہہ کر وہ زینے تک پہنچ گئے۔

"آپ کی مرضی، لیکن میرا خیال ہے وہ نیچے نہیں ملے گا۔"

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور سیڑھیاں اترنے لگے۔ انہیں اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ زینے پر کھڑا شخص انہیں یہ یقین کیوں دلانے کی کوشش کر رہا ہے کہ محمود نیچے نہیں ہو سکتا۔ وہ پوری طرح چونکنے رہ کر سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔ فرش پر پہنچ کر انہوں نے دیکھا، لاتعداد بڑی بڑی پیٹیاں وہاں ایک دوسرے کے اوپر اور قطار در قطار رکھی تھیں۔ پورے ہال میں انہیں کوئی بھی نظر نہیں آیا۔

"محمود، کیا تم یہاں موجود ہو؟" انہوں نے سرسراتی آواز میں کہا۔

جواب میں انہیں محمود کی آواز سنائی نہ دی۔ چند سیکنڈ تک وہ سن گن لیتے رہے اور پھر چونک اٹھے۔ انہوں نے صاف محسوس کر لیا کہ پیٹیوں کے درمیان ایک سے زائد آدمی چھپے ہوئے ہیں۔ چند لمحے تک وہ کھڑے سوچتے رہے کہ کیا کریں، پھر انہوں نے ایک بار پھر ذرا بلند آواز منہ سے نکالی:

"محمود، اگر تم یہاں موجود ہو تو جواب دو۔"

جواب میں پھر خاموشی رہی اور پھر وہ آگے بڑھے۔ انہوں نے پیٹیوں کے درمیان ادھر ادھر نظر ڈالی اور پھر واپس مڑ گئے۔ ان کے قدموں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ واپس اوپر آ گئے۔ یہ 'ں ابھی تک انجینئر کا ساتھی کھڑا تھا۔

"کیوں ڈاکٹر صاحب، میں نے ٹھیک کہا تھا نا؟"

"ہاں، بالکل ٹھیک کہا تھا۔ نیچے تو کوئی بھی نہیں ہے۔" انہوں نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔

ایک چکر لگا کر وہ اوٹ لیتے ہوئے پھر واپس پلٹے۔ انجینئر کا ساتھی ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔ وہ دبے پاؤں اس کے عین پیچھے پہنچ گئے۔ اچانک ان کا دایاں ہاتھ حرکت میں آیا اور اس کی کنپٹی پر اس زور سے لگا کہ وہ تیورا کر گرا، لیکن نیچے گرنے سے پہلے ہی انہوں نے اسے تھام لیا اور آہستہ سے عرشے پر لٹا دیا۔ اس طرح کہ ہلکی سی آواز بھی پیدا نہیں ہوئی۔ اب وہ پھر دبے پاؤں نیچے اتر رہے تھے۔ نیچے موجود لوگوں کو اس بار بھی کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ اس لیے انہیں امید تھی کہ وہ انہیں بغیر کسی دقت کے نظر آ جائیں گے۔ آہٹ پیدا کیے بغیر وہ نیچے پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا، انجینئر ہاتھ میں پستول لیے کھڑا تھا اور دونوں نائب کپتان اس کے سامنے ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے تھے۔ محمود انہیں اب بھی نظر نہیں آیا۔ ادریس بخاری اور الطاف سوری نے انہیں اترتے دیکھ لیا، کیونکہ ان کے چہرے زینے کی طرف تھے۔ ان کی آنکھوں میں حیرت جھانکی دیکھ کر انجینئر بلا کی تیزی سے پلٹا اور پھر اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں، لیکن جب اس نے دیکھا کہ چیک کا ڈاکٹر خالی ہاتھ ہے تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے دوستو؟"

"یہ شخص غدار ہے، نہ جانے کیا کرنا چاہتا ہے، فی الحال یہ ہمیں باندھ لینا چاہتا ہے۔ یہاں اس کے دو ساتھی اور بھی ہیں۔ ایک زینے پر آپ کو نظر آیا ہوگا۔" ادریس بخاری نے جلدی جلدی کہا۔

"کیوں بھئی، کیا تم غدار ہو؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بالکل نہیں، میں اپنے ملک کا ایک بہت بڑا وفادار ہوں۔" اس نے اکڑ کر کہا۔

"تو کیا یہ سچ ہے کہ تمہارے دو ساتھی اور یہاں موجود ہیں؟"

"ہاں، یہ بھی سچ ہے۔ اب چونکہ آپ بھی یہاں تشریف لے آئے ہیں، اس لیے مہربانی فرما کر آپ بھی ہاتھ اوپر اٹھا دیں۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے۔ آپ لوگ کرنا کیا چاہتے ہیں؟"

"کچھ کرنے کے لیے ہی اس جہاز پر آئے ہیں اور کر کے جائیں گے۔" وہ بولا۔

"اور اگر میں ہاتھ نہ اٹھاؤں تو؟" انہوں نے پوچھا۔

"اس صورت میں پستول کی گولی آپ کا مزاج پوچھے گی۔"

"ارے باپ رے، یہ لیجیے۔ میں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے ہیں۔ کوئی اور حکم۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"شکریہ، ڈنگو، جگو، کیا تم فارغ نہیں ہوئے؟"

"ابھی نہیں ماسٹر، یہ ہمیں تنگ کر رہا ہے۔"

"ایسی بات ہے تو اسے ختم کر دو۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔"

"آپ نہیں جانتے ماسٹر، اس کے ہاتھ میں بھی ایک چاقو ہے اور اس کے بہت خطرناک ہیں۔"

"تم دونوں ایک دم بزدل ہو۔ ایک لڑکے سے خوف زدہ ہو۔"

"محمود کیا یہ تم ہو؟" انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔

"ہاں ابا جان۔" محمود کی آواز آئی۔

"تو پہلے کیوں نہیں بولے تھے؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

''اگر میں پہلے بول پڑتا تو آپ بے تحاشا میری طرف آتے، اور ماسٹر کی گولی کا نشانہ بن جاتے۔'' محمود نے جواب دیا۔

''اوہ، تم ٹھیک کہتے ہو۔ تم نے بہت اچھا کیا جو خاموش رہے۔'' وہ خوش ہو کر بولے۔

''لیکن اس سے کیا فرق پڑ گیا، تم لوگ اب بھی ہمارے قبضے میں ہو۔''

''محمود، تم یہیں کیوں نہیں آجاتے، تاکہ مجھے معلوم ہو سکے کہ ہم کس پوزیشن میں ہیں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''میں ان دونوں کے درمیان گھرا ہوا ہوں۔ ان کے ہاتھوں میں چاقو ہیں اور میرے ہاتھ میں بھی میرا چاقو ہے۔'' محمود نے بتایا۔

''تب پھر ان میں سے ایک پر چاقو پھینک مارو اور راستہ بنا کر مجھ تک پہنچ جاؤ۔'' انسپکٹر جمشید نے غرا کر کہا۔

''اے خبردار، ہم بھی تمہارے ساتھ یہی سلوک کر سکتے ہیں۔'' انجینئر نے بھی غرا کر کہا۔

''ضرور کرو، میں بھی اسی انتظار میں ہوں۔'' وہ مسکرائے۔

اچانک ایک چیخ فضا میں ابھری اور پھر دوڑتے قدموں کی آواز سیڑھیوں میں گونج اٹھی۔ اچانک محمود انہیں اپنی طرف آتا نظر آیا۔ انجینئر نے اس پر فائر جھونک مارا، لیکن انسپکٹر جمشید پوری قوت سے اس سے ٹکرا گئے، جس سے وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور اس کا نشانہ چوک گیا۔ وہ ایسا گرا کہ سنبھل نہ سکا۔ انسپکٹر جمشید نے فوری طور پر جھک کر پستول اس کے ہاتھ سے نکال لیا اور اس کے ساتھی پر تان دیا جو محمود کے پیچھے دوڑا آ رہا تھا۔

''خبردار، گولی مار دوں گا، چاقو گرا دو۔''

وہ چونک اٹھا۔ حیران ہو کر سامنے کے منظر کو دیکھا اور پھر چاقو اس کے [illegible]ے نکل کر نیچے گر پڑا۔ محمود نے آگے بڑھ کر چاقو اٹھا لیا۔

''مسٹر انجینئر، تمہارا نام کیا ہے؟''

''ابا جان، اس کے آدمیوں نے اسے ماسٹر اور سردار صاحب کہہ کر پکارا [illegible]'' محمود چہکا۔

''ماسٹر۔'' وہ بڑبڑائے۔ نام سنا ہوا لگا، پھر وہ چونک کر بولے:

''اوہ، یاد آ گیا۔ ماسٹر کا لفظ تو تابوخان کی کاپی میں بھی درج ہے، تو یہ وہی [illegible]ہے جس کے لیے تابوخان بھی کام کرتا رہا ہے اور تابوخان کو ضرور اسی شخص نے قتل [illegible]ا ہے۔ وہ شاید باغی ہو گیا تھا۔ یا اس سے بدظن ہو گیا ہوگا یا پھر اس کا ضمیر جاگ [illegible] ہوگا۔'' وہ کہتے چلے گئے۔

''اوہ ہاں، یاد تو میں بھی کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں، کامیاب نہیں ہو سکا [illegible]'' محمود پر جوش لہجے میں بولا۔

''اور اسی کی کاپی میں بندرگاہ کا لفظ بھی لکھا تھا، گویا۔'' اس سے پہلے بھی [illegible]ے سمندری جہازوں میں گڑبڑ کرتے رہے ہیں یا پھر سمگلنگ وغیرہ کا چکر ہوگا۔

[illegible] ماسٹر صاحب، کیا معاملہ ہے؟''

ماسٹر اس وقت تک اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور انہیں خونخوار نظروں سے دیکھ رہا

''ابا جان، ابھی اس کے چھ ساتھی اور ہیں۔''

''ہاں، ہمیں ان کا بھی.......''

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ وہ دھڑام سے گرے اور یہی حال محمود [illegible]ہوا۔

☆☆

آنکھ کھلی تو انہوں نے خود کو رسیوں سے جکڑا پایا۔ اس بُری طرح باندھا
تھا کہ رسیاں گوشت میں دھنستی معلوم ہو رہی تھیں۔ محمود نے گردن گھما کر دیکھا، ا
سب سے نچلی منزل میں نہیں تھے۔ شاید انہیں اٹھا کر اوپر لے آیا گیا تھا۔ اس
دائیں طرف اس کے والد بندھے پڑے تھے، بائیں طرف فاروق اور فرزانہ
ادھر جہاز کے عملے کے دوسرے ارکان پڑے تھے۔ ان میں کپتان یونس امیر بھی
ان کے دونوں نائب بھی۔ بحری پولیس والے بھی اور قلی وغیرہ بھی، سب کے
بندھے پڑے تھے۔ اسی وقت انہوں نے ایک چیختی آواز سُنی۔

"یہ سب کیا ہے۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔" آواز کپتان یونس امیر کی تھی

"ضرور پاگل ہو جاؤ کپتان صاحب، ہمیں کوئی پروا نہیں۔ زیادہ سے
زیادہ ہمیں یہ کرنا پڑ جائے گا کہ تمہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے اور ایک
مچھلیوں کے وارے نیارے ہو جائیں گے، کیونکہ سمندری مچھلیاں بہت بڑی
ہوتی ہیں۔ زیادہ مچھلیوں کی خوراک تو تم بن نہیں سکو گے۔" ایک آواز نے جواب دیا۔
انہوں نے صاف محسوس کیا کہ آواز انجینئر عرف ماسٹر کی تھی۔

"میں واقعی پاگل ہو جاؤں گا۔ آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟"

"میں نے کہا تو ہے کہ ضرور پاگل ہو جاؤ۔"

"لیکن جہاز کون چلا رہا ہے۔ تم لوگ جہاز چلانا کیا جانو۔" یونس امیر
کر بولا۔

"گلا نہ پھاڑو کپتان، میرے ساتھی بہترین تربیت یافتہ ہیں۔ وہ تم سے
بھی زیادہ آسانی سے جہاز چلا سکتے ہیں۔"

"نہیں۔" یونس امیر خوف زدہ انداز میں چلایا۔

"ہاں، اب تم شاید سمجھ ہی گئے ہو گے کہ ہمارے ارادے کیا ہیں؟"

"نہیں، میں کچھ نہیں سمجھ سکا اور نہ سمجھنا چاہتا ہوں۔ میرے ہاتھ پیر کھول
دو، مجھے جہاز چلانے دو۔ دیکھو، میں اپنے بال بچوں سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ وہ
روتے بلکتے رہ جائیں گے۔"

"ایسا ہی ہوگا، اب تم کبھی ان سے نہیں مل سکو گے۔"

"کیا مطلب؟ آخر تمہارا پروگرام کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تم سے تو میں بہت اچھی طرح سمجھوں گا ڈاکٹر۔ تم نے اور تمہارے بچے
نے پریشان کیا ہے۔" اس نے غرا کر کہا۔

"بعد میں سمجھ لینا۔ اس وقت تو تم یہ بتاؤ کہ یہ چکر کیا ہے؟"

"ہم اس جہاز کو اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔"

"کیا؟"

تمام بندھے ہوؤں کے منہ سے خوف زدہ آواز میں نکلا۔

☆☆☆

تجربے کی گواہ

چند سیکنڈ کے لیے موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ بس سمندر کی
سائیں ان کے کانوں سے ٹکراتی رہی۔ ہر کسی کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔
ماسٹر کی آواز گونجنے لگی۔

"ہاں، ہم یہ جہاز اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔ جہاز مکمل طور پر
قبضے میں ہے۔ یہ منصوبہ بہت عرصے سے میرے ذہن میں پرورش پاتا ر
میرے گروہ کے نو آدمی ایک مدت سے میرے ساتھ کام کر رہے تھے۔
جب میں نے منصوبہ ان کے سامنے رکھا تو ان میں ایک نے ساتھ دینے
کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس سے پہلے تو ہم لوگ لانچوں کے ذریعے سمگلنگ
رہے ہیں، اب ایک بحری جہاز کو اغوا کریں گے تو کہیں مصیبت میں نہ پھنس ج
میں نے اس کی بات سن کر منصوبے کی تفصیل سنا دی۔ بظاہر وہ مطمئن ہو گیا،
بھانپ گیا تھا کہ اس کے ارادے کچھ اور ہیں۔ میں نے اپنے دو خاص آدمیو
کی نگرانی پر مقرر کر دیا۔ جہاز کی روانگی سے صرف ایک روز پہلے وہ گھر
میرے آدمیوں نے اس کا تعاقب کیا اور اسے انسپکٹر جمشید کے دروازے پر جا

لفافہ انسپکٹر جمشید کو دینے گیا تھا۔ اس میں جہاز کے اغوا کی تفصیل درج کی گئی تھی۔
ے ساتھی نے لفافہ اس کے ہاتھ سے عین اس وقت اچک لیا، جب انسپکٹر جمشید کا
لفافہ اس کے ہاتھ سے لینے والا تھا، ساتھ ہی اس کی کمر میں خنجر بھونک دیا، تاکہ وہ
نہ بتا سکے۔ اس طرح میرے نو ساتھیوں کی بجائے آٹھ ساتھی رہ گئے۔ اب رہا یہ
ل کہ ہم اس جہاز پر کس طرح پہنچ پائے، تو اس کے لیے بھی ہم نے بہت پاپڑ
۔ اصل انجینئر اور اس کے ساتھیوں کو اغوا کیا گیا۔ انہیں شہر سے باہر ایک مکان
بند کیا گیا اور ان کے بھیس میں ہم جہاز پر سوار ہو گئے۔ ان کے کاغذات ہم نے
ایسی اپنے قبضے میں کر لیے تھے۔ اس لیے بحری پولیس کو کوئی شک نہیں ہوا۔ ہم جہاز
وقت سوار ہوئے جب محکمہ سراغ رسانی کے آدمی تلاشی لے کر فارغ ہو چکے تھے۔
ے سوٹ کیس تو اس کے بھی بعد ہم تک پہنچائے گئے، کیونکہ یہ پروگرام پہلے ہی
یا تھا کہ سوٹ کیس عین اس وقت ہمارا ایک ساتھی لے کر آئے، جب جہاز
ونے ہی والا ہو۔ اس طرح ہمارے سوٹ کیس تلاشی سے بچ گئے۔ انہی میں ہم
ے کر آئے تھے۔ یوں بھی کسی کو جہاز کے انجینئر اور اس کے ساتھیوں کی تلاشی
خیال نہیں آ سکتا تھا۔ اب رہا یہ سوال کہ ہم نے جہاز کیوں اغوا کیا۔ اس کا سیدھا
جواب یہ ہے کہ اس جہاز پر کروڑوں روپے کا مال لدا ہوا ہے، جو تم لوگوں کے
ملک کو بھیجا جا رہا ہے، لیکن اب یہ مال تم لوگوں کے دشمن ملک کو فروخت کیا
اور وہ بھی جہاز سمیت۔ اور اس مرتبہ تو ہم انسانوں کی تجارت بھی کریں

"انسانوں کی تجارت، کیا مطلب؟" کئی خوف زدہ آوازیں ابھریں۔

"ہم تم سب کو بھی ان کے ہاتھوں فروخت کر دیں گے۔ تمہارے بھی ہمیں
ے دام ملیں گے، کیونکہ اس ملک میں مزدور بہت مشکل سے ملتا ہے۔ انہیں

مزدور کی بہت ضرورت رہتی ہے، لہٰذا تم لوگوں سے مزدوروں کا کام لیا جائے گا
بدلے میں تمہیں دو وقت کی روٹی دی جائے گی۔ مطلب یہ کہ تم غلاموں کی زن
گزارو گے۔" ماسٹر کہتا چلا گیا۔

"نہیں۔" ایک بار پھر خوف زدہ آوازیں اُبھریں۔

"تم لوگوں کا مقدر یہی ہے، میں کیا کر سکتا ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے ماسٹر کو اٹھ کر انجن روم کی طرف ج
دیکھا۔

"محمود، تمہارا چاقو کہاں ہے؟"

"وہ تو میں ماسٹر کے ساتھی کے جسم میں ہی چھوڑ آیا تھا۔ اس وقت
مہلت نہیں تھی کہ چاقو نکال سکتا۔"

"اوہ۔ گویا ہم بُری طرح پھنس گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بلکہ بہت بُری طرح کہیے۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

اب ان لوگوں کے منہ سے کپڑا نکال دیے گئے تھے اور وہ ایک دو
سے باتیں کر سکتے تھے۔ ظاہر ہے یہاں ان کی چیخ و پکار سُن کر کون مدد کے لیے
تھا۔

"اپنے ہاتھوں اور پیروں کو مسلسل حرکت دیتے رہو۔ شاید اس طر
میں سے کوئی رسیوں سے آزاد ہونے میں کامیاب ہو جائے۔" انسپکٹر جمشید د
میں بولے۔

"جی بہت بہتر، ہم اسی وقت سے یہ کوشش شروع کر دیتے ہیں۔"

"کیا ہم واقعی بیچ دیے جائیں گے۔" انہوں نے ایک مزدور ک
بھری آواز سُنی۔

"اور دشمن ملک میں غلاموں کی زندگی بسر کریں گے۔" دوسرا بولا۔

"جو لوگ آزادی کے لیے جدوجہد نہیں کرتے، غلامی کی زنجیریں ان کے
وں تک آ ہی جایا کرتی ہیں۔ اگر ہم سب کوشش کریں تو ضرور کوئی نہ کوئی کام
سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے دبی آواز میں کہا۔

"ہم۔ ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں۔"

"سب لوگ اپنے اپنے ہاتھ پیر ہلاتے رہیں۔ ہم میں سے ایک کا بھی
کل گیا تو ہم آزادی کی جنگ لڑ سکیں گے۔" انہوں نے کہا۔

اور وہ سب کے سب کسمسانے لگے۔ ایک ایسا منظر نظر آنے لگا جیسے ان
کے جسموں میں خارش ہو گئی ہو۔ انسپکٹر جمشید نے ان کے اندر آزادی کی تڑپ
کر دی تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک تلخ حقیقت تھی کہ ان کے ہاتھ اور
قدر مضبوطی سے باندھے گئے تھے کہ کہیں ذرا بھی ڈھیل محسوس نہیں ہوتی تھی،
ان کے جسم حرکت کرتے رہے، کرتے رہے، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔
پر تارے نکل آئے۔ رات نے ڈیرا جمایا۔ اس وقت تک ان سب کو عرشے پر
یا تھا۔ وہ اس خیال سے کانپ اُٹھے کہ سردی کی یہ رات انہیں کھلے آسمان کے
شے کے اوپر گزارنا ہو گی۔

"اف خدا، یوں تو ہم سردی سے اکڑ کر مر جائیں گے۔" ادریس بخاری

"مر تو ہم یوں بھی ایک دن جائیں گے، لیکن اگر ہم تمام رات اپنے
کو حرکت دیتے رہے تو سردی ہمارے نزدیک بھی نہیں آئے گی۔" انسپکٹر جمشید

"لیکن ہم کب حرکت کرتے رہیں گے، آخر تھک جائیں گے اور پھر

سردی ہم پر غالب آ جائے گی۔" یونس امیر نے کہا۔
"تھکن کا دوسرا نام موت ہے اور اس جہاز پر ان حالات میں تو تھکن ا
موت کا دوسرا نام ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔
"بلکہ پہلا نام کہیے ابا جان۔" فاروق بول اٹھا۔
"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔
"تھکن کا پہلا نام موت ہے، میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔" فاروق نے کہا۔
"ہاں فاروق، تم ٹھیک کہتے ہو، لہٰذا حرکت کرتے رہو۔ حرکت کا
زندگی ہے۔"
اور ان سب کے جسم حرکت کرتے چلے گئے۔ انہوں نے جلد ہی جا
کہ اس ترکیب سے وہ سردی کو پرے جھٹکنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔
"لیکن ابا جان، یہ شخص ماسٹر پاگل ہے کیا؟" فرزانہ کی آواز ان
کانوں سے ٹکرائی۔
"کیوں، تمہیں یہ خیال کس طرح آ گیا؟" انہوں نے پوچھا۔
"دیکھیے نا، پورے بحری جہاز پر صرف آٹھ آدمیوں کی مدد سے قبضہ
اور اب یہ اس جہاز کو مال سمیت ہمارے دشمن کو فروخت کرے گا، نہ صرف جہا
سامان کو، بلکہ انسانوں کو بھی جو اس جہاز پر موجود ہیں۔ ہوائی جہازوں کو اغوا کر
سنا تھا۔ شاید کسی ملک میں ٹرین کو بھی اغوا کیا گیا تھا۔ بسوں کا اغوا تو معمولی بات
لیکن بحری جہاز کا اغوا، کیا یہ پاگل پن نہیں۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔
"پاگل پن ہے یا نہیں، میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ نہایت کا
سے بحری جہاز اڑائے لیے جا رہا ہے۔" فاروق بول اٹھا۔
"لیجیے اب بحری جہاز بھی اڑنے لگے۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

"کم بختوں نے کس قدر کس کر باندھا ہے۔" کپتان یونس امیر کی آواز
سنائی دی۔
"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ماسٹر کے ساتھیوں میں کچھ سابقہ کپتان یا نائب
کپتان بھی موجود ہیں، ورنہ وہ اتنی آسانی سے جہاز نہ چلا سکتے اور وہ بھی ٹھیک دشمن
ملک کی سمت میں۔" ادریس بخاری بڑبڑایا۔
"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے، بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ آٹھوں کے
آٹھوں ساتھی بحری جہازوں پر ملازمت کرتے رہے ہیں۔ اس منصوبے کی بنیاد ہی
اسی پہلو پر رکھی گئی ہوگی۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی تائید کی۔
"آخر اب کیا ہوگا۔ کیا ہم ساری زندگی کے لیے غلام بنا لیے جائیں
گے۔" الطاف سوری بولا۔
"حالات تو یہی کہہ رہے ہیں۔ اس وقت تک نجات کی صورت تو کوئی نظر
نہیں آئی۔"
"ابا جان، میں ایک تجویز پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔" ایسے میں
محمود نے سرگوشی کی۔ تاہم اس کی سرگوشی آس پاس موجود کئی لوگوں تک پہنچ گئی۔
"ضرور پیش کرو۔ تجویز پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" انسپکٹر جمشید
خوش ہو کر بولے۔
"میں نے اپنا چاقو ماسٹر کے ساتھی پر کھینچ مارا تھا۔ چاقو اس کے پیٹ میں
لگا تھا اور وہ وہیں گر کر تڑپنے لگ گیا تھا۔ اس کی طرف ماسٹر نے کوئی توجہ نہیں دی تھی،
پھر ہم بے ہوش ہو گئے تھے، کیونکہ ماسٹر کے کسی ساتھی نے اوپر سے اچانک حملہ کیا تھا۔
اب اگر وہ زخمی یا زندہ حالت میں وہیں پڑا ہے تو چاقو ابھی تک اس کے پیٹ میں
موجود ہوگا۔ اگر ہم کسی طرح چاقو حاصل کر لیں تو ہاتھ پیر کھولنے میں کامیاب ہو سکتے

ہیں۔ ایک بار ہم سب کے ہاتھ پیر کھل گئے تو ماسٹر اور اس کے ساتھیوں کی تو ہم کر دیں گے تکا بوٹی۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"ثابت ہوا، محمود کا دماغ چل گیا ہے۔ اول تو ماسٹر نے اپنے ساتھی کو تڑپتے ہوئے نہیں چھوڑا ہوگا۔ اس کے ساتھی اسے اوپر لے آئے ہوں گے۔ اس صورت میں چاقو بھی نیچے نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ کہ ہم سب کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں، بھلا ہم میں سے کوئی کس طرح نیچے جا سکتا ہے۔ ہے نا بے وقوفی کی بات۔"

"نہیں، کام چور نہ بنو۔ اس وقت کی کام چوری ساتھ کے قریب انسانی جانوں کو ہمیشہ کے لیے غلام بنا دے گی۔" محمود نے پُر اسرار انداز میں کہا۔

"کیا مطلب، بھلا اس میں میری کام چوری کا کیا دخل۔ کیا میرے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے نہیں ہیں۔" فاروق نے بوکھلا کر اس کی طرف دیکھا۔

"بے شک بندھے ہوئے ہیں، لیکن ایک بار تم نے خود کو رسیوں سے اسی طرح بندھوا کر سیڑھیوں پر سے لڑھکنے کا تجربہ کیا تھا۔ اس روز ہم فارغ تھے اور تم نے یہ تجربہ کرنے کا خیال پیش کیا تھا، میں نے اور فرزانہ نے مل کر تمہیں چھت پر باندھ کر ڈال دیا تھا، پھر تم لڑھکتے ہوئے نیچے آ گئے تھے۔ وہ بھی اس طرح کہ تمہیں بہت معمولی چوٹیں آئی تھیں۔ اگر تم صرف تجربے کے لیے چوٹیں برداشت کر سکتے ہو تو کیا ان حالات میں یہ کام نہیں کر سکتے۔"

"بالکل ٹھیک، میں اس تجربے کی گواہ ہوں۔"

"لیجیے، اب تجربے کے بھی گواہ ہونے لگے۔ حد ہو گئی۔" فاروق نے جھنجلا کر کہا۔

"اگر فاروق تجربہ کر چکا ہے تو اسے نیچے جانا ہوگا۔"

"لیکن ابا جان، ہمارے مکان کی سیڑھیاں بہت تھوڑی ہیں جب کہ [...]ٹے سے نچلی منزل تک جانے کے لیے بے شمار سیڑھیاں طے کرنا پڑتی ہیں۔ میرا تو [...]ل جائے گا کچومر۔"

"کوئی بات نہیں، سب کا کچومر نکلنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ صرف تمہارا [...]چومر نکل جائے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اگر آپ کا یہی حکم ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" فاروق نے بے چارگی [...]عالم میں کہا۔

"لیکن ہم اس تجربے پر عمل رات ہونے پر کریں گے۔ جب ماسٹر کے [...]ساتھی سو جائیں گے۔ اور صرف جہاز چلانے والے جاگتے ہوں گے۔"

"جی بہت بہتر۔" فاروق نے مری مری آواز میں کہا، پھر چونک کر بولا۔

"لیکن ابا جان، اگر میں نیچے بخیر و عافیت پہنچ بھی گیا اور چاقو مل بھی گیا تو [...]میں اکیلا اس چاقو سے اپنی رسیاں کس طرح کاٹ سکوں گا۔"

"ہاں، اچھا سوال ہے، لیکن اس کا جواب میں تمہارے سوال کرنے سے [...]ی سوچ چکا ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس صورت میں محمود کو تمہارے پیچھے روانہ کیا جائے گا۔"

"ویری گڈ، یہ ہوئی نا بات۔ اب آئے گی محمود کو نانی اماں یاد۔"

"یہ اور بھی اچھی بات ہے۔ نانی اماں مجھے بہت دنوں سے یاد نہیں آئی [...]۔" محمود خوش ہو کر بولا۔

رات کے ٹھیک گیارہ بجے ان کا پروگرام شروع ہوا۔ اس وقت تک تمام [...]ں میں بات پھیل گئی تھی کہ چیچک کے ڈاکٹر اپنے ساتھیوں سے کیا کام لینے والے

ہیں۔ اس بات کو محسوس کرتے ہوئے انسپکٹر جمشید نے ان سے درخواست کی تھی کہ
سب لوگ اپنے ہونٹ سی لیں۔ ایسا نہ ہو کہ ماسٹر کے آدمیوں کے کانوں میں بھنک
پڑ جائے۔ اس وقت تک تو وہ اس خیال میں ہیں کہ قیدی اپنے آپ کو کسی طرح بھی
رسیوں سے آزاد نہیں کر سکتے۔ کپتان یونس امیر نے بھی سب کو مکمل طور پر خاموشی
اختیار کرنے کی ہدایت کی۔

''فاروق، ادھر تم کوشش کرو گے، ادھر میں بھی ایک کوشش شروع کروں
گا۔'' اچانک انسپکٹر جمشید بولے۔

''جی آپ۔ آپ بھلا کیا کوشش کریں گے۔'' فاروق حیران ہو کر بولا۔

''میں اپنے دانتوں کی طاقت آزماؤں گا۔ فرزانہ اپنے ہاتھ میرے منہ
کے قریب لے آئے گی اور میں دانتوں سے رسیاں کھولنے کی کوشش کروں۔'' انہوں
نے بتایا۔

''میرے خیال میں تو یہ ترکیب پہلی ترکیب سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔''
فاروق جلدی سے بولا۔

''نہیں بھئی، اس لیے کہ رسیاں حد درجے مضبوطی سے باندھی گئی ہیں
ہو سکتا ہے، دانت ناکام ہو جائیں۔ اس لیے دو طرفہ کوشش بہتر رہے گی۔''

''بہت اچھا، آؤ محمود، تم بھی میرے ساتھ چلو۔'' فاروق نے کہا۔

''محمود ہی نہیں، میں اور فرزانہ بھی تمہارے ساتھ زینے تک چلیں گے
کپتان صاحب، آپ باقی لوگوں کے ساتھ یہیں ٹھہریں، تا کہ ان میں سے کوئی گشت
کرتا ادھر نکل بھی آئے تو یہی خیال کرے کہ سب لوگ اسی پوزیشن میں موجود ہیں۔''

''اچھی بات ہے ڈاکٹر صاحب، آپ تو مجھے رحمت کا فرشتہ نظر آ رہے
ہیں۔'' کپتان یونس امیر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''انسان ہی رہنے دیں جناب۔ کیونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔''
انسپکٹر جمشید بولے اور پھر فاروق کو اشارہ کیا:

سردی سے ان کے دانت بجنے لگے تھے۔ آسمان پر تارے کھلے ہوئے
تھے۔ سمندری ہوا ان کا مزاج پوچھ رہی تھی۔ ایسے میں ان چاروں نے زینے کی
طرف لڑھکنا شروع کیا۔ باقیوں کی نظریں ان پر اس وقت تک جمی رہیں، جب تک کہ
وہ دور نہ چلے گئے۔ آخر کار وہ چاروں زینے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

''یہاں تک تو مسئلہ بہت آسان تھا۔ اب مشکل مرحلہ شروع ہوتا ہے۔
فاروق، اللہ کا نام لے کر لڑھکنا شروع کر دو۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''جی بہتر۔'' اس نے کہا اور پھر آسمان کی طرف دیکھ کر بولا:

''یا اللہ مدد فرما۔''

اور پھر وہ زینے سے پہلی سیڑھی پر گر گیا۔ اس نے خود کو ترچھا رکھا تھا، تا کہ
گرنے کی رفتار زیادہ نہ ہونے پائے۔ اور پھر وہ ایک ایک کر کے سیڑھیاں لڑھکتا چلا
گیا۔ یہاں تک کہ فرش سے جا لگا۔

''اس کے سر، منہ، کندھوں، گھٹنوں اور کہنیوں پر شدید چوٹیں آئی تھیں،
لیکن یہ وقت ان چوٹوں کی طرف دھیان دینے کا نہیں تھا۔ اگر دھیان دیا بھی جاتا تو
بھی کیا ہو سکتا تھا۔

اس نے دیکھا، نیچے ایک کم روشنی والا بلب جل رہا تھا۔ اچانک اس کے
کانوں سے ایک کراہ کی آواز ٹکرائی۔ اس نے چونک کر سامنے دیکھا اور پھر دم بخود رہ
گیا۔

☆☆☆

ہولناک لمحے

"اپنے ہاتھ میرے منہ کی طرف کرلو فرزانہ۔" فاروق کے نیچے لڑھکنے بعد وہ بولے۔

"جی بہتر۔"

فرزانہ نے کہا اور ان کی طرف گھوم گئی۔ انسپکٹر جمشید نے تاروں کی رو میں اس کی گانٹھ دیکھنے کی کوشش کی، لیکن نظر نہ آ سکی۔ اب انہوں نے زبان کی مدد تلاش شروع کی، آخر ایک جگہ گانٹھ مل گئی۔ اب انہوں نے دانتوں کے ذریعے کھولنے کی کوشش شروع کی۔ وہ بار بار دانتوں سے رسّی پکڑ کر کھینچتے رہے۔ اس کوش میں پانچ منٹ گزر گئے، لیکن گرہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

"پتا نہیں، کس قسم کی گرہ باندھی ہے ان لوگوں نے، کھلنے کا نام ہی نہیں رہی۔" انہوں نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

عین اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے چونک کر آواز طرف دیکھا، دو آدمی چلے آ رہے تھے۔ ابھی وہ کافی فاصلے پر تھے۔

"دبک جاؤ، وہ اسی طرف آ رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے اور وہ تیزی سے ادھر ادھر لڑھک کر تاریکی میں ہو گئے۔ ایک منٹ بعد

دونوں ان کے نزدیک پہنچ گئے۔ ان کا رخ عرشے کے اس حصے کی طرف تھا، جہاں قیدی پڑے تھے۔ وہ آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ انہوں نے سنا، ایک کہہ رہا تھا:

"ماسٹر بھی حد درجے محتاط واقع ہوا ہے۔ ہم نے کس قدر احتیاط اور سے طریقوں سے رسیاں باندھی ہیں، لیکن اسے پھر بھی دھڑکا لگا ہوا ہے کہ کہیں کوئی قیدی ہاتھ آزاد نہ کرالے۔"

"چلو ہمارا کیا حرج ہے۔ ایک نظر ان سب کو دیکھ آتے ہیں۔ یہی چاہتا ہے نا ماسٹر۔" دوسرا بولا۔

"بھئی گرہ باندھنے کا جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہے۔ اس کے بعد وہ دانتوں کی مدد سے ایک دوسرے کی رسیاں کھول ہی نہیں سکتے۔" پہلا تلملا کر بولا۔

"اچھا چلو، تمہارا ہی خیال ٹھیک ہے، اب کیا کیا جائے۔ اس کا حکم تو ماننا ہی پڑے گا۔"

"کہیں ماسٹر ہم سے کوئی چال تو نہیں چلنے کے موڈ میں۔" پہلے نے قدرے دبی آواز میں کہا، تاہم اس کی آواز ان تک پہنچ گئی۔

"کیا مطلب؟" دوسرا چونکا۔

"کروڑوں کی دولت جو ہاتھ آنے والی ہے۔ اس میں سے اسے ہمیں بھی حصہ دینا پڑے گا۔ کیا خبر وہ ہمیں راستے سے ہٹا دینے کے بارے میں غور کر رہا ہو، دیکھو نا، آٹھویں ساتھی جگو کے بارے میں ہمیں کچھ پتا نہیں، زندہ ہے یا مر گیا۔ اس ڈاکٹر کے لڑکے نے اس پر چاقو پھینکا تھا۔ ڈگو کا کہنا ہے کہ چاقو اس کے پیٹ میں لگتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، پھر وہ اس لڑکے کے پیچھے بھاگ کھڑا ہوا، لیکن اس ہنگامے میں پستول اس ڈاکٹر کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ تو اوپر موجود بانکے تھے عین وقت پر

مدد کی، ورنہ ماسٹر کا پروگرام تو دھرا رہ گیا تھا۔ اوپر آتے وقت ڈگو نے جگو کو دیکھنے کے لیے پٹیوں کا رخ کیا تو ماسٹر نے اسے روک دیا اور بولا، ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے، اسے پھر دیکھ لیں گے۔ اور ڈگو کو اس کا حکم ماننا پڑا۔ اب معلوم نہیں جگو زندہ ہے یا مر گیا۔ ماسٹر نے اس کا ذرا بھی خیال نہیں کیا۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ وہ ہمارے بارے میں ذرا بھی مخلص نہیں ہے۔"

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن، لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

"کم از کم اتنا تو کر ہی سکتے ہیں کہ قیدیوں پر نظر ڈال کر نیچے اتر جائیں اور جگو کو دیکھ لیں اور اگر وہ زندہ ہو تو اس کے پیٹ پر پٹی وغیرہ باندھ دیں۔ اس کے بعد ہم ماسٹر کو اطلاع دیں گے کہ جگو ابھی زندہ ہے۔"

"اور اگر اس نے یہ پوچھ لیا کہ بغیر اجازت ہم نیچے کیوں گئے تھے۔ ہمیں تو قیدیوں پر ایک نظر ڈالنے کے لیے بھیجا گیا تھا تو ہمارا جواب کیا ہوگا۔" دوسرے نے پوچھا۔

"یہ کہ ہمیں اپنے ساتھی کے بارے میں فکر تھا۔ یہی دیکھنے چلے گئے تھے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔"

"ہوں، خیر یوں ہی سہی۔ آؤ پہلے قیدیوں کو دیکھ لیں۔"

وہ دور ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

"شاید ہم خطرے کی زد میں آنے والے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"اور ادھر فاروق کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ ذرا اسے آواز دیں۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"فاروق، کیا تم خیریت سے نیچے پہنچ گئے ہو، تم ٹھیک تو ہو۔" انسپکٹر جمشید زینے سے نزدیک ہو کر بولے۔

نیچے سے انہیں کوئی جواب نہ ملا۔ وہ پریشان ہو گئے۔

"کہیں فاروق بے ہوش تو نہیں ہو گیا۔" محمود بڑبڑایا۔

"اس کا امکان ہے۔ اب وہ ہوش میں آنے کے بعد ہی جواب دے سکے انسپکٹر جمشید بولے۔

"ابا جان اگر نیچے چاقو نہ ہوا تو فاروق اوپر کس طرح آ سکے گا؟" فرزانہ ے کھوئے انداز میں کہا۔

"اس صورت میں وہ اوپر نہیں آ سکے گا اور ہمارا منصوبہ چوپٹ ہو جائے سٹر کو بھی ہماری کوشش کے بارے میں معلوم ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ بھلا اور و سکتا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن یہ تو بعد کی بات ہے۔ پہلے تو ہمیں اس آنے والے خطرے کا رنا ہے۔ میرا مطلب ان دونوں سے ہے جو اپنے ساتھی جگو کی خبر لینے نیچے جا ے ہیں۔"

"ہوں، اس وقت ہم حالات کے رحم و کرم پر ہیں، بالکل بے بس ہیں، وائے دعا کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

اسی وقت قدموں کی آواز ایک بار پھر آنے لگی۔ انہوں نے دیکھا، وہ ینے کی طرف چلے آ رہے تھے۔

☆☆

فاروق کی آنکھوں کے سامنے ایک زخمی آدمی پڑا تھا۔ خون اس کے طرف پھیل گیا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ بھی خون میں تر بتر تھے۔ دائیں ہاتھ سا چاقو تھا۔ فاروق نے جان لیا، وہ محمود کا چاقو ہے۔ ادھر زخمی اس بنڈے کے کو حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا، پھر اس کی آنکھیں چمک

اٹھیں۔ شاید اس نے پہچان لیا تھا کہ اس کے سامنے اس لڑکے کا بھائی یا ساتھی ہے، جس نے چاقو اس پر پھینکا تھا۔

"تم۔ تم اس ڈاکٹر کے بیٹے ہونا؟" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کوشش کے بعد کہا۔

"ہاں، میں انہی کا بیٹا ہوں۔" فاروق نے بھی دبی آواز میں کہا۔

"اور تم رسیوں سے بندھے ہوئے بھی ہو۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" فاروق بولا۔ کوئی اور موقع ہوتا اور فرزانہ اس کے ساتھ ہوتے تو اس کا جواب سن کر ہنسے بغیر نہ رہتے۔

"تب میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہی چاقو تمہارے جسم میں اتاروں گا، یہاں تک کہ تم مر جاؤ گے۔"

"اگر اللہ کو یہی منظور ہے تو ضرور مر جاؤں گا۔ میں بے چارہ کر ہی کیا سکتا ہوں۔"

"تو پھر یہ دیکھو، میں تمہاری طرف آ رہا ہوں۔ دیکھ رہے ہو نا۔" اس نے عجیب سی آواز میں کہا۔

"ہاں، دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے ساتھیوں نے تمہاری کوئی خبر نہیں لی، اس حالت میں چھوڑ گئے۔" فاروق بولا۔ وہ بہت دبی آواز میں باتیں کر رہا تھا، اس کے منہ سے تو آوازیں بھی بہت مدھم نکل رہی تھی۔

"ہاں، وہ مجھے چھوڑ گئے۔ وہ سب دولت کے غلام ہیں۔ انہوں نے سوچا ہوگا، اچھا ہوا، ایک کم ہو گیا۔ اب نو حصوں کی بجائے آٹھ حصوں میں دولت بٹ جائے گی۔ یہ دنیا ہے ہی بے وفا۔ دنیا والے بھی بے وفا ہیں، دولت پر مر کوئی جان سے جاتا ہے تو جائے، ان کی دولت میں تو اور اضافہ ہوتا ہے نا۔"

"اگر تم اس وقت ہمارا ساتھ دو تو بہت فائدے میں رہو گے۔ ہم فوراً تمہاری مرہم پٹی کریں گے اور ماسٹر اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے واپس لے آئیں گے۔ تم سرکاری گواہ اور ہمارے مددگار ہونے کی وجہ سے صاف بچ جاؤ گے اور میں وعدہ کرتا ہوں، تمہیں بہت سی دولت بھی مل جائے گی۔"

"میں اب دولت کا خواب نہیں دیکھوں گا۔ اپنا انتقام ضرور لوں گا۔"

"دولت کا خواب نہیں دیکھتے تو نہ دیکھو، انسانیت کا خواب تو دیکھو۔ ہماری قوم تمہیں معاف کر دے گی اگر تم انسانیت کی مدد کرو گے۔ ہمارے ملک میں تمہاری خوب شہرت ہوگی۔ تمہارا کارنامہ سن کر ہزاروں لوگ تم سے ملاقات کے لیے آئیں گے۔" فاروق نے ایک اور کوشش کی۔

"نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔"

"کیوں ایسا کیوں نہیں ہوگا، میں جو کہہ رہا ہوں۔"

"تم نہیں جانتے کہ ایک بالکل غلط بات کہہ رہے ہو۔" جگو نے پُر اسرار لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب، بھلا میں کیوں نہ جانوں گا کہ ایک درست بات کہہ رہا ہوں یا غلط۔" فاروق حیران ہو کر کہا۔

"یہی تو بات ہے۔ تمہاری قوم مجھے معاف نہیں کرے گی۔ میں نے ماسٹر کے ساتھ مل کر تمہارے ملک اور قوم کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ ماسٹر اور ہم دراصل اسمگلر نہیں ہیں۔ تمہارے دشمن ملک کے جاسوس بھی ہیں۔"

"کیا؟" فاروق کے منہ سے حیرت زدہ لہجے میں نکلا۔

"ہاں، اور ہمارے بارے میں مکمل ریکارڈ تمہارے ملک کے جاسوسوں نے تمہاری حکومت کو بھیج رکھا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ پولیس آج تک ہمارا سراغ

نہیں لگا سکی۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ماسٹر تمہارے ملک میں ایک بہت
حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اس پر کسی کو شک نہیں گزرتا اور ہم اسی کی پناہ میں رہ
ہیں۔"

"اوہ۔" فاروق کے منہ سے نکلا، پھر کچھ سوچ کر اس نے کہا:

"تابو خان بھی تمہارا ساتھی تھا؟"

"ہاں، لیکن کچھ دنوں سے اس کے خیالات بدل گئے تھے۔ وہ ملک
غداری کرنے سے نفرت کرنے لگا تھا۔" اس نے بتایا۔

اب وہ اس سے بہت نزدیک آ گیا تھا۔ یہ صورت بھی انتہائی
صورت تھی۔ فاروق کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے اور وہ پوری طرح بے بس
دوسری طرف اس کی طرف بڑھنے والا دشمن بُری طرح زخمی تھا اور اسے جان
دینے کے ارادے سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ فاروق کا واسطہ ایسی چویشن
زندگی میں پہلی بار پڑا تھا۔ موت اب اس سے صرف چند انچ کے فاصلے پر تھی
میں اوپر سے آواز سنائی دی:

"فاروق، کیا تم خیریت سے نیچے پہنچ گئے ہو۔ تم ٹھیک تو ہو۔"

آواز اس کے والد کی تھی۔ وہ چونک اٹھا۔ آواز سن کر زخمی بھی چونک

"یہ۔ یہ کس کی آواز ہے؟"

"میرے والد کی۔"

"تو تم آواز کیوں نہیں دیتے؟"

"میں جواب کس طرح دوں، اگر میں نے انہیں تمہارے بارے
اور یہ بھی کہ یہاں صورت حال کیا ہے تو وہ بھی میری مدد کے لیے نیچے کود پڑ
اس طرح ان کی زندگی بھی خطرے میں گھر جائے گی۔ نہیں، میں انہیں آواز

انہیں یہی سمجھتے رہنا چاہیے کہ میں نیچے گر کر بے ہوش ہو گیا ہوں۔"

"اوہ، تم، تم اپنے باپ کے کس قدر وفادار ہو۔ اس سے کتنی محبت کرتے
جگو کے منہ سے نکلا۔

"کیوں نہ کروں، وہ اس کے حق دار ہیں۔" فاروق نے جواب دیا۔

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ نیچے آ کر وہ تمہارے مددگار ثابت ہوں۔"
بولا۔

"نہیں، وہ بھی بُری طرح بندھے ہوئے ہیں۔ اس صورت میں تم انہیں
ہلاک کر دو گے، جب کہ اس وقت صرف میں تمہارا نشانہ بنوں گا۔"

"لیکن جب میں تمہارے جسم پر وار کروں گا، اس وقت تمہارے منہ سے
نکلی چیخ تو اسے نیچے آنے پر مجبور کر دے گی۔"

"ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔ تمہارا شکریہ کہ تم نے خود ہی خطرے سے خبردار
کر دیا۔ اب میں اپنے منہ کو سختی سے بھینچ لوں گا، اتنی سختی سے کہ چیخ نکل ہی نہ سکے۔"

جگو حیرت زدہ انداز میں فاروق کو دیکھنے لگا، پھر وہ چونکا اور ایک بار پھر اس
طرف بڑھنے لگا۔ فاروق کا دم لبوں پر آ گیا دل دھک دھک کرنے لگا۔ کان
سائیں سائیں کرنے لگے۔

☆☆☆

کم گو

''لو بھئی، وہ ادھر آرہے ہیں۔ اب کیا کیا جائے؟'' انسپکٹر جمشید نے دبی
آواز میں کہا۔
''ان کے نیچے جانے کی صورت میں فاروق ان کی نظروں میں آئے بغیر
نہیں رہ سکتا۔ اس صورت میں ہم ناکام ہوجائیں گے۔ کوئی ترکیب ہونی چاہیے کہ
لوگ نیچے جانے کا خیال دل سے نکال دیں اور ایسی ترکیب ہمیں فرزانہ ہی بتا سکتی
ہے۔
''لیکن ترکیب سوچنے کے لیے بھی وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وقت
اس وقت میسر نہیں، پھر بھلا۔ مگر نہیں، ترکیب میرے ذہن میں آگئی۔ ترکیب یہ ہے
کہ ہم ان دونوں سے لڑیں گے۔'' فرزانہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔
''لڑیں گے، یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' محمود نے حیرت بھری آواز میں کہا۔
''ہاں، ہم تین ہیں اور وہ دو، اگرچہ ان کے ہاتھ اور پیر آزاد ہیں اور
ہمارے بندھے ہوئے۔ لیکن ہم ان دونوں سے لڑیں گے۔ لڑے بغیر اب کوئی چارہ
نہیں۔ کیوں ابا جان، آپ کا کیا خیال ہے؟''
''تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو فرزانہ، ہمیں ان سے لڑنا ہی پڑے گا اور یہ لڑائی [illegible]

ندگی کی عجیب ترین لڑائی ہوگی۔ ہوشیار، وہ آرہے ہیں۔ سب سے پہلے میں
استے میں آؤں گا۔ تم دونوں موقع کے منتظر رہو گے۔''
وہ لڑھک کر مناسب جگہ پر دبک گئے۔ محمود اور فرزانہ نے بھی یہی کیا، پھر
وہ نزدیک آئے، انسپکٹر جمشید جو پہلے ہی لڑھکنے کی پوزیشن میں بالکل تیار تھے،
پیروں کے سامنے آگئے۔ ادھر محمود دوسرے کے سامنے لڑھک آیا۔ وہ اونٹ
منہ اٹھائے چلے آرہے تھے، دھڑام سے منہ کے بل گرے۔ فرزانہ اسی
کے انتظار میں تھی۔ گرے ہوئے دشمنوں میں سے ایک کا بازو منہ میں لے کر
اس کے منہ سے ایک لرزہ خیز چیخ نکل گئی۔ ادھر محمود نے اپنا سر دوسرے کے
زور سے مارا۔ یہی انسپکٹر جمشید نے کیا۔ دونوں دشمن ایک دم بوکھلاہٹ کا شکار
ہوگئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس جگہ یکایک ان پر کوئی مصیبت ٹوٹ
اب جو انہوں نے سنبھل کر دیکھا تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
''ارے، یہ تو بندھے ہوئے ہیں۔ حیرت ہے، پھر بھی ہم سے بھڑ گئے
ہے۔'' ان میں سے ایک بولا۔
''اب یہ ہمارے ہاتھ سے بچ نہیں سکتے۔'' دوسرے نے غرا کر کہا۔
''خبردار، ہم انہیں جان سے نہیں مار سکتے۔ ماسٹر کا یہی حکم ہے۔''
''مجھے اس کا حکم معلوم ہے، میں تو بس ذرا انہیں سبق دوں گا۔'' یہ کہہ کر اس
ہاتھ کا ایک مکا انسپکٹر جمشید کی ناک کا نشانہ لے کر مارا۔ وہ یک دم گھوم گئے
گھومے کہ ان کی ٹانگیں اس کے لگیں۔
''یہ تم انہیں سبق دے رہے ہو یا خود سبق پڑھ رہے ہو۔'' اس کے ساتھی
[illegible]
''میں ان کا بھرکس نکال دوں گا۔ ایک بار پھر اس نے غصے میں آ کر وار

کیا، لیکن اس کا یہ مکا اس کے ساتھی کے لگا، کیوں کہ اسی وقت محمود نے موقع پا کر
کے ساتھی کے کاٹ کھایا تھا اور وہ بلبلاہٹ کے عالم میں اپنے ساتھی کے نگے
سامنے آ گیا۔

اب دونوں غصے میں بھر گئے، پھر کر حملہ کرنے ہی والے تھے کہ ان
سے ایک کے منہ سے بلند آواز میں چیخ نکل گئی، تاہم لہروں کے شور کی وجہ سے
زیادہ دور نہ جا سکی۔

انسپکٹر جمشید، محمود اور فرزانہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، اس کا
بھی بوکھلا گیا تھا۔ کیونکہ ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ ہوا کیا ہے۔

☆☆

نزدیک پہنچ کر جگو نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا:

"لو تمہاری موت تمہارے سر پر آ پہنچی۔ افسوس میں تمہاری آ
خواہش پوری کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں، ورنہ تم سے تمہاری آخری خواہش
پوچھتا۔" یہ کہہ کر اس نے چاقو اس کے پیٹ میں بھونک دیا۔ فاروق پوری
کر کے گھوم گیا، پھر بھی چاقو کی نوک اس کے پیٹ کو چھوتی گزر گئی اور اسے آ
گگتی محسوس ہوئی، تاہم وہ بال بال بچا تھا۔ وار خالی جاتے دیکھ کر جگو نے دوسرا
کرنے کے لئے پر تولے۔ عین اسی وقت ایک چیخ کی آواز ان کے کانوں
ٹکرائی۔

"ارے، یہ کیا؟" جگو کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"شاید اوپر بھی جنگ شروع ہو چکی ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"کچھ بھی ہو، میں تمہیں تو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔"

"ارے تو آؤ نا۔ آتے کیوں نہیں۔" یہ کہہ کر فاروق نے ایک لڑھکی

ور دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ جگو پھر اس کی طرف کھسکنے لگا وہ بُری طرح زخمی تھا، لیکن
انتقام کی آگ نے اس میں جوش بھر دیا تھا۔ اس نے پھر وار کیا۔ فاروق نیچے دبک گیا،
جگو کا ہاتھ اس سے اوپر نکل گیا اور چاقو لکڑی کی دیوار میں جا لگا۔ اس کا نصف پھل
لکڑی میں دھنس گیا۔ جگو نے چاقو نکالنے کے لیے زور لگایا، لیکن چاقو نہ نکل سکا۔ زخمی
آدمی تھا، اس میں اتنا زور بھی کہاں رہا تھا۔ اس نے بے بسی کے عالم میں فاروق کی
طرف دیکھا اور پھر اس کا ہاتھ چاقو سے ہٹ کر نیچے ڈھلک گیا۔ انتقام لینے کے چکر
میں اس نے جو محنت کی تھی، اس محنت نے اس کا خون اور بھی بہا دیا تھا اور کمزوری اس
پر غالب آ گئی تھی۔ فاروق نے دیکھا، اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔

"ارے بھئی، یہ کیا۔ کیا نیند آ گئی؟" فاروق چہکا۔

جگو نے کوئی جواب نہ دیا، وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ یہ دیکھ کر فاروق دیوار کی
طرف کھسکنے لگا۔ چاقو لکڑی کی دیوار میں گڑ کر رہ گیا۔ اور یہ فاروق کے حق میں بہت ہی
بہتر ہوا تھا۔ ہاتھ اور پیر دیوار کی طرف کرنے میں اسے کافی محنت کرنا پڑی اور پھر اس
کے ہاتھ چاقو کی دھار سے رگڑ کھانے لگے۔ رسی آہستہ آہستہ کٹنے لگی۔ آخر کٹ گئی۔
فاروق نے ہاتھوں کو جھٹکا دے دے کر بل اتارے اور پھر پاؤں بھی کھول ڈالے۔
چاقو کو نکالنے کے لیے اسے بھی زور لگانا پڑا۔ دوسرے ہی لمحے وہ دبے پاؤں اوپر
چڑھ رہا تھا۔ اوپر کا منظر اور بھی خطرناک تھا۔ اگر وہ بروقت اوپر نہ پہنچ جاتا تو شاید
انسپکٹر جمشید، محمود اور فرزانہ کی چٹنی بن جاتی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، چاقو ایک کی کمر
میں اتار دیا، پھر اس سے پہلے کہ اس کا ساتھی کچھ سمجھ سکتا، اس کے ساتھ بھی یہی سلوک
کیا۔

"جیو فاروق، تم نے کمال کر دیا۔ حیرت ہے، کسی کی مدد کے بغیر تم نے رسی
کس طرح کاٹ لی۔"

"جگو ابھی زندہ ہے۔ مجھے اس سے مقابلہ کرنا پڑا۔ وہ بھی اس عالم میں کہ محمود کا چاقو اس کے ہاتھ میں تھا۔"

"ارے باپ رے، پھر تم اس کے وار سے کس طرح بچے؟" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"میں کیا بچا، بس خدا نے بچا لیا۔ ویسے میرا پیٹ زخمی ہو گیا ہے، خون رس رہا ہے، لیکن فکر کی کوئی بات نہیں۔" یہ کہہ کر اس نے لڑائی کا حال سنا دیا۔

"شان دار، حیرت انگیز۔" انسپکٹر جمشید تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے۔

"واقعی، فاروق آج میدان تمہارے ہاتھ رہا۔" محمود بولا۔

"ارے تو یہ کہو نا کہ سہرا میرے سر رہا۔" فاروق نے ہنس کر کہا۔

"چلو یہ میں کہے دیتی ہوں۔"

اور فاروق ان کی رسیاں کاٹنے لگا۔ ان رسیوں سے انہوں نے دونوں دشمنوں کو باندھا اور پھر جگو کو باندھ آئے، پھر قیدیوں کے پاس پہنچے۔ سب سے پہلے انسپکٹر جمشید نے کپتان یونس امیر سے بات کی۔ اسے ساری صورت حال سنائی۔ اس کے اور باقی سب لوگوں کے جوش و خروش کا کیا پوچھنا، لیکن ابھی مرحلہ باقی تھا۔ انجن روم پر ابھی ماسٹر کے آدمی قابض تھے۔

ان سب کے ہاتھ کھولے گئے، پھر یہ ننھی سی فوج سینے کے بل رینگتی انجن روم کی طرف چلی۔ انجن روم کا دروازہ کھلا تھا۔ اس میں چار آدمی موجود تھے۔ ان میں سے دو وہ تھے جنہوں نے فاروق اور فرزانہ کو باندھا تھا۔ یعنی ان میں سے ایک گونگا تھا۔ اس وقت گونگے کا منہ دروازے کی طرف تھا۔ ہاتھوں میں چاقو لیے جب کئی آدمی انجن روم میں داخل ہوئے تو اس کے منہ سے نکلا:

"اوہ۔"

"یار گونگے، کبھی تو مکمل جملہ بول دیا کرو۔" انجن چلانے والا بولا۔ اس نے منہ ادھر ہی رکھا تھا۔

"اُف۔" گونگے کے منہ سے پھر نکلا۔

"توبہ ہے، تم....." اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے، کیونکہ اس بار اس نے مڑ کر دیکھ لیا تھا۔

"تم چاروں ہاتھ اوپر اٹھا دو اور شرافت سے خود کو بندھوا لو۔"

"بالکل۔" گونگے کے منہ سے نکلا۔

☆☆

ماسٹر اور نوجوان اپنے کمرے میں تھے۔ انسپکٹر جمشید نے دھیرے سے تک دی تو ماسٹر کی آواز سنائی دی:

"کیا بات ہے، کون ہے؟"

"ہم چکر لگا آئے ہیں، لیکن کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔" انسپکٹر جمشید ان ں سے ایک کی آواز کی نقل اتارتے ہوئے بولے۔ جن سے ابھی تھوڑی دیر پہلے قابلہ کرنا پڑا تھا۔

"کیسی گڑبڑ؟" ماسٹر کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ ماسٹر ر نوجوان چونک اٹھے۔ ان کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ ان کے سامنے چیک کا کٹر، اس کے تینوں ساتھی۔ کپتان اور اس کے دونوں نائب کپتانوں کے علاوہ اور ی کئی لوگ موجود تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کھلے چاقو تھے۔

"تمہارا کھیل ختم ہو چکا ہے مسٹر غواث میر۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی، کیا فرمایا، غواث میر۔"

"ہاں، ہمارے ملک کے مشہور و معروف انجینئر، لیکن درحقیقت یہ دشمن

ملک کے جاسوس ہیں اور ان کے ساتھی نوجوان کو دیکھ رہے ہو، یہ وہی قاتل ہے، جس نے تابو خان کو ہمارے گھر کے دروازے پر ہلاک کیا اور پھر میں نے جیپ میں اس کا تعاقب کیا تھا۔ یہ مجھے دو بار دھوکا دے گئی تھی، لیکن اس بار یہ دھوکا نہیں دے سکے گی، کیونکہ اب یہ سرخ کار میں نہیں، بحری جہاز منڈوزا تین سو ستائیس پر سوار ہے۔"

"ارے باپ رے، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، یہ لڑکی ہے؟"

"ہاں، لڑکے کے میک اپ میں۔ میں اسے بہت پہلے ہی پہچان گیا تھا، اس کی چال دیکھ کر، پھر میں نے اس سے بات کی اور آواز سن کر مجھے ذرا بھی شک نہیں رہا۔ اپنی آواز اس نے اس لیے بدلنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اس کے سامنے چیچک کا ایک ڈاکٹر کھڑا تھا، نہ کہ انسپکٹر جمشید۔"

"انسپکٹر جمشید؟" کپتان یونس امیر کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"جی ہاں، خادم کا نام یہی ہے اور یہ محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

"اوہ، یہ سب کیا چکر ہے۔ آپ تو چیچک....."

"ہاں، جہاز پر سوار ہونے کے لیے کوئی معقول بہانا بھی تو ہونا چاہیے تھا اور یہ بہانا ہمیں جہاز راں کمپنی کے ڈائریکٹر نے بتایا تھا۔ ہم اس جہاز کو کسی صورت بھی نہ بچا سکتے، اگر تابو خان کا ضمیر نہ جاگ اٹھتا۔ ضمیر کے جاگتے ہی وہ غریب موت کی گود میں جا سویا۔ خدا اس پر رحمت نازل فرمائیے۔"

"آمین!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"تو کیا یہ واقعی غواث میر ہے۔" محمود نے کہا۔

"ابھی جب میں اس کے چہرے سے میک اپ اتاروں گا تو میری بات کی تصدیق ہو جائے گی۔"

چند منٹ بعد انہیں باندھا جا چکا تھا، اور میک اپ کی تہیں اتاری جا چکی

تھیں۔

"اور یہاں سے ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوتا ہے، کیوں ابا جان، کیا ہم واپس جائیں گے یا دوست ملک کی طرف سفر جاری رکھیں گے۔" محمود نے پوچھا۔

"نہیں بھئی، اس طرح ہمیں بہت دن لگ جائیں گے۔ جہاز پہلے واپس جائے گا اور نئے سرے سے اپنا سفر شروع کرے گا۔" انہوں نے کہا۔

"فاروق، تم کیوں خاموش ہو؟" فرزانہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ سیڑھیوں سے لڑھک کر میں ذرا ٹوٹ پھوٹ گیا ہوں۔ زبان اگرچہ صاف بچ گئی ہے، لیکن دوسرے اعضا کی تکلیف نے اسے بہت غمگین کر دیا ہے، اس لیے بولنے کو اس کا جی نہیں چاہ رہا۔ یوں بھی میں خاموش ہی بھلا۔ پہلے تو تم لوگوں نے مجھے باتونی، نکما اور نہ جانے کیا کیا مشہور کر رکھا ہے، لہٰذا میں اب بہت کم بولا کروں گا۔ اس وقت بھی دیکھ لو فرزانہ، تمہاری بات کا کتنا مختصر جواب دیا ہے۔" فاروق کہتا چلا گیا اور ان کے چہروں پر مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی۔

------------☆☆☆------------

اٹلانٹس پبلکیشنز
D-63 سائٹ۔ کراچی
فون: 2578273 - 7581720
e-mail: atlantis@cyber.net.pk

دو باتیں

السلام علیکم!

کچھ ناول ایسے بھی ہوتے ہیں، جنہیں لکھتے وقت لکھنے والا اس درجے ڈو
ہے کہ اسے کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہ جاتا۔ ان ناولوں کی روانی کا عالم یہ ہوتا ہے
روکے نہیں رکتا۔ اگر میں یہ کہوں کہ یہ ناول بھی اسی قسم کا ناول ہے تو شاید آپ
نہیں کریں گے، لیکن جب آپ اسے پڑھنے لگیں گے تو حال مجھ سے بھی دو ہاتھ آگے
مطلب یہ کہ آپ کو کھانے پینے کا ہی ہوش نہیں رہے گا، بلکہ اور بھی بہت سی باتوں کا ہوش
رہے گا۔ اس سے کہیں یہ مطلب نہ نکال بیٹھے گا کہ آپ بالکل ہی بے ہوش ہو جائیں
جی نہیں، آپ ناول پڑھنے کی حد تک ضرور ہوش میں رہیں گے۔ اب کہیں آپ یہ
پڑھ کر ہوش نہ گم کر بیٹھیں کہ یہ کیا دو باتیں ہیں۔ دو باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ میں نہیں
کیسی ہوتی ہیں۔ بس جو کچھ ہے، آپ کے سامنے ہے۔ ناول بھی اور دو باتیں بھی۔
شکریہ، اب پر ہول سازش میں ڈوب جائیے۔ ابھرنے کے بعد مجھ سے بات کیجئے گا
سے پہلے نہیں۔

اشتیاق احمد

آدھ گھنٹا باقی ہے

خان رحمان کا پارہ گرم تھا۔ ظہور نے ان کا نہایت قیمتی سوٹ جلا دیا تھا،
ظہور کا کہنا تھا کہ اس میں اس کا قصور ایک فی صد بھی نہیں ہے۔ ہوا یہ تھا کہ وہ
استری کر رہا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی، ادھر خان رحمان نے اسے آواز دی،
فوراً ادھر آؤ اور دیکھو دروازے پر کون ہے۔ ظہور استری کو اسی حالت میں چھوڑ کر
وازے کی طرف چلا گیا۔ وہاں کوئی ملاقاتی موجود تھا۔ اس نے اسے ڈرائنگ روم
بٹھایا اور خود خان رحمان کو اطلاع دینے چلا گیا۔ اطلاع دے کر جب وہ واپس
اسٹینڈ پر پہنچا تو کوٹ جل رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں پھول گئے۔ ملاقاتی کے
کے بعد وہ ان کے سامنے حاضر ہوا اور انہیں اطلاع دی۔

”جناب، آپ کا سوٹ جل گیا ہے۔“

”وہ کیسے؟“

”ملاقاتی نے جب گھنٹی بجائی تو آپ نے مجھے آواز دی اور فرمایا کہ فوراً
آؤ، چنانچہ میں استری سوٹ پر ہی چھوڑ کر دروازے کی طرف دوڑا۔ پھر ملاقاتی کو
روم میں بٹھانے اور آپ کو اطلاع دینے کے بعد جب استری اسٹینڈ پر پہنچا تو
جل رہا تھا۔ اس میں میرا کیا قصور۔“

”سوال یہ ہے، تم نے استری سوٹ پر کیوں چھوڑی۔ اسٹینڈ پر نہیں رکھ

سکتے تھے۔" خان رحمان جھلا کر بولے۔

"آپ کا حکم کس طرح ٹالتا۔ آپ نے حکم دیا تھا، فوراً ادھر آؤ۔ ا
سننے کے بعد استری سوٹ پر سے اٹھا کر اسٹینڈ پر رکھتا تو حکم عدولی ہوتی۔"

"تمہیں معلوم ہے، سوٹ کتنا قیمتی تھا؟" خان رحمان گرجے۔

"جی ہاں، معلوم ہے۔ لیکن آپ بھی کوئی غریب آدمی نہیں
ایسے سوٹ سلوا سکتے ہیں۔" ظہور بولا۔

"صرف ایک گھنٹے کے لیے کان پکڑ لو، بس یہی تمہاری سزا ہے۔"

"تب پھر آئندہ اگر آپ فوراً آنے کا حکم دیا کریں گے تو میں ف
کروں گا۔" ظہور نے منہ بنایا۔

"جب تم فوراً نہیں آؤ گے، تو میں تمہیں دیکھ لوں گا۔ اس وقت
پکڑو۔" وہ بولے۔

"ظہور کان پکڑنے کے لیے جھکا ہی تھا کہ دروازے کی گھنٹی
بجی۔

"ٹھہرو، پہلے جا کر دیکھو، اب کون آیا ہے۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور دروازے کی طرف لپکا۔ تھوڑی
نے آ کر بتایا:

"کوئی مرالے میاں آئے ہیں۔"

"مرالے میاں، یہ کیا نام ہوا؟" خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"یہ تو آپ انہی سے پوچھیے گا۔ میں انہیں ڈرائنگ روم
ہوں۔"

"اچھی بات ہے، تم کان پکڑو۔ میں ان سے مل کر آتا ہوں۔"

حیرت بھرے لہجے میں کہا اور ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑے۔ دروازے پر
انہوں نے دیکھا، ایک چتلا دبلا اور لمبے قد کا ادھیڑ عمر آدمی صوفے پر تنا بیٹھا
ان کے قدموں کی آواز سن کر وہ چونک اٹھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ ہی خان رحمان ہیں؟"

"جی ہاں۔ ہوں تو میں ہی۔" وہ بولے۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" اس نے کہا۔

"یہ اچھی بات ہے کہ آپ کو مجھ سے مل کر خوشی ہوئی ہے، لیکن ابھی مجھے نہ
محسوس ہو رہی ہے، نہ غم۔ اس کا اندازہ بعد میں ہوگا، جب مجھے معلوم ہوگا کہ آپ
ہیں اور کس سلسلے میں تشریف لائے ہیں۔"

"ہاں، آپ ٹھیک کہتے ہیں، تو پھر سنیے، میرا نام مرالے میاں ہے۔ شاید
میرا نام سنا ہوگا۔"

"مجھے افسوس ہے، میں نے آپ کا نام نہیں سن رکھا۔"

"حیرت ہے، آپ ایک عدد سونے کی کان کے مالک ہیں اور آپ نے
نہیں سن رکھا۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب، سونے کی کان سے آپ کا کیا تعلق؟" خان رحمان

"کیا آپ نے سونے کی کانوں کے سب سے بڑے تاجر کا نام کبھی نہیں

"اوہو، تو آپ وہ مرالے میاں ہیں۔ تب تو میں نے آپ کا نام واقعی سن
" خان رحمان بولے۔

"چلیے شکر ہے، آپ نے سن تو رکھا ہے۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض

کردوں کہ میں نے آس پاس کی تمام سونے کی کانیں خرید لی ہیں، ایک آپ کی کان
رہ گئی ہے اور میں اب آپ کی کان خریدنے آیا ہوں۔"

"آپ سے یہ کس نے کہا کہ میں اپنی سونے کی کان فروخت کرنا چا[ہتا]
ہوں۔"

"کسی نے بھی نہیں۔ لیکن میں خریدنا چاہتا ہوں۔ آپ کے پاس صرف
ایک کان ہے۔ جب کہ میرے پاس اردگرد کی سب کانیں ہیں، کیا یہ بہتر نہیں ہوگا
آپ وہ کان بھی میرے ہاتھ فروخت کردیں۔"

"جی نہیں، میں اپنی کان فروخت نہیں کرنا چاہتا۔" خان رحمان نے بھ[...]
ہوئی آواز میں کہا

"دیکھ لیجیے، سوچ لیجیے، کہیں آپ نقصان میں نہ رہیں۔" اس نے د[ھمکی]
دینے والے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب آپ کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ فون کرکے اپنی کان [کے]
بارے میں معلوم کرلیجیے گا اور اس کے بعد اگر فروخت کرنے کا ارادہ ہو تو مجھے [فون]
کردیجیے گا۔ یہ رہا میرا کارڈ۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک کارڈ جیب سے نکال کر ان کے سامنے تپائی پر ر[کھا]
اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ذرا ٹھہریے، کیا آپ چائے پی کر نہیں جائیں گے۔" خان ر[حمان]
بولے۔

"نہیں، میں کسی کے گھر چائے پینے کا عادی نہیں۔ اگر کان بیچنے کا پر[وگرام]
بن جائے تو مجھے فون کرنا نہ بھولیے گا۔ مجھ سے زیادہ آپ کو اس کان کی قیمت کوئی

[نہیں دے] سکتا۔ میں منہ مانگے دام دینے کو تیار ہوں۔ ویسے میں جانتا ہوں، آپ اسے
[ن]بیچیں گے۔"

"شکریہ، میں کہہ چکا ہوں کہ میرا کان فروخت کرنے کا کوئی ارادہ
[نہیں] ہے۔" انہوں نے منہ بنایا اور مرالے میاں لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل
[گیا]۔ خان رحمان بیٹھے ہی رہ گئے۔ ان کے چہرے پر حیرت کے بادل تیرنے لگے
[پھر] کچھ سوچ کر انہوں نے اپنی کان کے منیجر کے نمبر گھمانا شروع کیے۔ چند منٹ کی
[کوش]ش کے بعد سلسلہ ملا۔

"ہیلو جلیل خان، میں خان رحمان بول رہا ہوں، ادھر کیا حالات ہیں؟"

"بہت نازک، کان سے سونے کی بجائے راکھ نکلنے لگی ہے۔ میں آپ کو
[فون کرنے] ہی والا تھا۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" خان رحمان چونکے۔

"میں حقیقت عرض کررہا ہوں۔" ادھر سے آواز آئی۔

"اور ایسا کب سے ہو رہا ہے؟"

"تقریباً ایک ہفتے سے۔" جواب ملا۔

"تم نے مجھے اطلاع دینے میں اتنی دیر کیوں لگائی؟"

"اس لیے کہ میرا خیال تھا کہ شاید راکھ صاف ہو جانے کے بعد سونا شروع
[ہو جائ]ے، لیکن ایک ہفتہ گزرنے کے بعد بھی ایسا نہیں ہوا۔"

"ہوں۔ خیر، کھدائی جاری رکھو اور مجھے ہر روز فون کرتے رہو۔ سونا نکلتا
[ہے ت]و مجھے اطلاع دو۔"

"جی بہت بہتر۔" اس نے کہا۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ مرالے میاں نے اردگرد کی تمام کانیں خرید لی

ہیں؟"

"جی ہاں، کانوں کے مالکان نے اپنی اپنی کانیں مرالے میاں کے ہاتھ فروخت کر دی ہیں، کیونکہ ان کانوں سے بھی یکا یک راکھ نکلنے لگی تھی۔ ہماری کان کی نسبت ان کانوں سے ایک ہفتہ پہلے راکھ نکلنا شروع ہو گئی تھی اور اب تک راکھ ہی نکل رہی ہے، حالانکہ اب مرالے میاں کے آدمی کھدائی کر رہے ہیں۔"

"لیکن مرالے میاں اتنا نقصان کا سودا کیوں خرید رہا ہے؟" خان رحمان کے لہجے میں بلا کی حیرت در آئی۔

"مرالے میاں کے بارے میں سننے میں آیا ہے کہ وہ ارب پتی آدمی ہے اور اپنی دولت میں اضافہ ہی کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ سب کانوں سے اچانک راکھ کیوں نکلنے لگی؟"

"اس پر تو سبھی حیران ہیں، لیکن وجہ سمجھ میں نہیں آ سکی۔" جلیل خان نے جواب دیا۔

"یہ تو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے وہ کوئی جادوگر ہو اور اس نے جادو کے زور سے سونے کے ذرات کو راکھ میں تبدیل کر دیا ہو۔"

"لوگ یہی خیال ظاہر کر رہے ہیں کہ اس نے ضرور کسی جادوگر کی خدمات حاصل کی ہیں۔"

"خیر، کچھ بھی ہو، میں اپنی کان فروخت نہیں کروں گا۔" خان رحمان بولے۔

"لیکن آپ کب تک کھدائی کا خرچ برداشت کرتے رہیں گے؟" جلیل خان بولا۔

"تو کیا تم بھی یہی مناسب خیال کرتے ہو کہ میں کان فروخت کر دوں"

خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں، ان حالات میں یہی بہتر ہے۔"

"نہیں جلیل خان، ایسا نہیں ہوگا۔ کھدائی جاری رہے گی۔ سنا تم نے۔" خان رحمان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"جی بہت بہتر۔"

اور خان رحمان نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر کچھ سوچ کر گھڑی دیکھی۔ شام کے پانچ بج کر چند منٹ ہو چلے تھے، اس لیے انہوں نے انسپکٹر جمشید کے گھر کے نمبر گھمانا شروع کیے۔

☆☆

وہ شام کی چائے پی رہے تھے، لیکن انسپکٹر جمشید ان کے ساتھ نہیں تھے۔ ٹھیک پانچ بجے ان کا فون موصول ہوا تھا اور انہوں نے بتایا تھا کہ ایک ضروری کام کے سلسلے میں وہ آج وقت پر گھر نہیں پہنچ سکیں گے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے ریسیور رکھ دیا تھا اور محمود کو کوئی بات کرنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔

"جس انداز میں انہوں نے فون کا ریسیور رکھا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ہمیں یہ نہیں بتانا چاہتے تھے کہ انہیں کیا کام ہے اور اس کام کے سلسلے میں انہیں کہاں جانا ہے، گویا کام خاص نوعیت کا ہے۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"بالکل یہی بات ہے۔" فرزانہ بولی۔

"چلو اچھا ہے۔ ہم اپنی تجربہ گاہ میں وقت گزاریں گے۔ بہت دن ہو گئے ادھر ادھر کی خبریں لیے۔" فاروق نے کہا۔

"ٹھیک ہے، چائے سے فارغ ہو کر ہم تجربہ گاہ کا ہی رخ کریں گے۔" فرزانہ نے اس کی تائید کی۔

"لیکن، کیوں نہ ہم آج انکل خان رحمان یا پروفیسر انکل کے گھر چلیں۔" محمود بولا۔

"یہ بھی بہت مناسب رہے گا۔" فرزانہ فوراً بولی۔

"تم تو ہو تھالی کا بینگن، کبھی ادھر کی کہنے لگتی ہو، کبھی ادھر کی۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"میں نے تو صرف تم دونوں کی تائید کی ہے۔ ایسا کر کے میں تھالی کا بینگن کس طرح ہو گئی۔ چکنے گھڑے کہیں کے۔" فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

"بس بس، مہا بھارت شروع نہ کرو۔ میں تو پروفیسر انکل کے گھر جا رہا ہوں۔ تم میں دسے جس کا دل چاہے، میرے ساتھ چلے۔ جس کا دل چاہے، تجربہ گاہ کا رخ کرے۔" محمود نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"یوں کیا خاک مزا آئے گا۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"تو پھر جس طرح مزا آنے کا امکان ہے، بیان کرو۔" فاروق بولا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔

"لو، شاید پھر ابا جان نے فون کیا ہے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا اور محمود نے ریسیور اٹھا لیا۔ فوراً ہی دوسری طرف سے خان رحمان کی آواز سنائی دی:

"ہیلو، خان رحمان بول رہا ہوں۔ جمشید کیا یہ تم ہو؟"

"جی نہیں انکل، یہ میں ہوں محمود، السلام علیکم۔" اس نے چہک کر کہا۔

"وعلیکم السلام، بھئی محمود، ذرا فون اپنے ابا جان کو دو۔" خان رحمان کی آواز سے فکر کے آثار ظاہر تھے۔

"سوری انکل، میں فون انہیں نہیں دے سکتا۔"

"کیوں، کیا جمشید سو رہا ہے، لیکن نہیں۔ بھلا یہ اس کے سونے کا وقت

ں ہے، وہ تو دن میں کبھی سوتا ہی نہیں، پھر بھلا کیا بات ہے کہ تم فون اسے نہیں دے سکتے۔"

"جی بات دراصل یہ ہے انکل کہ آج وہ گھر نہیں آئے۔ تھوڑی دیر پہلے فون آیا تھا اور انہوں نے بتایا تھا کہ ایک ضروری کام کے سلسلے میں وہ آج وقت پر نہیں آئیں گے۔"

"اوہ، خیر میں دفتر میں فون کر لیتا ہوں۔"

"خیر تو ہے انکل، آپ کچھ پریشان لگتے ہیں۔"

"ہاں، تھوڑا بہت پریشان ضرور ہوں۔ لیکن اتنا نہیں کہ تم بھی پریشان جاؤ۔" انہوں نے ہنس کر کہا اور ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا۔

"لو بھئی، انکل خان رحمان کسی وجہ سے پریشان ہیں، لہٰذا ہم تجربہ گاہ جائیں گے اور نہ پروفیسر انکل کے ہاں جائیں گے، بلکہ ہم تو انکل خان رحمان ہاں جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے، بلکہ منظور ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"اور مجھے تو کچھ زیادہ ہی منظور ہے۔" فرزانہ بھی چہک کر بولی۔

"تم تو ہو ہی تھالی کا......" فاروق نے کہنا چاہا، لیکن فرزانہ نے اس کے ہاتھ رکھ دیا اور بولی:

"خبردار، اگر تم نے مجھے تھالی کا بینگن کہا۔ میں بہت بری طرح پیش گی۔"

"اچھی بات ہے، اگر بری طرح پیش آؤ گی تو نہیں کہتا۔ ویسے یہ تمہاری دی عادت ہے کہ وقت بے وقت بری طرح پیش آنے لگتی ہو۔ کوئی تک بھی ہے چلو ہوا کبھی کبھار آ گئیں بُری طرح پیش۔" فاروق کہتا چلا گیا۔ بیگم جمشید کسی

طرح اپنی ہنسی نہ روک سکیں۔

''ہائیں امی جان، آپ ہنس رہی ہیں۔ کیا میں کوئی ہنسی والی بات کہہ ر
ہوں۔ اگر ایسا ہے تو محمود اور فرزانہ کیوں نہیں ہنسے۔''

''تمہاری باتوں پر ہنسنا تو ہمیں واقعی چاہیے۔ آؤ محمود ہنسیں۔'' فر
نے کہا اور بے ڈھنگے انداز سے مصنوعی ہنسی ہنسنے لگی۔

''یہ تمہاری ہنسی لنگڑا کیوں رہی ہے۔'' فاروق نے حیران ہو کر کہا۔
فرزانہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

''لو لنگڑی ہنسی کس قدر جلد غائب ہوگئی، حالانکہ لنگڑا ہونے کی وجہ
اسے اس قدر تیز رفتار نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' فاروق نے کہا۔

''تم دونوں شاید چلنے کے موڈ میں نہیں ہو۔ میں تو چلا۔ امی جان اجاز
ہے؟''

''تمہارے انکل پریشان ہوں اور میں اجازت نہ دوں۔ یہ کیسے ہ
ہے۔'' وہ بولیں۔

''شکریہ امی جان۔'' محمود نے کہا اور باہر کی طرف لپکا۔ فاروق اور فرز
نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

''جب وہ خان رحمان کے دروازے پر پہنچے اور گھنٹی کا بٹن دبایا تو ن
نے دروازہ کھولا۔ انہوں نے دیکھا، ظہور کی شکل پر اڑھائی بج رہے تھے۔

''کیوں بھئی، خیر تو ہے ظہور۔'' محمود نے جلدی سے کہا۔

''آدھ گھنٹا ہو گیا ہے کان پکڑے ہوئے اور ابھی آدھ گھنٹا باقی ہے۔''
نے روتی صورت بنا کر کہا۔

''اوہو اچھا، آؤ اندر تمہاری باقی ماندہ سزا معاف کرا دیں۔ ویسے ہو

ہے؟'' فاروق نے مسکرا کر پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں، بس ذرا ایک سوٹ جل گیا تھا۔''

''ارے، یہ تو روز کا معمول ہے۔'' فرزانہ بولی۔

''تو کان پکڑنا بھی تو روز کا معمول ہے۔'' ظہور نے بے چارگی کے عالم
میں کہا۔

''اوہ ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔'' محمود نے ہنس کر کہا۔

اور پھر وہ اندر داخل ہوئے۔ خان رحمان اپنے کمرے میں مسہری میں
بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر سوچ اور فکر کی لکیریں صاف نظر آ رہی تھیں۔

☆☆☆

یہی تھے

"السلام علیکم انکل۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

"وعلیکم السلام۔ ارے، تم لوگ کیسے آ گئے۔ ابھی ابھی تو میں نے فون
سے بات کی تھی۔" خان رحمان خوش ہو کر بولے۔

"فون پر آپ کی آواز سے فکرمندی ظاہر ہو رہی تھی۔ اس لیے ہم
پہنچ گئے ہیں۔ اور ذرا دیکھیے تو انکل ظہور بھی ہمارے ساتھ ہیں۔" محمود نے ان کی
دلانے کے لیے کہا۔

"میں سمجھ گیا، تم تینوں اب اس کی سفارش کرنا چاہتے ہو۔ اس کی قسمت
بھی کتنی اچھی ہے۔ جب بھی یہ کوئی قیمتی سوٹ جلاتا ہے، تم لوگ اس کی مدد کے
پہنچ جاتے ہو۔ خیر، ظہور جاؤ، تم بھی کیا یاد کرو گے۔"

"بہت بہت شکریہ محمود، فاروق اور فرزانہ صاحبان۔" ظہور نے خوش
کہا۔

"ہائیں ہائیں، کیا تم میرا شکریہ ادا نہیں کرو گے۔"

"جی نہیں، اس لیے کہ مجھے ان تینوں نے سزا سے بچایا ہے، آپ تو ایک
گھنٹے سے پہلے مجھے چھوڑنے والے نہیں تھے۔" اس نے کہا۔

"چلو بھاگو، ورنہ اسی وقت دوسری سزا شروع ہو جائے گی۔" خان رحمان

نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا اور وہ دوڑ کر کمرے سے نکل گیا۔

"ہاں انکل، اب بتائیے۔ آپ فکرمند کیوں ہیں اور آپ ابا جان کو فون پر
کیا کہنا چاہتے تھے۔" محمود بولا۔

"دوسرے یہ کہ آنٹی، حامد، سرور اور تاثر کہاں ہیں؟" فرزانہ پٹ سے
بولی۔

"وہ اپنے نانا نانی سے ملنے گئے ہیں۔" انہوں نے جواب دیا، پھر مرالے
میاں کی آمد اور اس کی پیش کش کی تفصیل سنا دی۔

ساری بات سن کر وہ تینوں سوچ میں ڈوب گئے۔ آخر محمود نے کہا:

"معاملے میں پُراسراریت سی گھلی ہوئی تو ہے۔"

"ہمیں پیش آنے والے ہر معاملے میں پراسراریت نہ ہو، یہ کیسے ممکن
ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"لیکن آپ ابا جان سے کیا کہنا چاہتے تھے؟" فرزانہ نے سوال کیا۔

"یہی جو تمہیں بتایا ہے۔ کان سے سونے کے ذرات کی بجائے راکھ نکلنے
کی خبر سن کر میں سوچ میں پڑ گیا ہوں۔ کیا ان حالات میں کان بیچ دینا مناسب نہیں
ہو گا۔ میں جمشید سے بھی یہی مشورہ کرنا چاہتا تھا۔" انہوں نے بتایا۔

"کیا آپ نے دفتر بھی فون کیا تھا؟"

"ہاں، لیکن جمشید وہاں بھی نہیں ملا۔ اکرام بھی ان کے بارے میں کچھ
نہیں بتا سکا۔ اس نے صرف اتنا بتایا ہے کہ انسپکٹر صاحب کو آئی جی صاحب نے بلایا
ہے، پھر وہ واپس نہیں لوٹے۔"

"ہوں، آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں، میری کان سے سونے کے ذرات کی بجائے

راکھ کیوں نکلنے لگی ہے، بلکہ صرف میری ہی نہیں، دوسروں کی کانوں کے ساتھ بھی ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ راکھ کی کانیں خریدنے کی مرالے خان کو کیا ضرورت ہے اور اسے یہ بات کس طرح معلوم ہوگئی کہ سونے کی بجائے راکھ نکلنے لگی ہے۔ اگر معلوم ہو ہی گئی تھی تو اس صورت میں تو اسے ایک کان بھی نہیں خریدنا چاہیے تھی، پھر آخر یہ چکر کیا ہے۔ میں یہی جاننا چاہتا ہوں۔"

"ہوں، معاملہ واقعی دلچسپ اور پیچیدہ ہے۔ ہمیں اس سلسلے میں ضرور کچھ کرنا پڑے گا۔ کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ آس پاس کی کانیں کس کس کی ہیں۔ کم از کم دو یا تین آدمیوں کے نام اور پتے اگر آپ بتا سکیں تو بہتر ہوگا۔"

"ہاں، کیوں نہیں۔ میں نام اور پتے نوٹ کروائے دیتا ہوں۔"

"تو پھر لکھوایئے، تاکہ ہم کام شروع کر سکیں۔" محمود بولا۔

"تم۔ تم کیا کرو گے؟"

"چھان بین۔" فاروق بول اٹھا۔

انہوں نے تین آدمیوں کے نام اور پتے انہیں لکھوا دیے۔ یہ نام سیٹھ انار والا، سرمد غوری اور شاکر شاہ تھے۔

"اب وہ کارڈ ہمیں دکھایئے جو آپ کو مرالے میاں دے گئے ہیں۔" محمود نے کہا۔

خان رحمان نے کارڈ جیب سے نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے کارڈ کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر مرالے میاں کا نام اور پتا بھی نوٹ کر لیا۔

"یہ اچھی بات ہے کہ کانوں کے تینوں مالکان ہمارے ہی شہر میں رہتے ہیں۔" محمود نے کہا اور کچھ سوچ کر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ مرالے میاں کے نمبر ملا رہا تھا۔

"کیسے فون کر رہے ہو؟" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"کم از کم تمہیں نہیں کر رہا۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"اتنا تو مجھے بھی معلوم ہے۔" فرزانہ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

اسی وقت نمبر مل گیا۔ دوسری طرف سے کہا گیا:

"یہ مرالے والا ہے، آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

"مرالے میاں سے۔"

"اپنا نام، پتا اور پیشہ بتایئے۔"

"میرا نام محمود احمد ہے۔ سونے کی کانوں کے سلسلے میں آپ سے بات تا ہوں۔"

"سونے کی کانوں کے سلسلے میں، کیا مطلب؟"

"جی ہاں، سونے کی کانوں کے سلسلے میں۔ جنہیں خریدنے کے سلسلے میں پ غیر معمولی دلچسپی لے رہے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" مرالے میاں کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی، کیا مطلب؟" محمود بھی حیران رہ گیا۔

"آپ مجھ سے کس بات کا مطلب پوچھ رہے ہیں؟" مرالے میاں کی اری آواز ابھری۔

"کیا ان دنوں آپ نے سونے کی کانیں نہیں خریدیں۔" محمود کے منہ کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیلتی چلی جا رہی تھیں۔

"جی نہیں، میں نے یہ کاروبار کبھی نہیں کیا۔"

"اور کیا آج آپ ابھی تھوڑی دیر پہلے خان رحمان صاحب سے ملاقات ہیں آئے تھے؟"

"یہ کون صاحب ہیں، میں نہیں جانتا۔" دوسری طرف سے کہا
"خان رحمان بھی سونے کی ایک کان کے مالک ہیں۔ تھو
ایک صاحب ان سے ملنے آئے تھے۔ انہوں نے اپنا نام مرالے میاں بتا
نے خان رحمان صاحب کی کان خریدنے کی پیش کش کی تھی، اور ان کا کہنا
کان کے آس پاس کی تمام کانیں وہ پہلے ہی خرید چکے ہیں۔"

"تب پھر وہ کوئی اور مرالے میاں ہوں گے۔" مرالے میاں
آواز میں کہا۔

"انہوں نے جو کارڈ دیا تھا، اس پر لکھے ہوئے نمبر پر میں نے
فون کیا ہے۔ اگر وہ کوئی اور مرالے میاں تھے تو آپ کیوں فون پر جواب
ہیں۔ آخر اس نے آپ کے فون نمبر والا کارڈ کس طرح خان رحمان صا
دیا؟ اور اس پر پتا بھی درج ہے۔ سنیے۔" یہ کہہ کر محمود نے کارڈ پر لکھا پتا پڑھ

"یہ۔ یہ پتا تو بالکل میرا ہے۔" مرالے میاں کے منہ سے نکلا۔

"اور فون نمبر بھی آپ کا، پھر اس سے کیا مطلب نکالا جائے؟"

"حیرت انگیز اور سنسنی خیز بات ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا، کیا
کروں۔"

"آپ یوں کریں کہ ہمیں ملاقات کا وقت دے دیں۔ ابھی در
شاید اس طرح معاملہ صاف ہو جائے۔"

"ہمیں سے کیا مطلب؟ کیا آپ ایک سے زائد ہیں۔" مرا
نے پوچھا۔

"جی ہاں، اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو ہم چار آدمی آپ سے
کرنے کے لیے آنا چاہتے ہیں۔"

"آجائیے، میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔" ان الفاظ کے ساتھ دوسری
طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

"یا اللہ رحم، یہ کیا چکر ہے؟" یہ کہتے ہوئے محمود نے بھی فون کا ریسیور رکھ
دیا۔

"تو مرالے میاں کا کہنا یہ ہے کہ اس نے سونے کی کوئی کان نہیں خریدی
اور نہ اس سلسلے میں وہ یہاں آئے ہیں۔"

"ہاں، بالکل یہی بات ہے۔ ہم اس وقت ان سے ملنے چل رہے ہیں،
کیونکہ معاملہ حد درجے سنسنی خیز ہو گیا ہے۔"

"یہ کون سی نئی بات ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"انکل، آپ کو ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا، کیونکہ آپ اس مرالے میاں کو
دیکھ چکے ہیں۔"

"اچھی بات ہے، چلو۔"

وہ خان رحمان کی کار میں بیٹھ کر روانہ ہوئے اور تقریباً بیس منٹ بعد ایک
لمبی چوڑی کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے۔ کوٹھی کیا تھی، پورا محل تھا۔ سیکڑوں بلب اس
میں جل رہے تھے۔ کار سے اُتر کر انہوں نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ ایک باوردی ملازم نے
دروازہ کھول دیا۔

"محمود احمد صاحب وغیرہ؟" اس نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"جی ہاں، ہم ہی ہیں۔" محمود نے کہا۔

"تشریف لائیے، میاں صاحب انتظار فرما رہے ہیں۔"

وہ اس کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور آخر ڈرائنگ روم کے دروازے پر
پہنچ گئے۔ خان رحمان کی نظر جوں ہی اندر بیٹھے مرالے میاں پر پڑی، وہ پکار اُٹھے:

"مجھ سے بھی ملنے آئے تھے۔"

☆☆

محکمہ سراغرسانی کی عمارت سے کافی دور ایک خفیہ عمارت میں اس وقت
آئی جی شیخ نثار احمد، ڈی آئی جی افتخار احمد خان، انسپکٹر جمشید محکمہ خارجہ اور محکمہ داخلہ کے
کچھ بڑے بڑے آفیسر موجود تھے۔ تقریباً پونے پانچ بجے آئی جی صاحب کا چپڑاسی
انسپکٹر جمشید کے دفتر میں داخل ہوا تھا اور اس نے آئی جی صاحب کا ایک پیغام دیا تھا۔
اس پیغام کے ملتے ہی وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اس خفیہ ٹھکانے پر پہنچ گئے
تھے۔ یہ مقام بہت ہی خاص موقعوں پر استعمال ہوتا تھا۔ آئی جی صاحب کے الفاظ
کمرے میں گونج رہے تھے۔

"آپ لوگوں کو اس لیے تکلیف دی گئی ہے کہ ایک بہت ہی خاص اطلاع
وصول کی گئی ہے۔ دشمن ملک نے ہمارے ملک کے خلاف ایک بالکل ہی سازش تیار کی
ہے۔ سازش کیا ہے، یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ ہمارے جاسوس پوری کوشش کے بعد صرف
اتنا ہی جان سکے ہیں کہ ہمارے ملک کے خلاف کوئی سازش تیار کی گئی ہے۔ یہ اطلاع
فکر میں مبتلا کر دینے والی ہے۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جاتا کہ سازش کیا ہے تو ہم بہ
آسانی سے اسے ناکام بنا سکتے تھے، لیکن ان حالات میں میں نہیں سمجھتا، ہم کیا کریں
گے، اس لیے آپ لوگوں کو بلایا گیا ہے۔ ہمارے جاسوسوں کی ارسال کردہ رپورٹ
میں یہ بھی درج ہے کہ انہیں اس سازش کا اس وقت پتا چلا، جب ہمارے ملک میں اس
پر عمل درآمد شروع کیا جا چکا ہے۔" یہاں تک کہہ کر آئی جی صاحب خاموش ہو گئے۔

"یہ تو واقعی بہت خطرناک بات ہے، ہم کس طرح پتہ چلا سکتے ہیں کہ سازش
کیا ہے؟"

"اسی لیے آپ لوگوں کو بلایا گیا ہے۔ غور کریں اور مشورہ دیں۔"

"سازش پر عمل شروع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دشمن ملک نے ہمارے
ملک میں موجود اپنے جاسوسوں سے کام لینے کا فیصلہ کیا ہے اور اس کے لیے انہوں نے
نئے آدمی نہیں بھیجے۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ ان جاسوسوں کا سراغ لگالیں، جو اس
سازش کو عملی جامہ پہنانے کے چکر میں ہیں۔ اس صورت میں سازش خود بخود دم توڑ
دے گی۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"ٹھیک ہے، لیکن ان جاسوسوں کو گرفتار کرنا اتنا آسان نہیں، کیونکہ ہم
نہیں جانتے، وہ کون ہیں، کہاں مل سکتے ہیں۔" آئی جی بولے۔

"اس سلسلے میں اپنی رائے پیش کرتا ہوں۔" ڈی جی بولے۔

"ضرور، ضرور۔" آئی جی صاحب خوش ہو کر بولے۔

"ہمیں اہم ترین تنصیبات کی کڑی نگرانی شروع کرا دینی چاہیے۔ خاص
طور پر ایٹمی پلانٹ، گیس پلانٹ اور ڈیمز وغیرہ کی۔"

"آپ کا مشورہ بہت موزوں ہے۔ ہو سکتا ہے، دشمن نے اہم تنصیبات کو
تباہ کرنے کا پروگرام بنایا ہو۔" آئی جی صاحب نے سر ہلایا: "کوئی اور خیال؟"

"ایک اور خیال میں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔" محکمہ داخلہ کے
سیکریٹری نے کہا۔

"ارشاد فرمائیے۔"

"ہمارے ملک میں انتخابات ہونے والے ہیں۔ حکومت کی مخالف
جماعت میں دشمن ملک کے بھی کچھ لوگ شامل ہیں۔ کیا خبر وہ کوئی گڑبڑ پھیلانے کا
منصوبہ بنائے بیٹھے ہوں۔"

"یہ خیال بھی زوردار ہے، لہٰذا متعلقہ محکمے کو پہلے ہی خبردار کر دیا جائے گا،
اگر کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ انتخابات میں ہی گڑبڑ کی سازش تیار کی گئی ہے تو ہم

انتخابات ملتوی کرا سکتے ہیں۔" شیخ صاحب بولے۔

"ایک اور امکان بھی ہے اور وہ یہ کہ غیر ملکی جاسوسوں کے ذریعے ملک میں بموں کے دھماکے کرانے کا پروگرام نہ بنایا گیا ہو، تاکہ امن کی فضا درہم برہم ہو جائے۔" وزیر خارجہ کے سیکرٹری بولے۔

"اس کا بھی امکان ہے۔ پولیس کو پوری طرح چوکنا کرنے کی ضرورت ہے۔ خیر ہم یہ بھی کر لیں گے۔"

اس کے بعد بھی مختلف آرا اور تجاویز پیش ہوتی رہیں۔" سٹینو گرافر سب باتیں نوٹ کرتا گیا۔

"بہر حال ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم پوری طرح چوکنے رہیں، تاکہ دشمن جس رخ سے بھی وار کرے، ہم اسے منہ توڑ جواب دے سکیں۔"

عین اسی وقت انسپکٹر جمشید دبے پاؤں اٹھے اور اس بڑی میز کے نیچے گھس گئے، جس کے گرد وہ سب کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ کمرے میں موجود تمام لوگ حیران رہ گئے، تاہم منہ سے کوئی کچھ نہ بولا۔ وہ میز کے نیچے سے نکلے تو ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ انہوں نے اشارا کیا کہ گفت گو جاری رکھی جائے اور پھر وہ دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھے۔ سب کی نظریں ان پر جم کر رہ گئیں۔ ان کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

انہوں نے دروازہ کھولا اور باہر نکل آئے۔ عمارت کے برآمدے میں اور آس پاس انہیں کوئی بھی نظر نہ آیا۔ یہ عمارت شہر سے باہر ایک جنگل میں واقع تھی۔ دبے پاؤں وہ عمارت سے باہر نکلے اور پھر درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ چند منٹ تک چلتے رہے اور پھر ان کے قدم رک گئے۔ ان کی نظریں ایک سمت میں جم کر رہ گئیں۔

جنگ کے بعد

مرالے میاں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا، ان کی نظریں کچھ دیر کے رحمان پر جم کر رہ گئیں، پھر ان پر سے پھسل کر تینوں پر پڑیں۔ آخر انہوں نے

"بالکل غلط، میں آپ سے ملنے ہرگز نہیں گیا، نہ ہی میں نے اب سے کو کبھی دیکھا ہے، تو آپ ہی خان رحمان ہیں۔"

"جی ہاں، لیکن یہ غلط ہے کہ آپ مجھے ملنے نہیں آئے۔ تھوڑی دیر پہلے ہی تھے۔ میرے ملازم نے آپ کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا اور پھر میں نے بات کی تھی۔ آپ میری سونے کی کان خریدنا چاہتے تھے۔ آپ نے بتایا تھا کہ پاس کی تمام کانیں خرید چکے ہیں، لیکن میں نے کان فروخت کرنے دیا، کیا یہ سچ نہیں۔" خان رحمان کہتے چلے گئے۔

"بالکل نہیں، میں نے آج تک سونے کی کوئی کان نہیں خریدی کانیں میری لائن ہی نہیں۔ میرے تو شہر میں کارخانے موجود ہیں جو دن رات دولت کما رہے ہیں، بھلا میں کانیں خرید کر کیا کروں گا۔" مرالے میاں نے جلدی کہا۔

"میرے خیال میں ہم اس طرح کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ ہمیں بیٹھ کر

اطمینان اور سکون سے بات کرنی چاہیے۔" محمود نے دخل دیا۔

"اوہ، آیئے۔ تشریف تو رکھیے۔ معاملہ ایسا ہے کہ میں بھی دلچسپی
تیار ہو گیا ہوں۔ کیا آپ مجھے وہ کارڈ دکھائیں گے جو آپ کو میرے ہم شکل
تھا۔"

"ہم شکل؟" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ میرا کوئی ہم شکل آپ کے پاس آیا
نے اپنا نام مرالے میاں بتایا اور کان کی بات کی۔ اس کے علاوہ بھلا اور کیا بات
ہے۔"

"لیکن کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" فرزانہ نے اعتراض

"یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے مسٹر مرالے میاں۔ آپ کے
ہونے کے بعد میں نے اپنے کان کے منیجر کو فون کیا تھا اور کان کی صورت حال
کی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ کان سے اب سونے کے ذرات کی بجائے راکھ
ہے اور آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کان فروخت کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا؟"
کان سے راکھ کیوں نکل رہی ہے، اور صرف میری کان سے ہی نہیں۔ ان
سے جن سے سونا نکلتا رہا ہے۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔ میں کہہ تو چکا کہ یہ میری لائن کی چیز
میرا تو کاروبار ہی اور ہے۔" مرالے میاں بولے۔

"ٹھہریے، ہم اپنے ملازم کو بلاتے ہیں، پھر شاید آپ کو ہماری
یقین آ جائے۔" خان رحمان نے کچھ سوچ کر کہا۔

"اس کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ میں یہ بات مان تو چکا ہوں کہ میرا
شکل آپ کے پاس آیا تھا۔"

"لیکن اس کے پاس آپ کا کارڈ کہاں سے آیا۔" فاروق بولا۔

"اور ہاں، کارڈ تو آپ نے دکھایا ہی نہیں۔" مرالے میاں نے چونک کر

"لیجیے ملاحظہ فرمایئے۔" محمود نے برا سا منہ بنا کر کارڈ جیب سے نکالا اور
کے سامنے رکھ دیا۔ اچانک مرالے میاں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، پھر ان
منہ سے نکلا:

"اف خدا، یہ تو میرا اپنا کارڈ ہے۔" مرالے میاں کے منہ سے حیرت زدہ
از میں نکلا۔

"خیر، یہ تو اتنی حیران کن بات نہیں، آپ کے کارڈ کی نقل تو بہت آسانی
سے تیار کرائی جا سکتی ہے۔ آج کل تو ہر چیز کی نقل بازار میں مل جاتی ہے۔" محمود نے
ان کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی، آخر یہ چکر کیا ہے؟ کیا کوئی شخص میرے خلاف سازش کر رہا

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ خیر آپ فکر نہ کریں۔ ہم بہت جلد اس سازش کی
تک پہنچ جائیں گے۔" محمود نے کہا۔

"ویسے کیا آپ کو سو فی صد یقین ہے کہ آپ آج خان رحمان سے ملنے
ل گئے تھے۔" فاروق نے سوال کیا اور وہ مسکرا دیے۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، بھلا اس میں یقین ہونے نہ ہونے کا کیا
ل؟"

"چلیے نہ ہو گا سوال۔" یہ کہہ کر فاروق خان رحمان کی طرف مڑا۔

"انکل، اگر یہ سازش ہے تو میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ کانوں سے

سونے کے ذرات کی بجائے راکھ کیسے نکلنے لگی۔ وہ بھی ایک کان سے نہیں، سب
سب کانوں سے۔ آخر یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"
"میں خود حیران ہوں کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ جمشید اس وقت ہمار
ساتھ ہوتا تو شاید وہ کوئی اندازہ لگا لیتا۔" خان رحمان بولے۔
"جمشید، یہ کون ہیں؟" مرالے میاں نے چونک کر کہا۔
"میں انسپکٹر جمشید کی بات کر رہا ہوں۔ وہ میرے دوست ہیں۔"
"اوہ۔" مرالے میاں کے منہ سے چونکے ہوئے انداز میں نکلا۔
"کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟" خان رحمان نے بھی حیران ہو کر پوچھ
"نام بہت سن رکھا ہے۔ اُن کے اور اُن کے بچوں کے کارنامے بھی
پڑھے ہیں۔"
"میرے ساتھ اس وقت وہی تینوں بچے ہیں۔" خان رحمان مسکرائے
"ارے، کیا واقعی؟" وہ اچھل پڑے اور پھر بڑی گرمجوشی سے ان
ہاتھ ملائے۔ جب وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تھے، اس وقت انہوں نے
ملانے کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔
"آپ لوگوں کو اپنے گھر میں دیکھ کر بہت عجیب سا محسوس ہو رہا ہے
ٹھہریے، میں اپنی بیٹی کو بلاتا ہوں۔ اسے بہت شوق ہے آپ لوگوں کو دیکھنے کا۔"
کہہ کر انہوں نے دیوار میں لگا ایک بٹن دبایا۔ فوراً ہی وہی ملازم نمودار ہوا، جس
انہیں اندر پہنچایا تھا۔
"کریم دین، بے بی کو بلاؤ۔"
"جی بہتر۔" اس نے کہا اور فوراً کمرے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد
ایک بہت موٹی لڑکی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"بے بی، ذرا دیکھو تو یہاں کون موجود ہے۔"
"آپ۔" لڑکی نے تالی بجا کر کہا۔
"میرے علاوہ؟"
"ایک مرد، دو لڑکے اور ایک لڑکی۔"
"انہیں پہچانو، یہ کون ہیں؟"
"آپ تو جانتے ہیں ابو، میری نظر کمزور ہے۔" لڑکی نے بُرا سا منہ بنایا۔
"اوہو، بھئی تم دیکھو تو سہی۔ ویسے ان کے نام سن کر تم اچھل پڑو گی۔"
"میں صرف چار آدمیوں کی یہاں موجودگی پر اچھل سکتی ہوں، وہ چار کون
ہیں، یہ آپ جانتے ہی ہیں۔"
"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ اچھل پڑو گی۔"
"کیا؟" لڑکی کے منہ سے چیخنے کے انداز میں نکلا: "تو، تو کیا یہ
انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں؟"
"یہ انسپکٹر جمشید نہیں ہیں۔ باقیوں کے بارے میں تمہارے خیال بالکل
ٹھیک ہے۔"
"اوہ۔" اس کے منہ سے نکلا، پھر اس کی نظریں ان تینوں پر باری باری
پڑنے لگیں۔ آخر اس نے پُر جوش انداز میں کہا:
"بالکل وہی، خدا کی قسم، یہ وہی ہیں۔"
"بھئی قسم کھانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تمہیں بتا تو رہا ہوں کہ یہ وہی
ہیں۔"
"للل، لیکن۔ یہ یہاں۔"
اچانک اس کی نظر میز پر پڑے کارڈ پر پڑی اور پھر اس کی آنکھیں خوف

زدہ انداز میں پھیل گئیں، یوں جیسے اس نے کارڈ کو نہیں، جن یا بھوت کا دیکھ لیا تھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کی حیرت کا کیا پوچھنا، کیونکہ کارڈ میں تو ایسی کوئی بات نہیں تھی، جسے دیکھ کر کوئی آدمی خوف زدہ ہو جائے، پھر بے بی کیوں خوفزدہ ہو گئی تھی۔ انہوں نے دیکھا، خان رحمان اور مراۓ لمیاں بھی کچھ کم حیران نظر نہیں آ رہے تھے۔

☆☆

درختوں کے ایک جھنڈ میں دو آدمی چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے کانوں سے سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے ہیڈ فون لگا رکھے تھے اور کچھ سننے میں اس قدر محو تھے کہ انہیں انسپکٹر جمشید کے نزدیک پہنچنے کا بھی احساس ہوا۔ وہ چند سیکنڈ تک تو ان پر نظر جمائے کھڑے رہے، آخر بول اٹھے:

"یہ کیا ہو رہا ہے دوستو؟"

دونوں بوکھلا کر ان کی طرف مڑے اور پھر ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"کک، کیا مطلب؟" ان میں سے ایک نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"یہ کیا سنا جا رہا ہے؟" وہ شوخ آواز میں بولے۔

"کک، کچھ بھی نہیں۔" دوسرا بھی ہکلایا۔

"بھئی، جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹ آدمی کے چہرے پر لکھا صاف نظر آ جاتا ہے۔ صاف کیوں نہیں کہتے۔ اس عمارت میں کی جانے والی گفت گو کا ایک ایک لفظ سن رہے ہو۔" انہوں نے کہا۔

"نن، نہیں، نہیں۔" پہلا چیخ کر بولا اور ساتھ ہی اس نے ہیڈ فون ان پر دے مارا۔ وہ جھکائی دے گئے، پہلے ہی ہوشیار تھے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ اس قسم کی کوئی حرکت ضرور کریں گے۔

"یہ کیا بھئی، کچھ سن بھی نہیں رہے اور مجھ پر حملہ بھی کر رہے ہو۔ یار ایسا بھی کیا۔" انسپکٹر جمشید بے حد شوخ ہو رہے تھے۔

"ہم۔ ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" ایک نے ان کی طرف ایک قدم بڑھ کر کہا۔

"کیوں بھئی، آخر میں نے کیا کیا ہے؟"

"اگلا اچھل کر ان پر آیا، لیکن زمین پر گرا۔ انسپکٹر جمشید بھلا کب اس کی زد میں کہاں آنے والے تھے۔ جھکائی دیتے ہی انہوں نے اس کی ٹھوڑی پر ایک مکا جڑ دیا، وہ تیورا کر گرا۔ اتنے میں دوسرا ان پر چھلانگ لگا چکا تھا، وہ منہ کے بل زمین پر آیا۔ ساتھ ہی اس کی کمر پر ایک لات لگی اور وہ بلبلا اٹھا۔ اب وہ ان سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑے ان کے اٹھنے کا انتظار کر رہے تھے۔ جب ان میں حرکت کے آثار نظر نہ آئے تو انہوں نے گرے ہوئے ہیڈ فون اٹھا کر کانوں سے لگا لیے۔ کانفرنس روم میں کی جانے والی گفتگو ان کو کانوں میں آنے لگی۔ ہیڈ فون رکھ کر وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ارے بھئی، کیا سو گئے، اٹھتے کیوں نہیں۔ کہیں تمہارے دلوں میں دو دو ہاتھ کرنے کی حسرت باقی نہ رہ جائے۔" وہ چہک کر بولے۔

لیکن ان کے جسموں میں پھر بھی حرکت نہ ہوئی۔ انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ انہوں نے دونوں کے اس قدر زور سے ہاتھ نہیں مارے تھے کہ بے ہوش ہو جاتے یا اتنی دیر تک بے ہوش رہتے۔ وہ آگے بڑھے، جھک کر انہیں دیکھا اور پھر چونک کر سیدھے ہو گئے۔ ان کے چہروں پر شدید حیرت کے آثار دوڑ گئے۔ دونوں مر چکے تھے۔ انہوں نے پہلے تو ان کے جسموں کا جائزہ لیا۔ کہیں کوئی زخم نہیں تھا، پھر ادرگرد دیکھا۔ جنگل میں کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہ آئے، پھر وہ دونوں مر کیسے گئے تھے۔

یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ آخر وہ عمارت کی طرف چل پڑے۔ انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

''کیوں جمشید، کیا بات تھی؟''

''مجھے ایسا محسوس ہوا تھا، جیسے اس کمرے میں ہونے والی گفتگو سنی جا رہی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے میز کے نیچے گھس کر دیکھا، میز کے نچلے حصے میں دو سیاہ رنگ کے اُبھرے ہوئے بٹن سے لگے ہوئے نظر آئے۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ یہ آواز کیچ کر رہے ہیں اور عمارت سے باہر ضرور کوئی گفتگو سن رہا ہے۔ میں باہر نکلا تو دو آدمی کانوں پر ہیڈ فون چڑھائے نظر آئے۔ میں نے انہیں للکارا تو انہوں نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میرا ایک ایک مکا کھا کر وہ گر پڑے اور حیرت انگیز ترین بات یہ کہ پھر اُٹھے ہی نہیں۔ جب میں نے جھک کر ان کا جائزہ لیا تو وہ مر چکے تھے۔''

''کیا؟'' کمرے میں موجود سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''ہاں، ان دونوں کی لاشیں باہر موجود ہیں۔ اب ہمیں ان کا بھی انتظام کرنا ہوگا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہی بتا سکے گی کہ ان کی موت کس طرح واقع ہوئی۔ ایک ایک مکا کھا کر تو وہ مرنے والے نہیں تھے۔''

''حیرت انگیز۔ آخر ان لوگوں کو کس طرح پتا چل گیا کہ ہم یہاں بات چیت کرنے والے ہیں۔'' شیخ صاحب بولے۔

''اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو ہم میں سے یا ہمارے دفاتر میں سے کسی دفتر میں کوئی غیر ملکی جاسوس موجود ہے۔ یا پھر جن لوگوں نے سازش تیار کی ہے، وہ ضرورت سے زیادہ ہم لوگوں کے بارے میں معلومات رکھتے ہیں۔ انہیں اس عمارت کا پہلے سے ہی علم ہوگا، یا پھر اس جاسوس نے انہیں خبر دی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پہلے ہی یہاں مائکروفون سیٹ کر دیے۔''

''تو پھر پہلے عملے کو فون کرو، تاکہ وہ یہاں آ کر لاشیں قبضے میں لے لیں۔ ...ب ہم یہاں کوئی گفتگو نہیں کریں گے۔ یوں بھی ہم بات چیت تقریباً مکمل کر چکے ...ہیں۔'' شیخ صاحب نے کہا۔

''ٹھیک ہے سر۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا اور فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے ...، اکرام کو ہدایات دے کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ اور پھر میز کے نیچے گھس کر وہ ...تار لیے، پھر انہیں ایک کاغذ میں لپیٹ کر جیب میں رکھتے ہوئے بولے:

''یہ اس دور کی جدید ترین ایجاد ہے۔ مزے کی بات یہ کہ بغیر تار کے کام ...ہے۔ اس کے ذریعے تعاقب میں بھی بہت آسانی رہتی ہے۔ جس گاڑی کا ...ب کرنا ہو، اس کے نچلے حصے میں یہ بٹن چپکا دو اور اپنی گاڑی میں ہیڈ فون لے کر ...جاؤ۔ گاڑی کی آواز سنائی دینے لگے گی۔'' وہ بتاتے چلے گئے۔

جلد ہی اکرام عملے سمیت وہاں پہنچ گیا اور اندر داخل ہوتے ہوئے بولا:

''باہر تو کوئی لاش نہیں ہے جناب۔''

''کیا کہا، کوئی لاش نہیں ہے۔'' ان میں سے کئی ایک کے منہ سے نکلا۔

''جی ہاں، ہم نے چاروں طرف دیکھ لیا ہے۔'' اکرام نے کہا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' انسپکٹر جمشید نے تیزی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

پھر وہ ان کے ساتھ باہر نکلے، باقی لوگ بھی اب بیٹھے نہ رہ سکے۔ ...جمشید اس جگہ آئے، جہاں دونوں سے ان کی جھڑپ ہوئی تھی۔ یہاں اب واقعی ...دونوں کی لاشیں نہیں تھیں۔ ہیڈ فون انسپکٹر جمشید پہلے ہی اپنے قبضے میں لے چکے ...

''حیرت ہے، اتنی جلدی انہیں کس طرح یہاں سے ہٹا دیا گیا۔'' ...جمشید بڑبڑائے۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ان کا تیسرا ساتھی بھی آس پاس ہی کہیں
ہوا تھا۔ یا وہ ایک سے زائد ہوں گے۔ وہی اپنے مردہ ساتھیوں کو اٹھا کر لے گئے
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے ساتھی پھنس گئے ہیں تو انہوں
ہی کسی طریقے سے انہیں ختم کر دیا۔" خان صاحب نے خیال پیش کیا۔

"جی ہاں، یہ بھی ہو سکتا ہے۔ ویسے میں نے ان کے جسموں کا جائزہ
لیا تھا۔ کوئی زخم نظر نہیں آیا تھا۔"

"تو پھر وہ کس طرح مرے؟" ایک آفیسر بولے۔

"اگر ان کی لاشیں ان کے ساتھی نہ اٹھا لے جاتے تو یہ بات پوسٹ
کے بعد ہمیں معلوم ہو جاتی، اب کیا کہا جا سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید سوچ میں گم لہج
بولے، پھر انہوں نے چونک کر کہا۔

"بہر حال اس واقعے سے ایک بات ثابت ہو جاتی ہے، اور وہ یہ کہ
ملک ... نے واقعی ہمارے ملک کے خلاف کوئی سازش تیار کی ہے اور اس سازش کو کامیا
بنانے کیلئے وہ پوری طرح ہوشیار ہے۔ جن لوگوں سے اسے خطرہ ہے، ان کی گم
کرائی جا رہی ہے۔ ان حالات میں ہمیں ہر طرح محتاط ہو جانا چاہیے، کیونکہ ہمیں ا
بھی معلوم نہیں کہ سازش کیا ہے۔ اگر معلوم ہو جاتا تو نہایت آسانی سے اس کا ا
کیا جا سکتا تھا کہ دشمن کامیاب نہ ہو۔ ہمیں ابھی اور اسی وقت حفاظتی اقدامات ش
کر دینے چاہئیں۔"

"ٹھیک ہے، میں اور خان صاحب دفتر جا کر ہدایات جاری کرتے ہ
تم ان لاشوں کا سراغ لگانے کی کوشش کرو۔ اگر تم کسی طرح لاشیں غائب کر
والوں تک پہنچ گئے تو ہماری کامیابی کے امکانات روشن ہو جائیں گے۔"

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے جناب، دونوں لاشیں جنگل سے غائب

گئی ہیں۔ ہم نے کسی گاڑی کے سٹارٹ ہونے کی آواز نہیں سنی۔ گویا لاشیں آس
پاس ہی کہیں لے جائی گئی ہیں۔ میں اور اکرام مل کر جنگل کا کونا کونا چھان ماریں گے،
آپ فکر نہ کریں۔"

"مجھے امید ہے، تم ان تک پہنچ جاؤ گے۔"

ان کے علاوہ باقی تمام آفیسر چلے گئے۔ آخر وہ بھی باہر نکلے اور ایک بار
پھر اس جگہ پہنچے، جہاں جھڑپ ہوئی تھی۔

"ہمیں اپنی کوشش یہاں سے شروع کرنی ہے۔ قدموں کے نشانات کے
سہارے ہم اس سمت کا اندازہ تو لگا ہی سکتے ہیں، جس سمت میں وہ گئے ہیں۔"

قدموں کے نشانات ایک طرف جاتے نظر آئے۔ یہ کم از کم چار آدمیوں
کے تھے۔

"اس کا مطلب ہے، دونوں لاشوں کو چار آدمی اٹھا کر لے گئے ہیں، گویا
یہاں کل چھ آدمی تھے۔ ان میں سے دو تو ہیڈ فون پر گفتگو سن رہے تھے اور باقی چار
آس پاس چھپے تھے۔" اکرام نے خیال ظاہر کیا۔

"نہیں بھئی، اس وقت یہاں چار آدمی چھپے ہوئے نہیں تھے۔ اگر وہ چار
ہوتے تو اپنے دونوں ساتھیوں کی مدد کے لیے ضرور میرے مقابلے کے لیے آتے۔
اس وقت یہاں صرف ایک آدمی موجود تھا۔ جب اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو
گرتے دیکھا تو فوراً گیا اور تین اور کو بلا لایا، اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں
نے اسی عمارت کے آس پاس کہیں اپنا عارضی ٹھکانا بھی بنایا ہے اور وہ ٹھکانا ہمیں اسی
سمت میں چلنے کے بعد ضرور نظر آ جائے گا۔" انسپکٹر جمشید پر خیال لہجے میں کہتے چلے
گئے اور پھر ان کے قدم اسی سمت میں اٹھنے لگے۔ وہ ایک ایک قدم بڑھتے گئے۔
یہاں تک کہ ایک جھونپڑی انہیں نظر آئی۔ جھونپڑی دیکھ کر ان کے قدم رک گئے۔

اکرام نے اپنے ساتھیوں کو ہدایات دیں اور وہ جھونپڑی کے چاروں طرف پھیلتے چلے گئے۔ جب وہ سب پوزیشن لے چکے تو انسپکٹر جمشید اور اکرام درختوں کی آڑ لیتے ہوئے جھونپڑی کی طرف بڑھنے لگے۔

اچانک جھونپڑی کی طرف سے ایک فائر ہوا اور وہ فوراً زمین پر لیٹ گئے۔ دوسرے ہی لمحے انسپکٹر جمشید اور اکرام کے ہاتھوں میں بھی پستول نظر آئے۔ انہوں نے جھونپڑی کا نشانہ لے کر دو فائر جھونک مارے۔ پھر اکرام نے اپنے ساتھیوں کو باڑھ مارنے کا حکم دیا، ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے پکار کر کہا:

"تم لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے، تم بچ نہیں سکتے۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ اپنے پستول پھینک دو اور ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے باہر نکل آؤ۔"

جھونپڑی سے کوئی جواب آنے کی بجائے چار فائر ایک ساتھ کیے گئے۔ ادھر سے بھی باڑھ ماری گئی اور پھر جھونپڑی میں ایک چیخ گونج اٹھی۔

"اکرام، اپنے ساتھیوں کو اشارہ دو کہ یہ ہمارے لیے مردہ حالت کی بجائے زندہ حالت میں زیادہ مفید رہیں گے۔ ہمیں اس سازش کا پتا چلانا ہے۔"

"جی بہتر۔" اکرام نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو اشاراتی زبان میں کہا۔

"جھونپڑی کے آس پاس فائر کرو، کوئی گولی جھونپڑی میں نہ لگے۔"

"اور اب میں سینے کے بل رینگ کر جھونپڑی تک جاؤں گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ایسا اقدام خطرے سے خالی نہیں ہوگا سر۔"

"کوئی بات نہیں، خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا۔" انہوں نے جواب دیا۔

"تو پھر مجھے اجازت دیجیے، میں جاتا ہوں۔" اکرام بولا۔

"نہیں اکرام، مجھے ہی جانا چاہیے۔ تم یہیں ٹھہرو گے۔"

"یہ کہہ کر وہ سینے کے بل رینگنے لگے اور لحہ بہ لحہ جھونپڑے سے نزدیک

☆☆☆

کان کا سودا

"خیر تو ہے بے بی، تم اس کارڈ کو دیکھ کر خوف زدہ کیوں ہو گئیں"
میاں نے بے چین ہو کر کہا۔
"یہ۔ یہ کارڈ یہاں کہاں سے آیا؟" وہ ہکلائی۔
"بھئی، یہ میرا کارڈ ہے۔ اس کا یہاں ہونا ایسی عجیب بات
مرالے میاں حیران ہو کر بولے۔
"چند دن پہلے میں نے اکاؤنٹنٹ صاحب سے آپ کا ایک کا
مجھے اپنی ایک سہیلی کے بڑے بھائی کو دینا تھا۔ اسے ایک جگہ ملازمت
ہے۔ اس نے کہا تھا کہ ملازمت صرف اس صورت میں مل سکتی ہے، جب
پاس آپ کا ملاقاتی کارڈ ہو، گویا ملاقاتی کارڈ سفارشی رقعے کا کام د
اکاؤنٹنٹ کے پاس گئی، کیونکہ ایسی چیزیں انہی کے پاس ہوتی ہیں۔ ان
مانگا۔ انہوں نے الماری میں دیکھا تو وہاں صرف ایک کارڈ تھا۔ کارڈ مجھے د
انہوں نے کہا تھا۔ اوہو، کارڈ تو ختم ہو گئے ہیں اور چھپوانے کا آرڈر دینا پڑ
جب کہ کارڈ ختم ہو چکے ہیں، یہ کارڈ یہاں کیسے آیا۔ کیا آپ کی جیب میں
رہتے ہیں؟" بے بی یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"نہیں، میں جیب میں کارڈ کبھی نہیں رکھتا، جب ضرورت ہوتی ہے،
سے لے لیتا ہوں۔" مرالے میاں نے انکار میں سر ہلایا۔
"اب تو ہمیں آپ کی سہیلی کے بڑے بھائی سے ملنا پڑے گا۔" محمود بول

"جی، کیا مطلب؟" بے بی چونکی۔
"یہ ایک پراسرار معاملہ ہے اور اس کی پراسراریت ہر لمحے بڑھتی ہی
ہے۔ تفصیل آپ کو آپ کے ابو بتا دیں گے۔ فی الحال تو آپ ہمیں اپنی سہیلی
کے پاس لے چلیے۔ کیوں میاں صاحب، آپ کی اجازت ہے؟"
"ہاں ضرور، کیوں نہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جو بات معلوم ہو، مجھے بھی
"
"ٹھیک ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔"
وہ بے بی کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوئے۔ کچھ ہی فاصلے پر بے بی کی
گھر تھا۔ ملازم نے بے بی کو دیکھ کر فوراً اندر بٹھا دیا اور پھر اس کی سہیلی کو اطلاع
گیا۔ جلد ہی ایک گول مٹول سی لڑکی آتی نظر آئی۔
"رضیہ تمہارے بھائی جان گھر میں ہیں؟"
"ہاں، کیوں کیا بات ہے؟"
"مجھے ان سے کچھ کام ہے۔ ذرا انہیں بلانا تو۔"
"لیکن یہ لوگ کون ہیں؟" اس نے محمود وغیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"میں ابھی بتاتی ہوں، پہلے تم اپنے بھائی کو بلا لاؤ۔"
"اچھا۔" اس نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتی چلی گئی۔
وہ سوچ میں گم بیٹھے رہے۔ آخر ایک پندرہ سولہ سال کا لڑکا آتا نظر آیا۔ وہ

بہت دبلا پتلا اور کمزور سا تھا۔ شرماتا اور جھجکتا ہوا آگے بڑھا۔
"بھائی جان، آپ نے اس کارڈ کا کیا کیا تھا؟" بے بی نے اچانک
کیا۔
"کیا مطلب؟" وہ زور سے چونکا اور پھر اس کی آنکھوں میں خو
گیا۔
"آپ نے ملازمت حاصل کرنے کے لیے تو کا ایک کارڈ مجھ
تھا۔ وہ کارڈ آپ نے کسے دیا تھا؟"
"وہ۔ وہ۔ وہ۔ اب میں کیا بتاؤں۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔
"جو بات ہے، وہی بتائیں۔ اسی میں آپ کی بہتری ہے۔"
آواز میں بولا۔
"تو پھر سنیے، دو آدمی مجھے پکڑ کر جنگل میں لے گئے تھے۔ انہوں
سے کہا تھا کہ جس طرح وہ مجھے پکڑ لائے ہیں، اسی طرح میرے گھر کے کسی فر
پکڑ کر لا سکتے ہیں۔ لیکن اگر میں ان کا چھوٹا سا کام کردوں تو وہ مجھے یا میرے
کسی آدمی کو کچھ نہیں کہیں گے۔ کام صرف یہ ہے کہ میں اپنی بہن کی کیلی
ملاقاتی کارڈ لادوں اور بس۔ یہ معمولی سا کام اگر میں کردوں تو وہ کسی کو کچھ
گے، چنانچہ میں بے بی سے ملا اور اس سے ایک کارڈ حاصل کر کے جنگل میں
دے آیا جہاں وہ مجھے پکڑ کر لے گئے تھے۔"
"وہ آپ کو کہاں پکڑ کر لے گئے تھے اور کہاں سے پکڑا تھا؟"
"میں اسکول سے آرہا تھا کہ ایک کار میرے پاس آکر رکی۔ اس
دونوں بیٹھے تھے۔ کہنے لگے، آؤ ہم تمہیں گھر تک پہنچادیں۔ مجھے ڈر تو لگا، لیکن
بیٹھ ہی گیا اور وہ مجھے جنگل میں لے گئے۔ میں آپ کو جنگل میں وہ جگہ

ہوں۔"
"ہوں، آپ عام طور پر اسکول سے گھر تک کس طرح آتے ہیں؟"
"بس میں بیٹھ کر، ہم غریب آدمی ہیں۔" اس نے کہا۔
"اس دن آپ بس میں کیوں نہیں بیٹھے تھے؟" فاروق نے سوال کیا۔
"اسکول سے نکل کر بس سٹینڈ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ وہ کار قریب آگئی۔"
"آپ اس کار کا رنگ اور نمبر وغیرہ تو بتا نہیں سکتے شاید۔" فرزانہ بولی۔
"کار کا رنگ سیاہ تھا، نمبر دیکھنے کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا۔" اس نے کہا۔
"خیر، اب اس بات میں جس قدر جھوٹ شامل ہے، اسے نکال دیں اور
اس کی جگہ سچ بات بتادیں۔" فرزانہ نے اچانک کہا۔
"جی، کیا مطلب؟" وہ زور سے چونکا۔
"یہ تو ٹھیک ہے کہ دو آدمی آپ کو کار میں بٹھا کر لے گئے تھے، لیکن جنگل
میں جا کر انہوں نے آپ کو دھمکی نہیں دی ہوگی، بلکہ کوئی پیش کش کی ہوگی۔ کسی رقم کی
پیش کش، یعنی شاید یہ کہا ہوگا کہ اگر آپ وہ کارڈ لادیں تو وہ آپ کو ایک ہزار روپے
دیں گے، اسی قسم کی کوئی بات انہوں نے کی ہوگی۔ کیا یہ بات درست نہیں؟"
"آپ۔ آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟" اس نے گھبرا کر کہا۔
"بس ہوگیا معلوم، جلدی بتائیں۔ انہوں نے کیا پیش کش کی تھی۔"
"انہوں نے پانچ سو روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ بھی ایک کارڈ کا۔
میرے لیے یہ ذرا بھی مشکل نہیں تھا، کیونکہ بے بی کے ذریعے ملازمت کا بہانا کر کے
کارڈ آسانی سے حاصل کیا جاسکتا تھا، چنانچہ میں بے بی سے ملا اور کارڈ لے کر وہاں
پہنچا۔ وہ لوگ وہیں ملے اور کارڈ لے کر انہوں نے مجھے پانچ سو روپے دے دیے۔ یہ
ہے اصل بات۔"

"ہاں، اب آپ نے سچ بولا ہے۔ آئندہ ایسا کوئی کام نہ کیجیے گا، کیونکہ بعض اوقات ایسی معمولی غلطیوں کے نتائج بہت خوف ناک نکلتے ہیں۔" محمود نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"آئیے چلیں۔"

"کیا تم انہیں ساتھ لے جا کر جنگل میں وہ جگہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہے۔" خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"وہ لوگ بھلا اب وہاں کیسے مل سکتے ہیں۔ وہ تو کارڈ حاصل کرتے ہی وہاں سے کھسک لیے ہوں گے۔" محمود نے کہا۔

"ہوں، تم ٹھیک کہتے ہو۔ خیر، چلو چلیں۔"

وہ باہر نکلے۔ بے بی کو انہوں نے اس کے گھر کے باہر اتار دیا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" خان رحمان بولے۔

"یہی سوچ رہے ہیں۔" محمود بولا۔

"ویسے اس وقت تک تم کس نتیجے پر پہنچے ہو؟" خان رحمان نے پوچھا۔

"یہ کہ ایک شخص نے مرالے میاں کا بہروپ بھر کر سونے کی کانیں خریدی ہیں۔ اس نے خود کو مرالے میاں ثابت کرنے کے لیے ایک کارڈ بھی حاصل کیا، تاکہ لوگوں کو یقین دلا سکے۔ کان کے دوسرے مالکان نے تو تصدیق کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ سونے کی کانوں سے راکھ نکلنے کی اطلاع نے انہیں پریشان کر دیا تھا، چنانچہ جوں ہی انہیں کانوں کا ایک خریدار ملا، انہوں نے اپنی اپنی کانیں فروخت کر دیں، لیکن آخر میں آپ نے انکار کر دیا۔ اب چونکہ اسے کارڈ کی ضرورت نہیں رہی تھی، اس لیے وہ کارڈ آپ کے پاس چھوڑ گیا۔" محمود نے کہا۔

"بالکل غلط، اسے معلوم تھا کہ کارڈ پر فون نمبر اور مرالے میاں کا پتا بھی

درج ہے۔ اس صورت میں اس کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔ پھر بھلا اس نے کارڈ انکل کے پاس کیوں چھوڑا؟" فرزانہ کا لہجہ پرزور تھا۔

"ہوسکتا ہے، یہاں اس سے چوک ہو گئی ہو، یا پھر اس نے سوچا ہوگا کہ وہ دوسرے دن خود ہی آ کر بات کر لے گا۔ انکل خان رحمان کو فون کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی، تاہم سوال یہ ہے کہ اس شخص کو سونے کی ان کانوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جن سے اب سونے کی بجائے راکھ نکلنے لگی ہے۔ یہ بات بھی کم حیرت انگیز نہیں کہ ان سے یکا یک راکھ نکلنے لگی ہے۔ آخر یہ کس طرح ممکن ہے؟" فاروق نے روانی کے عالم میں کہا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں سے راکھ کیوں اور کیسے نکلنے لگی ہے۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اب تم لوگ کیا کرو گے، ادھر جمشید نہ جانے کہاں غائب ہے میرا خیال ہے، یہ معاملہ اسے اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہیے۔" خان رحمان بولے۔

"کیوں انکل، کیا آپ کے خیال میں ہم کسی قابل نہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"یہ بات نہیں۔ پتا نہیں، کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے، جیسے یہ کوئی لمبا چکر ہے۔" خان رحمان الجھ کر بولے۔

"تو کیا ہوا، لمبے چکروں سے ہمارا واسطہ پڑتا ہی رہتا ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ میری ایک تجویز ہے، اگر آپ قبول کرنے پر تیار ہوں۔" محمود نے سوچ میں ڈوبے ہوئے انداز میں کہا۔

"جلدی بتاؤ، میں ہر بات ماننے کے لیے تیار ہوں۔"

"آپ کان فروخت کر دیں۔" محمود بولا۔

"کیا مطلب؟" کان فروخت کردوں۔" خان رحمان دھک سے رہ گئے۔

"جی ہاں، آپ اس شخص کو پیغام دے دیں کہ آپ کان فروخت کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"اوہ، میں سمجھ گیا۔ اس طرح وہ میرے پاس آئے گا، اور تم ان کی نگرانی شروع کردو گے۔ کیوں تمہارا ارادہ یہی ہے نا۔" خان رحمان بولے۔

"جی ہاں انکل، یہی ہے۔ آپ اسے بلائیں ضرور۔ پھر اس سے اتنی بڑی رقم مانگ لیں کہ وہ دے ہی نہ سکے۔ جب وہ باہر نکلے گا تو ہم اس کی نگرانی شروع کردیں گے۔"

"پروگرام تو اچھا ہے، لیکن سوال تو یہ ہے کہ میں اسے پیغام کس طرح دوں، وہ تو مجھے اصلی مرالے میاں کا کارڈ دے گیا ہے اور اس پر فون نمبر بھی انہی کا ہے، پھر بھلا رابطہ کس طرح قائم کیا جاسکتا ہے؟"

"ہاں، یہ بھی الجھن ہے۔ خیر آپ انہی نمبروں پر رنگ کریں۔"

"کیا مطلب؟" خان رحمان چونکے۔

"جی ہاں، آپ کارڈ پر لکھے نمبروں پر ہی رنگ کریں اور پیغام دے دیں۔" محمود نے عجیب بات کہی۔

"بھلا اس سے کیا ہوگا۔ مرالے میاں تو پہلے ہی اس بات سے انکاری ہیں کہ انہوں نے سونے کی کانیں خریدی ہیں۔"

"وہ جو کوئی بھی تھا، مرالے میاں کا کارڈ کیوں دے گیا ہے۔ ہم اس بات کا جواب ابھی تک نہیں سوچ سکے، لیکن اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے، اس لیے آپ فون انہی نمبروں پر کریں۔"

"اچھی بات ہے، اگر تم کہتے ہو تو کردیتا ہوں۔"

وہ خان رحمان کے گھر پہنچے۔ عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ خان رحمان نے آگے بڑھ کر فون کا ریسیور اٹھایا اور بولے:

"ہیلو، کون صاحب ہیں؟ میں خان رحمان بول رہا ہوں۔"

"آپ نے کان کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

خان رحمان کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ آواز اسی آدمی کی تھی، جس نے ان سے کان فروخت کرنے کے سلسلے میں بات کی تھی، چنانچہ انہوں نے فوراً کہا۔

"میں، میں کان فروخت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آپ آکر بات کرلیں۔"

"اچھی بات ہے، میں اسی وقت آرہا ہوں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ خان رحمان نے بھی حیرت زدہ انداز میں ریسیور رکھ دیا اور بولے:

"میرے خدا، یہ سب کیا ہے؟"

"انکل، کیا فون اسی شخص کا تھا؟" فرزانہ بے تابانہ بولی۔

"کم از کم آواز اسی کی تھی۔"

"تو کیا وہ آرہا ہے؟" محمود بولا۔

"ہاں، اس نے کہا ہے کہ وہ پہنچ رہا ہے۔"

"اوہ، حیرت انگیز، بلکہ انوکھا ترین معاملہ ہے۔" فاروق، فرزانہ ہوشیار ہوجاؤ۔ انکل ظہور سے کہیے، کار سڑک کے کنارے لے جا کر کھڑی کردے۔ اور خود کار میں تیار بیٹھے، تاکہ اگر ہمیں اس شخص کا تعاقب کرنا پڑے تو ٹیکسی کا انتظار نہ کرنا

پڑے۔ تعاقب فوراً ہی شروع ہو جائے۔"

"اچھی بات ہے، لیکن مجھے تو بتادو۔ اس کے آنے پر میں اس سے کیا کہوں گا۔" خان رحمان پریشان ہو کر بولے۔

"وہ آپ سے کان کی قیمت پوچھے گا۔ ظاہر ہے، آپ فروخت کرنا نہیں چاہتے، لہٰذا بڑھ چڑھ کر قیمت مانگ لیں، تاکہ وہ ادا ہی نہ کر سکے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں یہی کروں گا۔" خان رحمان بولے۔

گھر میں تجسس کی ایک لہر دوڑ گئی۔ خان رحمان پہلے ہی ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گئے۔ ظہور کار لے کر سڑک کے کنارے چلا گیا۔ محمود کو کچھ خیال آیا تو اس نے فاروق سے کہا:

"فاروق، حالات نہ جانے کیا صورت اختیار کر لیں، لہٰذا تم بھی پہلے ہی ظہور کے ساتھ جا کر بیٹھ جاؤ، تاکہ اگر ہمیں وقت پر گھر سے نکلنا نصیب نہ ہو تو کم از کم تم تو تعاقب میں نکل سکو۔"

"کم از کم کیوں، میں تو زیادہ سے زیادہ تعاقب کر سکوں گا۔" فاروق نے منہ بنایا اور پھر گھر سے نکل گیا۔

محمود اور فرزانہ بے تابی کے عالم میں ڈرائنگ روم کے سامنے ادھر سے ادھر ٹہل رہے تھے۔ خان رحمان ڈرائنگ روم میں بے چین بیٹھے تھے۔ بیگم ظہور باورچی خانے میں کھانا تیار کرنے میں مصروف تھی۔ خان رحمان کے بیوی بچے تو پہلے ہی نانا نانی کے ہاں گئے ہوئے تھے۔

اچانک دروازے کی گھنٹی بجی۔ ظہور چونکہ باہر کار میں بیٹھا تھا، اس لیے دروازہ کھولنے کا کام محمود کو ہی انجام دینا پڑا۔ دوسرے ہی لمحے وہ حیران رہ گیا۔ ابھی ابھی جس مرالے میاں سے وہ مل کر آئے تھے، وہی مرالے میاں خان رحمان کے

دروازے پر موجود تھے۔ محمود کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"مرالے میاں، اندر تشریف لے چلیے۔"

"شکریہ۔" اس نے کہا۔ آواز بھی بالکل مرالے میاں جیسی تھی۔

وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ مرالے میاں نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا:

"مجھے خوشی ہے کہ آپ کان فروخت کرنے پر تیار ہو گئے ہیں۔ فرمایئے، آپ کو کان کی کیا قیمت ادا کی جائے۔"

"آپ تشریف تو رکھیے۔ پہلے تو ہم آپ سے چند سوال کرنا چاہتے ہیں۔" محمود بول پڑا۔

"کیسے سوالات، آپ کون ہیں؟" مرالے میاں نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ جو کارڈ انہیں دے گئے تھے، اس پر فون نمبر بھی درج ہیں۔ ہم نے ان نمبروں پر رنگ کیا تھا۔ یہ نمبر واقعی مرالے میاں کے ہیں، لیکن ان کا کہنا ہے کہ وہ یہاں کان کے بارے میں سرے سے کوئی بات کرنے کے لیے آئے ہی نہیں۔"

"میں نے یہ ہرگز نہیں کہا۔ میں آیا تھا اور بالکل آیا تھا۔ کان کی بات بھی کی تھی، لیکن آپ اس وقت کان فروخت کرنے کے لیے تیار ہی نہیں تھے، لہٰذا میں چلا گیا اور جاتے ہوئے یہ کارڈ دے گیا۔" مرالے میاں نے پرزور لہجے میں کہا۔

"یا خدا رحم، ابھی ابھی ہم مرالے میاں سے مل کر آرہے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ یہاں نہیں آئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کوئی اور مرالے میاں ہیں۔ ہم یہی خیال کرتے، لیکن پھر آپ نے ان مرالے میاں کا کارڈ انہیں کیسے دے دیا؟" محمود بولا۔

"ضرور کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ بھئی، میں نے کسی کا نہیں اپنا کارڈ ہی دیا

تھا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، مرالے میاں، جس سے ہم ان کے گھر مل کر آئے ہیں، کا کہنا ہے کہ یہ کارڈ انہی کا ہے اور ان کی لڑکی کے ذریعے دھوکے سے حاصل کیا گیا ہے، گویا وہ آپ ہیں، جنہوں نے دھوکے سے یہ کارڈ حاصل کیا تھا، آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"میں بہت الجھن میں مبتلا ہو گیا ہوں، نہ جانے یہ کیا چکر ہے۔" مرالے میاں نے پریشان ہو کر کہا۔

"کیا آپ کا فون نمبر یہی ہے۔" محمود نے کارڈ پر لکھے نمبر پڑھے۔

"بالکل یہی ہے۔" وہ بولے۔

"اور پتا بھی یہی ہے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"ہاں ہاں، بالکل یہی ہے۔ کتنی بار پوچھیں گے۔"

"تب پھر بات صرف اور صرف ایک ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ اس گھر میں ایک وقت دو عدد مرالے میاں رہ رہے ہیں۔" محمود نے تنگ آ کر کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" فرزانہ بھنا کر اس کی طرف مڑی۔

"تب پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک مرالے میاں تو یہ کہے کہ اس نے کان خریدنے کی بات نہیں کی تھی اور دوسرا یہ کہے کہ ضرور کی تھی اور یہاں بھی آئے تھے اور کارڈ ان دونوں کا ایک ہی ہو۔ تم ہی بتاؤ، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

محمود اور فرزانہ بُری طرح چکرا کر رہ گئے۔ معاملہ عجیب کروٹ اختیار کر گیا تھا۔ اسی وقت مرالے میاں نے جھنجھلائی ہوئی آواز میں کہا:

"ہاں تو آپ کان فروخت کرنے پر تیار ہیں۔ بتائیے، آپ کو کتنے پیسے ادا کیے جائیں۔ میرے پاس ان جھگڑوں کا وقت نہیں ہے۔ میں اصلی مرالے میاں

ہوں یا نقلی۔ آپ کی رقم بالکل اصلی ادا کروں گا۔"

خان رحمان نے الجھن محسوس کرتے ہوئے ان دونوں کی طرف دیکھا، انہوں نے ہاں میں سر ہلا دیے اور خان رحمان بولے:

"میں اس کان کے ایک کروڑ روپے مانگتا ہوں۔"

"مجھے منظور ہے۔" مرالے میاں نے یہ کہہ کر جیب میں ہاتھ ڈالا۔

اور خان رحمان بوکھلا اٹھے۔ انہوں نے اپنے خیال میں بہت زیادہ پیسے مانگ لیے تھے۔ وہ بھی ایک ایسی کان کے جس میں سے اب سونے کی بجائے راکھ نکل رہی تھی۔ انہیں امید نہیں تھی کہ مرالے میاں ایک کروڑ روپے منظور کر لیں گے۔ انہوں نے دیکھا، مرالے میاں چیک لکھ رہے تھے۔

"لیکن چیک کا کیا بھروسا؟"

"یہ مرالے میاں کا چیک ہے، کیش نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہم آپ بنک کے منیجر کو فون کر لیں۔ چیک بک پر فون نمبر درج ہیں۔ یہ بنک شام کو بھی کھلا رہتا ہے۔"

خان رحمان نے مشورہ کرنے کے انداز میں ان دونوں کی طرف دیکھا، انہوں نے پھر سر ہلا دیے اور خان رحمان نے بنک کے نمبر ڈائل کیے۔ ادھر سے فوراً ہی ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی:

"ہیلو، کیا یہ قومی بنک ہے، مین برانچ؟"

"جی ہاں، فرمائیے۔"

"مجھے مرالے میاں ایک سودے کے بدلے میں ایک کروڑ کا چیک دے رہے ہیں۔ کرنٹ اکاؤنٹ نمبر ۱۱۳۶۴۴ ہے۔ کیا ان کے اکاؤنٹ میں اتنی رقم ہے کہ یہ چیک کیش ہو سکے۔"

چند منٹ انتظار فرمایئے، لیکن نہیں، پہلے مرالے میاں سے بات کرا دیجیے
تاکہ معلوم ہو کہ انہوں نے واقعی آپ کو چیک دیا ہے۔"

"سنیے، میں خان رحمان بول رہا ہوں۔ میرا اکاؤنٹ بھی آپ کی برانچ
میں ہے۔"

"اوہو، خان صاحب۔ یہ آپ ہیں۔ خیر پھر بھی آپ مرالے میاں سے
میری بات کرا دیں۔ یہ قانون کا تقاضا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور مرالے میاں کو دے دیا اور
انہوں نے بنک منیجر کو بتایا کہ وہ واقعی مسٹر خان رحمان صاحب کو ایک کروڑ روپے کا
چیک دے چکے ہیں۔ اس کے بعد مرالے میاں نے ریسیور خان رحمان کے حوالے
کر دیا۔ چند منٹ بعد منیجر نے ان سے کہا:

"جی ہاں، مرالے میاں کے اکاؤنٹ میں اتنی رقم موجود ہے کہ آپ کا
چیک کیش ہو جائے گا۔"

"شکریہ جناب۔" خان رحمان بولے اور پھر ریسیور رکھ دیا۔

ادھر مرالے میاں جیب سے چند کاغذات نکال چکے تھے انہوں نے کہا۔

"میں تمام کاغذات پہلے ہی [illegible] یا ہوں۔ صرف رقم کا اندراج باقی
ہے اور دستخط ہوں گے۔ ان لوگوں کے دستخط بطور گواہ کرا لیے جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

کاغذات مکمل ہوتے ہی مرالے میاں اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ سکتے کے
عالم میں بیٹھے رہ گئے۔ ایک کروڑ روپے کا چیک میز پر پڑا ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

"یہ۔ یہ کیا ہوا؟"

"کان فروخت ہو گئی انکل، یہی ہوا ہے۔ آپ نے صرف ایک کروڑ

[illegible] کیوں مانگے۔ دس بیس [illegible] کیوں طلب نہ کیے۔"

"شاید پھر بھی وہ کان خرید لیتا۔" خان رحمان نے کھوئے کھوئے لہجے میں

"ٹھہریے، میں مرالے میاں کو فون کر کے دیکھتا ہوں۔" محمود نے کہا اور
[illegible] نمبر ملانے لگا۔

دوسری طرف سے کسی نے کہا:

"مرالے میاں کا اکاؤنٹنٹ بول رہا ہوں۔ فرمایئے۔"

"مرالے میاں سے بات کرا دیں۔"

"وہ اس وقت گھر میں نہیں ہیں۔ کہیں کام سے گئے ہوئے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ٹھہر کر فون کر لوں گا۔ ویسے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ
[illegible] اکاؤنٹ کون سے بنک میں ہے اور کونسی برانچ میں؟"

"شاہکار بنک ماڈل روڈ برانچ۔" اس نے بتایا۔

"اور کس کس بنک میں ان کا اکاؤنٹ ہے۔ کیا قومی بنک کی مین شاخ
[illegible] ان کا اکاؤنٹ ہے؟"

"جی نہیں [illegible] قومی بنک میں ان کا اکاؤنٹ نہیں ہے۔ ویسے اور کئی بنکوں
[illegible] ہے۔"

"شکریہ، میں کچھ دیر بعد پھر فون کر دوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا
[illegible] رحمان سے بولا:

"شاید ہم بری طرح پھنس گئے ہیں، کیونکہ مرالے میاں کا اکاؤنٹ قومی
[illegible] ہے ہی نہیں۔"

"لیکن چیک بک پر فون نمبر درج تھے اور چھپے ہوئے تھے۔ ہاتھ سے لکھے

ہوتے تو ہم ہرگز اعتبار نہ کرتے۔''

''تو پھر آیئے، پہلے قومی بنک ہو آئیں۔ یہ چیک ساتھ لے

مرالے میاں کا تعاقب فاروق خود ہی کر لے گا۔''

وہ باہر نکلے تو فاروق اور ظہور کار سمیت غائب تھے: گویا مرالے میاں
تعاقب میں روانہ ہو چکے تھے۔ یہ دیکھ کر محمود اور فرزانہ نے سکون کا سانس لیا
رحمان نے اپنی دوسری کار نکالی اور اس میں بیٹھ کر بنک پہنچے۔ منیجر نے اٹھ کر
استقبال کیا۔

''تھوڑی دیر پہلے ہم نے مرالے میاں کے اکاؤنٹ کے بارے میں
سے فون پر بات کی تھی۔''

''جی ہاں، بالکل۔''

''تو پھر یہ چیک میرے حساب میں جمع کر دیں۔''

''ضرور، کیوں نہیں۔'' اس نے کہا اور چیک لے لیا۔

''مرالے میاں نے یہاں اکاؤنٹ کب کھلوایا تھا؟''

''شاید ایک ماہ پہلے ہی کھلوایا ہے اور بہت بڑی رقم سے کھلوایا تھا
اب ان کے اکاؤنٹ میں بہت تھوڑے پیسے رہ جائیں گے۔ میرا مطلب ہے یہ
نکالنے کے بعد۔''

''گویا انہوں نے بڑے بڑے چیک لوگوں کو دیے ہیں؟'' محمود
پوچھا۔

''جی ہاں۔''

اور وہ باہر نکل آئے۔ کم از کم انہیں ٹھگا نہیں گیا تھا۔ ایک بار پھر انہوں
کار کا رخ مرالے میاں کی کوٹھی کی طرف موڑ دیا۔ ان کی حیرت میں اب بلا کا

آسان موت

وہ چکر کاٹ کر جھونپڑے کے پچھلے حصے تک پہنچ گئے۔ یہ گھاس پھونس کا
تھا۔ کسی طرف سے بھی اس میں سے فائر کیا جا سکتا تھا، چنانچہ پچھلی طرف سے
فائر ہو رہے تھے، لیکن وہ درختوں کی آڑ لے کر پیٹ کے بل رینگتے ہوئے کسی نہ
طرح جھونپڑے تک پہنچ ہی گئے تھے۔

ایک کونے پر انہوں نے انگلیوں کے ذریعے سوراخ بنایا اور اندر جھانکا۔
آدمی فائرنگ میں مصروف تھے۔ ان کے پاس وہ لاشیں زمین پر پڑی تھیں۔
چار سمتوں میں منہ کیے کھڑے تھے۔ انسپکٹر جمشید کسی طرح بھی اندر داخل
کے قابل نہیں تھے۔ کیونکہ انہیں داخل ہو سکتے تھے۔ وہ بھی اس صورت میں
دروازے والا آدمی یا تو مارا جاتا یا اس کے پاس گولیاں ختم ہو جائیں۔ دونوں
انتظار کرنا بھی ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ،
کی طرف رینگنے لگے۔ پستول انہوں نے ہاتھ میں تھام لیا۔

اور پھر وہ دروازے کے بالکل پاس پہنچ گئے۔ دروازے پر موجود دشمن
نگ کر رہا تھا۔ ان کے آدمی بھی فائرنگ کر رہے تھے، مگر ان کی گولیاں
کے آس پاس سے گزر رہی تھیں۔ انسپکٹر جمشید دروازے والے آدمی کی

گولیاں گننے لگے۔ جوں ہی ان کے پستول کی گولیاں ختم ہوئیں، فائرنگ رک
یہی وہ وقت تھا، جب انسپکٹر جمشید اندر داخل ہوئے۔ دروازے والا دشمن پستول
گولیاں بھرنے میں مصروف تھا۔ انہوں نے ایک دم اٹھتے ہوئے پستول
پیشانی پر رکھ دیا اور دبی آواز میں بولے:

"پستول گرا دو۔ اپنے ساتھیوں سے بھی کہو، پستول نیچے گرا دیں
تمہاری پیشانی میں تو سوراخ ہوگا ہی، تمہارے ساتھی بھی خون میں تڑپتے نظر
گے۔"

ان کی آواز اس قدر سرد تھی کہ پستول اس کے ہاتھ سے بغیر ارادے
نکل گیا۔ ساتھ ہی اس کے تینوں ساتھیوں نے گھوم کر دیکھا۔ اپنے ساتھی
اٹھے دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے۔ انسپکٹر جمشید پوری طرح اس کی اوٹ میں تھے۔

"دیکھ کیا رہے ہو، مجھ پر گولی چلانے کے لیے تمہیں اپنے ساتھی
سے مارنا ہوگا۔"

اچانک تین فائر ایک ساتھ ہوئے۔ انسپکٹر جمشید فوراً زمین پر گر
کا ساتھی ایک بھیانک چیخ مار کر گرا۔ تینوں نے ان پر ایک ساتھ فائر کیے
انسپکٹر جمشید نے فوری طور پر خطرہ محسوس کر لیا تھا۔ گرتے ہی انہوں نے ان
گولی چلا دی۔ تین اور چیخیں بلند ہوئیں اور وہ گر کر تڑپنے لگے۔ انسپکٹر جمشید
تھے وہ نہ ہو سکا، تاہم ابھی ان میں سے کوئی بچ ضرور سکتا تھا اور اس سے
حاصل ہونے کی امید کی جا سکتی تھی۔ دوسرے یہ کہ ان دو آدمیوں کی لاشیں
تھیں جو عمارت میں ہونے والی گفتگو سن رہے تھے۔

"اکرام، میں نے انہیں گولیاں مار دی ہیں۔ فائرنگ بند کروا
آجاؤ۔" انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

یک لخت فائرنگ رک گئی اور بھاری قدموں کی آواز گونجنے لگی۔ پھر
اندر داخل ہوا اور اندر کا منظر دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔

"یہ کیا ہوا سر؟"

"بس یار کیا بتاؤں۔ میں نے ان میں سے ایک کی پیشانی پر پستول رکھ کر
کو پستول گرانے کا حکم دیا تھا۔ ان تینوں نے ایک دم اپنے ساتھی پر فائر کر دیے،
اس کے ساتھ میں بھی ختم ہو جاؤں۔ مجھے نیچے گرنا پڑا۔ اب اگر میں ان پر
نہ کرتا تو یہ مجھے زندہ نہ چھوڑتے، تاہم جلدی کرو، انہیں فوراً ہسپتال پہنچاؤ۔ اگر
میں سے کوئی بچ سکے تو یہ بہت اچھا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ ان لاشوں کا پوسٹ مارٹم
احتیاط سے کیا جائے گا۔"

"جی بہتر۔" اکرام نے کہا اور باہر نکل کر اپنے ساتھیوں کو ہدایات دینے
انسپکٹر جمشید تڑپنے والوں پر جھک گئے۔ ان میں سے ایک ہوش میں تھا۔ وہ اس
بولے:

"تم لوگ کس کے لیے کام کر رہے ہو، جلدی بتاؤ۔"

"قیامت تک نہیں بتائیں گے۔ اسی لیے تو ہم نے یہ کھیل کھیلا ہے۔"

"کون سا کھیل؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"یہی، پہلے اپنے ساتھی کو ہلاک کیا اور پھر تمہیں ہلاک کرنا چاہتے تھے
مارے گئے خود۔ یہ تو خیر ہونا ہی تھا۔ اب تم ہم سے کچھ نہیں اگلوا سکو گے۔ اگر ہم
پر اٹھا دیتے اور خود کو تمہارے حوالے کر دیتے تو ہمیں نہ جانے کتنی سختی جھیلنا
جب کہ اس طریقے پر عمل کر کے ہم آسان موت مر رہے ہیں۔" وہ کہتا چلا گیا۔

"تمہارے دو ساتھیوں نے کس طرح جان دی۔ یہ کس طرح مارے

انہوں نے زہر کے کیپسول منہ میں رکھ لیے تھے۔ جب انہوں نے
کہ اب یہ پھنس گئے ہیں تو انہوں نے خودکشی کر لی، کیونکہ ہمیں یہی حکم ہے۔"

"یہ حکم کس کا ہے؟"

"یہ بتانا ہوتا تو اپنی جان سے ہاتھ دھونے کی کیا ضرورت تھی۔" ا
کہا۔

"تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کی اس وقت کیوں مدد نہ کی، جب
سے لڑ پڑے تھے۔"

"اس وقت یہاں صرف ایک آدمی اور تھا۔ اس نے جب ان د
گرتے دیکھا تو ہمیں اطلاع دینے چلا گیا۔ ہم یہاں سے کچھ فاصلے پر تھے۔
نے بتایا۔

"گویا یہاں سے کچھ فاصلے پر تمہارا ٹھکانا موجود ہے۔"

"نہیں، ہم تینوں احتیاط کے طور پر کچھ دور چلے گئے تھے، تا کہ س
سب خطرے میں نہ گھر سکیں۔"

"تو تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ یہ کیا چکر ہے۔ تم کس کے لیے کام کر رہے"

"نہیں، ہرگز نہیں۔"

"لیکن تمہیں یہ سن کر افسوس ہوگا کہ ہم تم سے معلوم کر کے رہیں
ہسپتال میں تمہارا علاج کیا جائے گا اور جب تم کچھ بہتر ہو جاؤ گے تو تم سے
جائے گا۔"

"وہ وقت کبھی نہیں آئے گا۔ میرے منہ میں زہر کا کیپسول موجود
لو، میں چلا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی گردن ڈھلک گئی۔ انہوں نے باقی

دیکھا، وہ بھی مر چکے تھے۔

"بھئی اکرام یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"جی ہاں، مجھے بہت افسوس ہے۔"

"بھلا تمہیں کیوں افسوس ہے۔ ہم اس میں کر ہی کیا سکتے تھے، اپنی سی
ش کر چکے۔"

"جی ہاں، یہ تو ٹھیک ہے۔"

"تو پھر چلو، انہیں لے جاؤ۔ مجھے بھی اب گھر جانا ہے۔ بچے پریشان
ہے ہوں گے۔"

"جی بہتر۔"

راستے میں ایک پبلک فون بوتھ سے انہوں نے شیخ صاحب کو فون کر کے
ازین واقعے کی اطلاع دی۔ پوری بات سن کر شیخ صاحب بولے:

"تب تو حالات حد سے زیادہ خطرناک ہیں۔ یہ لوگ تو معاملے کو راز
ھنے کے لیے اپنی جانیں دینے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"جی ہاں، یہی بات ہے۔"

"پھر اب تم کیا کرو گے؟"

"یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا کروں۔ خیر، میں گھر سے محمود، فاروق اور فرزانہ
کو لے کر اسی وقت اہم ترین تنصیبات کے معائنے کے لیے نکل جاتا ہوں۔
اس طرح کوئی بات معلوم ہو جائے۔"

"ہاں، یہ بہت مناسب رہے گا۔ اچھا، خدا تمہیں کامیاب کرے۔" یہ کہہ
کر شیخ صاحب نے ریسور رکھ دیا۔

انسپکٹر جمشید گھر پہنچے تو انہیں معلوم ہوا، تینوں خان رحمان کے گھر گئے تھے،

اب تک لوٹ کر نہیں آئے۔ انہوں نے خان رحمان کے نمبر گھمائے۔ خان رحمان
فون کی گھنٹی بجتی رہی، لیکن ادھر سے کسی نے بھی فون نہ اٹھایا۔ ان کی پیشانی پر
پڑ گئے۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ خان رحمان کے گھر کوئی بھی نہ ہو، لیکن پھر اسی وقت
نے ریسیور اٹھایا اور کہا:

"ہیلو۔"

"اوہو زرینہ، یہ تم ہو؟" انہوں نے ظہور کی بیوی کی آواز پہچان کر کہا۔

"جی ہاں، میں نے بھی آپ کی آواز پہچان لی ہے۔ فرمایئے کیا ہے؟"

"بچے یہاں آئے تھے؟"

"جی ہاں، آئے تو تھے، پھر خان صاحب کے ساتھ کہیں چلے گئے۔"

"اور ظہور، وہ کہاں ہے؟"

"وہ تو آج کل ڈرائیوری کرتے ہیں نا، لہٰذا وہ بھی ساتھ گئے ہیں۔"

"اور تمہیں یہ معلوم نہیں کہ کہاں گئے ہیں؟"

"جی نہیں۔" اس نے کہا۔

"اچھا، جونہی وہ واپس آئیں، ان سے کہنا، مجھے فون کریں۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

ان کی الجھن لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

☆☆

جوں ہی مرالے میاں باہر نکل کر اپنی کار میں بیٹھے، فاروق نے ظہور سے کہا:

"انکل ظہور، ہوشیار ہو جایئے۔"

"وہ تو میں پہلے ہی ہوں، فرمایئے کیا کرنا ہے۔" ظہور نے خوش دلی سے کہا۔ خوش کیوں نہ ہوتا، ان لوگوں کی وجہ سے آدھ گھنٹے کی سزا سے بچ گیا تھا۔

"تعاقب کرنا ہے۔" فاروق بولا۔

"وہ تو میں پہلے ہی جانتا ہوں۔" ظہور نے پھر کہا۔

"معلوم ہو گیا انکل، آپ ہر بات پہلے ہی جانتے ہیں۔ چلیے، وہ جا رہی ہے مرالے میاں کی کار۔ لیکن تعاقب اس انداز سے کرنا ہے کہ انہیں شک نہ ہو۔"

"آپ فکر نہ کریں، ان کے تو فرشتوں کو بھی شک نہیں ہو گا۔" یہ کہہ کر ظہور نے بھی کار آگے بڑھا دی، لیکن درمیانی فاصلہ اتنا رکھا کہ مرالے میاں کو شک نہ ہو سکے۔

فاروق نے گھر سے نکلنے کے فوراً بعد پہلا کام یہ کیا تھا کہ باہر کھڑی مرالے میاں کی کار کے نمبر نوٹ کر لیے تھے۔ ان نمبروں کے حاصل ہونے کے بعد اب وہ یہ تو معلوم کر ہی سکتے تھے کہ آیا کار اصلی مرالے میاں کی ہے یا نہیں۔

مرالے میاں پرسکون انداز میں کار چلا رہے تھے۔ وہ جلدی میں معلوم نہیں ہوتے تھے، لہٰذا ظہور کو بھی کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔ فاروق نے محسوس کیا، ظہور اچھا بھلا ماہر ڈرائیور بن گیا تھا اور یہ خان رحمان کی کوشش کا نتیجہ تھا۔

اچانک مرالے میاں کی کار ایک موڑ مڑ گئی۔ فاروق نے بوکھلا کر کہا:

"انکل جلدی کیجیے، کہیں وہ غائب نہ ہو جائے۔"

"اب مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ اچانک ایک طرف مڑ جائے گا، آرام سے سیدھا چلا رہا تھا۔" ظہور نے جھنجلا کر کہا۔

"تو آپ کو یہ بات پہلے ہی معلوم نہیں تھی۔"

"نہیں، مجھے بہت افسوس ہے۔" یہ کہتے ہوئے ظہور بھی اسی طرف

مڑ گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ بوکھلا اٹھے۔ مرالے میاں کی کار واقعی غائب ہو چکی تھی۔ اس سڑک پر ذیلی سڑکوں کا جال سا بچھا تھا۔ اب مرالے میاں خدا جانے کون سی سڑک پر مڑ گئے تھے۔

"ظہور میاں، یہ کیا ہوا؟" فاروق بولا۔

"وہی ہوا جو خدا کو منظور تھا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"اب ہم انکل خان رحمان کو کیا منہ دکھائیں گے۔" فاروق بولا۔

"یہی منہ دکھائیں گے، جو ہمارے جسموں پر فٹ ہیں۔ نئے منہ کہاں سے لائیں گے۔"

"اچھا چلتے رہیے، کیا خبر سفید کار نظر آ ہی جائے۔"

"سفید کاریں تو نہ جانے کتنی نظر آ جائیں گی، ہمیں تو مرالے میاں کی سفید کار نظر آنی چاہیے۔" یہ کہہ کر ظہور نے کار کی رفتار بڑھا دی۔ پہلے وہ سیدھا چلتا گیا، پھر واپس مڑا اور دائیں بائیں کی سڑکوں پر مڑنے لگا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" فاروق تلملا اٹھا۔

"سفید کار کو تلاش کر رہا ہوں۔"

"اب وہ آپ کو ملنے سے رہی۔ آپ یوں کریں کہ کار کسی پبلک فون بوتھ کے سامنے روک دیں۔ میں ذرا ایک فون کروں گا۔"

"جو حکم۔" اس نے کہا اور چلتا رہا، پھر ایک جگہ کار روک دی۔

"لیجیے، وہ رہا فون بوتھ۔"

فاروق نیچے اتر کر بوتھ میں داخل ہوا اور مرالے میاں کے نمبر گھمائے۔ دوسری طرف سے فوراً ان کے اکاؤنٹنٹ کی آواز سنائی دی:

"میں مرالے میاں کا اکاؤنٹنٹ بول رہا ہوں۔ فرمائیے، آپ کون

صاحب ہیں؟"

"مجھے فاروق کہتے ہیں۔ ابھی ابھی مرالے میاں میرے انکل سے سونے کی کان کا سودا کر کے گئے ہیں، کیا وہ واپس آ چکے ہیں۔"

"جی ابھی نہیں۔ وہ کافی دیر پہلے گھر سے گئے تھے۔" اس نے بتایا۔

"ان کی سفید کار کا نمبر کیا ہے؟" فاروق بولا۔

"کیوں، آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"ایک بہت ضروری معاملہ ہے۔"

"نوٹ کر لیجیے، ان کی سفید کار کا نمبر ایچ کے ۳۶۹۲ ہے۔"

"بہت شکریہ۔" یہ کہہ کر فاروق نے ریسیور رکھ دیا۔ مرالے میاں بالکل اسی نمبر کی کار میں بیٹھ کر خان رحمان کے ہاں آئے تھے اور انہوں نے اسی کار کا تعاقب کیا تھا۔

"اب دیکھتا ہوں، مرالے میاں کیسے کان کی خریداری سے انکار کرتے ہیں۔" فاروق بڑبڑاتے ہوئے فون بوتھ سے باہر نکلا اور کار میں بیٹھتے ہوئے بولا:

"انکل، اب ہم مرالے میاں کے گھر چل رہے ہیں۔"

"میں نہیں جانتا، یہ صاحب کہاں رہتے ہیں۔ راستہ بتائیے۔"

"ہاں، ضرور کیوں نہیں۔" فاروق نے کہا اور اسے راستہ بتایا۔ کار ایک بار پھر چل پڑی۔

جس وقت ان کی کار مرالے میاں کے دروازے پر پہنچی، عین اسی وقت محمود، فرزانہ اور خان رحمان بھی وہاں پہنچے، وہ ایک دوسرے کو ایک ساتھ وہاں پہنچتے دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور مسکرائے بھی۔

"تو کیا تم مرالے میاں کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہو؟" محمود

نے پوچھا۔

"نہیں، وہ ہمیں چکر دے گئے۔ اچانک ایک سڑک پر مڑ گئے۔ سڑک بھی ایسی، جس کے دونوں طرف بہت سی ذیلی سڑکیں نکل رہی تھیں، لہٰذا ہم چکرا کر رہ گئے، تاہم میں نے مرالے میاں کی کار کا نمبر نوٹ کر لیا تھا۔ اب میں یہی دیکھنے آیا تھا کہ مرالے میاں کیا جواب دیتے ہیں۔"

"تم نے بہت اچھا کیا کہ ادھر آ گئے۔" محمود بولا۔

"اور آپ لوگ اب یہاں کس سلسلے میں آئے ہیں؟" فاروق نے پوچھا۔

"ہم نے بنک جا کر تصدیق کی ہے۔ چیک انکل کے اکاؤنٹ میں جمع ہو گیا ہے۔ بنک منیجر کا کہنا ہے کہ مرالے میاں نے کچھ عرصہ پہلے ان کی شاخ میں بہت بڑی رقم سے اکاؤنٹ کھولا تھا، پھر کئی لوگوں کو انہوں نے بڑے بڑے چیک دیے تھے اور آخری چیک انہوں نے انکل کو دیا ہے۔"

"گویا آخری کان انہوں نے انکل کی خریدی ہے اور اب وہ کوئی اور کان نہیں خریدیں گے۔" فاروق بولا۔

"ہاں، لیکن الجھن یہ ہے کہ مرالے میاں تو کانوں کی خرید و فروخت سے بالکل انکاری ہیں۔"

"آؤ، دیکھتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں؟"

وہ دروازے پر پہنچے۔ گھنٹی کا بٹن دبایا گیا۔ جلد ہی اسی ملازم کی صورت نظر آئی، جس نے دروازہ کھولا تھا۔

"ارے، آپ لوگ، پھر تشریف لے آئے۔"

"ہاں، ہمیں مرالے میاں سے پھر ملنا ہے۔" خان رحمان بولے۔

"لیکن وہ تو اس وقت گھر میں نہیں ہیں۔"

"اوہو اچھا، تو پھر ہم ان کا اسی جگہ انتظار کریں گے۔" محمود بولا۔

"کیوں، آپ اندر چل کر کیوں انتظار نہیں کرتے۔" ملازم نے حیران ہو کر کہا۔

"شکریہ، ہمارا یہیں ٹھہر کر انتظار....."

"لیجیے، وہ آ ہی گئے۔" ملازم بول اٹھا۔

وہ ایک ساتھ مڑے۔ انہوں نے دیکھا، مرالے میاں کی سفید کار چلی آ رہی تھی اور اس کے نمبر اپچ کے ۹۶۹۴ ہی تھے۔ یہ دیکھ کر فاروق کے جسم میں جوش کی لہر دوڑ گئی۔ ادھر مرالے میاں نے انہیں دیکھ کر حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"آپ لوگ پھر یہاں نظر آ رہے ہیں۔ خیر تو ہے۔"

"آپ سے چند باتیں کرنا ہیں۔"

"آپ مجھے کیوں پریشان کر رہے ہیں۔" مرالے میاں نے منہ بنا کر کہا۔

"پریشان تو آپ ہمیں کر رہے ہیں جناب، ابھی ابھی آپ میرے پاس آئے تھے اور آپ نے کان خرید لی تھی۔ قیمت چیک کی صورت میں دی تھی۔ چیک قومی بنک کا تھا جو کیش بھی ہو گیا ہے۔ اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"یہی کہ میں آپ کے پاس ہرگز نہیں گیا۔ نہ میں نے کان خریدی۔ نہ میرا اکاؤنٹ قومی بنک میں ہے، نہ کبھی رہا ہے۔" انہوں نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اور آپ ہمارے انکل کے گھر سفید کار میں بیٹھ کر آئے تھے۔ کار کے نمبر میں نے نوٹ کر لیے تھے۔ نمبر اپچ کے ۹۶۹۴ تھے۔ پھر میں نے آپ کی کار کا تعاقب بھی کیا، لیکن ایک موڑ پر آپ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔" فاروق اس طرح بولا جیسے

کوئی نیند میں بات کرتا ہے۔

"ہر گز نہیں، میں تو بازار گیا تھا۔ کچھ چیزیں خریدنا تھیں۔ وہ دیکھیے، چیزیں کار میں رکھی ہیں۔" مرالے میاں بولے۔

"یوں بات نہیں بنے گی۔ کیوں نہ ہم بیٹھ کر بات کر لیں۔" خان رحمان نے تنگ آ کر کہا۔

"اچھا آیئے۔" مرالے میاں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔

"دیکھیے جناب، میں عرض کرتا ہوں، قومی بنک ماڈل روڈ کی شاخ میں کچھ عرصہ پہلے آپ نے یا آپ کے نام کے کسی شخص نے بہت بڑی یعنی کروڑوں روپے کی رقم سے اکاؤنٹ کھلوایا تھا، پھر انہوں نے سونے کی کانیں خریدنا شروع کیں اور بذریعہ چیک ادائیگی کرتے رہے۔ آخر میں ایک کان بچ گئی۔ وہ کان ہمارے انکل خان رحمان کی تھی۔ آپ یا وہ شخص انکل کے پاس گئے اور کان فروخت کرنے کی پیش کش کی۔ انکل نے انکار کر دیا، تو انہوں نے کہا، کہ کان تو آپ کو فروخت کرنا ہی پڑے گی۔ اگر آپ کا پروگرام بن جائے تو انہیں فون کر دیجیے گا یہ کہہ کر انہوں نے اپنا کارڈ بھی دیا۔ اس کارڈ کو آپ دیکھ چکے ہیں۔ وہ آپ کی بیٹی کی سہیلی کے بھائی کے ذریعے حاصل کیا گیا تھا۔ آپ نے خود تسلیم کیا کہ کارڈ آپ ہی کا ہے۔ ہم آپ سے ملاقات کر کے گئے تو آپ نے یا اس شخص نے خود ہی فون کیا۔ ادھر ہم نے اس چکر کا پتا چلانے کے لیے اپنے انکل کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ کان فروخت کر دیں، چنانچہ ان کا فون ملنے پر انہوں نے کہہ دیا کہ وہ کان فروخت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ یا وہ صاحب آئے۔ کاغذات تیار کرا کے لائے تھے۔ انکل نے کان کے ایک کروڑ روپے مانگے، انہوں نے فوراً منظور کر لیے اور چیک لکھ کر دے دیا۔ چیک کا کوئی

بھروسا نہیں تھا۔ اس لیے ہم نے بنک منیجر کو فون کیا تو انہوں نے بتایا کہ چیک کیش ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ یا وہ شخص رخصت ہوئے۔ میرے بھائی فاروق نے ان کی سفید کار کا نمبر ۹۶۹۴ ایچ کے تھا، کا تعاقب کیا، لیکن کار ان کی نظروں سے بچ کر نکل گئی۔ ہم بنک گئے، چیک کیش ہو گیا، اب یہاں آئے ہیں اور آپ پھر یہی کہہ رہے ہیں کہ وہ آپ نہیں تھے۔ آخر یہ کس طرح ممکن ہے۔" محمود یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"یہ بالکل اسی طرح ممکن ہے، جس طرح آپ نے بیان کیا ہے، میری بجائے کسی اور شخص نے میرے روپ میں یہ سب کچھ کیا ہے اور کسی بھی سفید کار پر ایچ کے ۹۶۹۴ کی نمبر پلیٹ لگا لینا کیا مشکل ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ اس شخص نے میرے بارے میں بہت سی معلومات جمع کر لی ہوں گی۔ تبھی وہ یہ سب کچھ کرنے کے قابل ہو سکا۔" مرالے میاں نے جواب دیا۔

"اب سوال یہ ہے کہ ایسا کرنے سے اس کا مطلب کیا ہے، وہ شخص چاہتا کیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔ یہ بات تو وہی شخص بتا سکتا ہے۔" مرالے میاں نے کہا۔

"گویا آپ کا اس معاملے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ یہی کہنا چاہتے ہیں۔" محمود بولا۔

"جی بالکل، اگر میرا اس معاملے سے کوئی تعلق ہوتا تو بھلا میں انکار کیوں کرتا۔ سونے کی کانیں خریدنا کوئی جرم تو ہے نہیں۔" مرالے میاں نے معقول جواب دیا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ بے شک کوئی جرم نہیں ہے، لیکن سوال یہ ہے

کہ کسی کو مرالے میاں کے نام سے یہ سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اس شخص کے پاس پیسے تھے تو وہ اپنے نام سے بھی کانیں خرید سکتا تھا۔ اسے کون روکتا۔"

"میں پھر بھی کہوں گا کہ اس بات کا جواب وہی شخص دے سکتا ہے۔"

مرالے میاں مسکرائے۔

"ہاں، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اچھا جناب، ہم نے آپ کو بہت زحمت دی۔ چلیے انکل چلیں۔" محمود نے کہا اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

باہر نکل کر انہوں نے سب سے پہلے اپنے گھر فون کیا۔ ادھر سے انسپکٹر جمشید کی پریشان کن آواز سنائی دی۔

"تم لوگ کہاں آوارہ گردی کرتے پھر رہے ہو۔ میں یہاں بہت پریشان ہوں۔"

"ہم پہنچ رہے ہیں ابا جان، فکر نہ کریں۔"

گھر پہنچے تو وہ واقعی فکر مند نظر آ رہے تھے۔

"آپ تو سچ مچ فکر مند نظر آ رہے ہیں۔ اگر آپ ہماری وجہ سے پریشان ہوتے تو ہمیں دیکھنے کے بعد پریشانی کافور ہو جاتی، لہٰذا کوئی اور بات ہے۔"

"ہاں، سنو۔ میں بتاتا ہوں، کیا بات ہے، لیکن نہیں۔ پہلے تم بتاؤ۔ اپنے انکل کو کہاں لے گئے تھے پریشان کرنے۔"

"بھئی جمشید، حقیقت یہ ہے کہ یہ مجھے نہیں، میں انہیں پریشان کرتا رہا ہوں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں انکل۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"خیر، تو میں ہی سناتا ہوں پہلے۔" یہ کہہ کر انہوں نے میٹنگ کا سارا حال کہہ سنایا۔

وہ سوچ میں ڈوب گئے۔ آخر فرزانہ نے کہا:

"ہم تو سمجھ رہے تھے کہ ایک پریشان کن معاملے میں الجھ گئے ہیں، لیکن آپ کا معاملہ تو حد درجے سنگین ہے، پھر آپ نے کیا سوچا ہے؟"

"میں اہم ترین تنصیبات کا جائزہ لینے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ تم لوگ بھی میرے ساتھ چلو گے۔"

"بہت بہتر، ہم تیار ہیں۔ انکل والے معاملے کو بعد میں دیکھ لیں گے، کیوں انکل؟"

"بالکل، جو ہونا تھا، وہ تو ہو ہی چکا ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

"آخر معاملہ کیا ہے، مجھے بھی بتا ہی دو، ورنہ میں الجھن کا شکار رہوں گا۔"

اور انہیں بھی پوری تفصیل سنانا پڑی۔ انسپکٹر جمشید پوری توجہ سے سنتے رہے، ان کی پیشانی پر بل پڑتے چلے جا رہے تھے۔ آخر ان کے خاموش ہونے پر بولے:

"یہ معاملہ بھی حد درجے دلچسپ ہے۔ اس میں حیرت انگیز ترین بات یہ ہے کہ سونے کی کانوں سے سونے کے ذرات کی بجائے راکھ کیوں نکلنے لگی۔ دوسرے کانیں خریدنے کے خواہش مند کو مرالے میاں کے روپ میں یہ سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت تھی یا اگر یہ سب کچھ خود مرالے میاں نے کیا ہے تو انہیں انکار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمیں فوری طور پر تو مرالے میاں کی نگرانی شروع کرا دینی چاہیے...... ارے۔"

اچانک ان کے منہ سے نکلا۔ ان کی آنکھوں میں حیرت کے دیے جل اٹھے۔

☆☆☆

دو معاملے

"خیر تو ہے، کیا آپ کو کوئی خاص بات سوجھ گئی ہے؟" محمود بے
بولا۔
"ہاں، کچھ ایسی ہی بات ہے۔ خان رحمان، تمہارا کان کا منیجر کیا
ہے؟" انہوں نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔
"کیوں، کیا بات ہے؟"
"وہ بک تو نہیں سکتا؟" وہ بولے۔
"میں سمجھا نہیں، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" خان رحمان کے لہجے میں
حیرت آئی۔
"فرض کیا، کسی نے اسے کسی بڑی رقم کا لالچ دے کر اس بات پر
کرلیا کہ جب تم فون کر کے کان کے بارے میں اس سے پوچھو تو وہ یہ کہہ دے کہ
سے سونے کے ذرات کی بجائے راکھ نکلنے لگی ہے۔"
"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ ابھی تک انہوں نے اس پہلو
غور نہیں کیا تھا، یہ بات واقعی ہو سکتی تھی۔
"اس طرح تو پھر اس شخص نے دوسری کانوں کے منیجروں کو بھی

" خان رحمان بولے۔
"میرا خیال تو یہی ہے، ورنہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ سونے کی بجائے راکھ
گے، جب کہ کافی عرصے سے سونا نکل رہا ہے اور نکلنے کا سلسلہ ایک بار بھی بند
ہوا۔"
"خیر چھوڑو، ہو سکتا ہے کسی شخص نے اس طرح دھوکا دے کر کانیں خریدی
اس معاملے کو بعد میں دیکھ لیں گے۔ پہلے تو تم اصل معاملے کو دیکھو، جو قومی اور
مسئلہ ہے۔" خان رحمان بولے۔
"نہیں، مجھے پہلے اس معاملے کو دیکھنا ہوگا، جو بات میرے ذہن میں آئی
تم شاید اس بات کو سوچ بھی نہیں سکتے۔ خان رحمان، ہمیں اسی وقت سونے کی
تک جانا ہوگا۔ معلوم کرو اس وقت کوئی جہاز وہاں جاتا ہے یا نہیں۔"
"ہائیں، اتنی جلدی۔" خان رحمان حیران رہ گئے۔
"اس سے بھی جلدی، اگر اس وقت کوئی جہاز نہیں جاتا تو میں آئی جی
سے بات کرتا ہوں۔ وہ ہمارے لیے کسی ہیلی کاپٹر کا بندوبست کر دیں گے۔"
"اوہ، آپ تو اس معاملے کو اپنے والے معاملے سے بھی زیادہ سنگین
رہے ہیں۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔
خان رحمان نے فوراً فضائی کمپنی کو فون کیا۔ معلوم ہوا، ابھی ابھی ایک جہاز
اب صبح سے پہلے اس طرف کوئی جہاز نہیں جائے گا۔ اب انسپکٹر جمشید نے شیخ
کو فون کیا۔ مختصر لفظوں میں ساری بات بتائی اور پھر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔
"بھئی یہ کیا، تم ایک اہم معاملے کو چھوڑ کر ایک غیر اہم معاملے کی طرف
متوجہ ہو گئے۔" شیخ صاحب نے حیران ہو کر کہا۔
"مجھے یہ معاملہ قطعاً غیر اہم نہیں لگ رہا۔ حد درجے پُراسرار انداز سے

کانیں حاصل کی گئی ہیں۔"

"تو اس معاملے کو بعد میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر کسی نے دھوکے
کانیں حاصل کی ہیں تو اسے گرفتار کر لیا جائے گا اور کانیں کانوں کے مالکان کو
ل جائیں گی۔"

"جی نہیں، میں پہلے اس معاملے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" انسپکٹر
حد درجے سنجیدہ لہجے میں بولے۔

"جیسے تمہاری مرضی۔ اگر تم اسے زیادہ ضروری خیال کرتے ہو تو
کاپٹر کا بندوبست کیے دیتا ہوں۔" انہوں نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے غلط نہ سمجھیں اور یہ خیال نہ کریں کہ میں اپنے دوست
کے بارے میں ایک ملکی اور قومی معاملے کی نسبت زیادہ فکر مند ہو گیا ہوں۔
دوست کو کان کی ذرا بھی پروا نہیں ہے اور نہ مجھے، لیکن نہ جانے کیوں۔ یہ معا
زیادہ توجہ طلب نظر آ رہا ہے۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ میری چھٹی حس مجھ
ہے۔"

"اچھا جمشید، تم ایئر پورٹ پہنچو، ہیلی کاپٹر تیار ملے گا۔" انہوں نے

تھوڑی دیر بعد وہ ہیلی کاپٹر میں اڑے جا رہے تھے۔ خان رحمان
کے ساتھ تھے۔ ہوائی اڈے پر انہیں ایک سرکاری کار تیار ملی۔ شاید شیخ صا
ادھر بھی فون کر دیا تھا۔

"کانوں کی طرف جانا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی بہتر۔"

ایک گھنٹے کے سفر کے بعد وہ کانوں کے علاقے میں داخل ہوئے
بار پہلے بھی یہاں آ چکے تھے۔ اس وقت بھی معاملہ خان رحمان کی کان کا در

پہاڑیوں میں کئی خون ہو گئے تھے۔ اس کیس کی ایک ایک بات انہیں یاد آتی چلی
آخر خان رحمان کے اشارے پر ڈرائیور نے کار روک لی۔ وہ کار سے اتر کر ایک
سی عمارت کی طرف بڑھے۔

جوں ہی وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے، اندر بیٹھا آدمی خان رحمان کو
ر اچھل پڑا۔

☆☆

"ہیلو جلیل خان، کہو، مزاج کیسے ہیں۔" خان رحمان نے خوش گوار لہجے
کہا۔

"آپ کیسے تشریف لائے جناب؟"

"آج ہی میں نے تمہیں فون کیا تھا اور کان کے بارے میں پوچھا تھا۔ کیا
ت درست تھی؟" خان رحمان بولے۔

"جی ہاں جناب، وہ بات بالکل درست تھی۔" اس نے کہا۔

"تو پھر ہم کان کا اندر سے جائزہ لینا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مجھے افسوس ہے جناب، میں آپ کو کان دیکھنے کی اجازت نہیں دے
" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟" خان رحمان نے غصے کے عالم میں کہا۔

"اس لیے کہ آپ یہ کان فروخت کر چکے ہیں۔ نئے مالک کا فون مجھے
ل ہو چکا ہے اور انہوں نے ہدایت کی ہے کہ کان دیکھنے کی اجازت کسی شخص کو نہ
ئے، ورنہ وہ مجھے ملازمت میں نہیں رکھیں گے۔ اگر میں نے ان کے احکامات
ل کی تو میں بدستور ملازم رہوں گا اور وہ نئے منیجر کی ضرورت محسوس نہیں کریں

"اوہ" ان کے منہ سے نکلا۔

خان رحمان نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے جواب طلب نظروں سے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے چہرے پر ایک دل کش مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اچانک وہ بولے۔

"آؤ خان رحمان، چلیں۔ یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس کان پر تمہارا کیا حق رہا۔"

"کیا مطلب، چلیں؟" خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"ہاں، تو اور کیا۔ جلیل صاحب ہمیں کان دکھانے پر تیار نہیں، اس صورت میں ہم یہاں ٹھہر کر کیا کریں گے۔" انہوں نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

باہر نکل آنے کے بعد بھی کئی سیکنڈ تک خاموشی رہی۔ آخر خان رحمان بولے۔

"کیا ہم صرف یہی چند باتیں کرنے یہاں آئے تھے؟"

"نہیں، ہم ابھی کچھ اور بھی کریں گے، لیکن قاعدے اور قانون کے مطابق۔ تم فکر نہ کرو۔"

وہ کار میں بیٹھ کر پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچے۔ ایس پی جاوید احمد خان نے ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ انسپکٹر جمشید نے مختصر الفاظ میں انہیں کانوں کے چکر کے متعلق بتایا، پھر بولے:

"اب ہم ان کانوں کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں، تاکہ یہ معلوم ہو سکے، کانوں سے واقعی سونے کی بجائے راکھ نکل رہی ہے یا یہ ہوائی اڑائی گئی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، تلاشی کے باقاعدہ وارنٹ جاری کیے جائیں۔" ایس پی صاحب بولے۔

"جی ہاں، اس کے بغیر کام نہیں چلے گا۔"

"اچھی بات ہے، میں ابھی یہ کام کیے دیتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ پولیس کی بھاری تعداد کے ساتھ ایک بار پھر ان کانوں کا رخ کر رہے تھے۔ جلد ہی وہ پھر جلیل خان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ اس نے انہیں دیکھ کر حیرت زدہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ پھر بولا۔

"آپ پھر آ گئے۔" لہجہ ناخوش گوار تھا۔

"ہاں، اور اس مرتبہ پولیس کو ساتھ لائے ہیں۔" خان رحمان تیز لہجے میں بولے۔

"پولیس، کیا مطلب؟"

"پولیس کا مطلب پولیس کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوتا جلیل خان صاحب۔" فاروق بول پڑا۔

"ہمارے ساتھ نہ صرف پولیس آئی ہے، بلکہ ایس پی جاوید احمد خان بھی تشریف لائے ہیں جو باہر جیپ میں تشریف فرما ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ ہی آ رہے تھے، ہم نے انہیں اس خیال سے وہیں روک دیا، کہیں تم بے ہوش نہ ہو جاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیوں، بھلا میں کیوں بے ہوش ہونے لگا، انہیں دیکھ کر۔"

"ہم کانوں کی تلاشی کا وارنٹ لے کر آئے ہیں۔ اب بھی تم کان دکھاؤ گے یا نہیں۔" خان رحمان بولے۔

"وارنٹ دکھایئے۔" اس نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"یہ رہا وارنٹ۔"

جلیل خان نے وارنٹ بغور پڑھا اور پھر تھکی تھکی آواز میں بولا:

"چلیے، میں کان دکھائے دیتا ہوں۔ اب میں کان کے نئے مالک سے بہ
کہہ سکوں گا کہ آپ لوگ وارنٹ لے کر آئے تھے۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا اور ان
کے ساتھ باہر نکلا۔ باہر جیپ میں واقعی جاوید احمد خان موجود تھے، انہوں نے جلیل
خان کو تیز نظروں سے گھورا اور پھر خود بھی ان کے ساتھ چل پڑے۔ ابھی یہ آدھ
نزدیک نہیں پہنچا تھا کہ کان پھاڑ دینے والا ایک دھماکا ہوا اور پھر بے شمار پتھر لڑھک
ان کی طرف آتے نظر آئے، پھر اوپر تلے کئی دھماکے اور ہوئے۔
"بھاگو۔" انسپکٹر جمشید چلا اٹھے۔ لڑھک کر آنے والے پتھر بہت بڑے
بڑے تھے اور وہ کافی اونچائی سے اور بہت تیز رفتاری سے آ رہے تھے۔
انہوں نے اپنا رخ موڑا اور بے تحاشا بھاگ کھڑے ہوئے۔ اگر
سرپٹ نہ دوڑتے تو ضرور پتھروں کی زد میں آ جاتے۔
"یہ۔ یہ کیا ہوا جمشید؟" خان رحمان نے دوڑتے دوڑتے پوچھا۔
"دھماکا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"لیکن کیوں، دھماکے کا یہاں کیا کام۔ ان کانوں کے اندر تو کھدائی
جاتی ہے۔ ڈائنامیٹ کے ذریعے کانوں کو اڑایا نہیں جاتا۔"
"اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اب شاید
کانوں کا معائنہ نہ کر سکیں۔"
"کیوں، دھماکا تو کسی ایک کان میں ہوا ہوگا۔" خان رحمان بولے۔
"بہت جلدی معلوم ہو جائے گا کہ ہم کانوں کا معائنہ کر سکتے ہیں یا نہیں۔"
آخر وہ رک گئے، کیونکہ اتنی دور پہنچ گئے تھے کہ پتھر ان تک نہیں پہنچ
تھے۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا، پتھر ابھی تک لڑھک رہے تھے۔
"اُف میرے خدا، شاید سب کانوں کو اڑا دیا گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید

کانپتی آواز میں بولے۔
"یہ۔ یہ کیا ہو رہا ہے ابا جان؟"
"میں خود حیران ہوں۔ مسٹر جلیل، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ سب کیا
ہے؟" انہوں نے کہا۔
جلیل خان نے کوئی جواب نہ دیا۔ انسپکٹر جمشید نے مڑ کر دیکھا۔ محمود،
فاروق اور فرزانہ بھی بھی ادھر ادھر دیکھا۔ فوراً ہی ان کے علم میں یہ بات آ گئی کہ جلیل
خان ان کے ساتھ نہیں تھا۔
وہ غائب ہو چکا تھا۔

☆☆☆

غار میں وار

''ارے، مسٹر جلیل، تم کہاں ہو؟'' خان رحمان پوری قوت سے چلائے۔
جواب میں ان کی اپنی آواز ہی سنائی دی۔ پہاڑیوں نے ان کی آواز کو لوٹا یا تھا۔
''شاید وہ دھماکا ہونے کے بعد ادھر ادھر کھسک گئے ہیں۔ کھسکنے کا انہیں سنہری موقع ملا تھا۔'' انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔
''لیکن انہیں کھسکنے کی کیا ضرورت تھی؟'' جاوید احمد خان نے حیران ہو کر کہا۔
''کوئی تو وجہ ہوگی۔ اب ہم ان کانوں کا معائنہ کس طرح کریں گے؟''
''یہ تو ایسا لگتا ہے، جیسے ننھے منے پتھروں کے پہاڑ یہاں نمودار ہو گئے ہیں۔'' فرزانہ بڑبڑائی۔
''یہ دھماکا صرف اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ ہم کانوں کا معائنہ نہ کر سکیں۔'' انسپکٹر جمشید سوچ میں گم لہجے میں بولے۔
''بھلا کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' جاوید احمد خان نے کہا۔
''اس کو، جس نے کانیں خریدی ہیں اور یہ کہہ کر کہ اب کانوں سے سونے کے ذرات کی بجائے صرف راکھ نکل رہی ہے یہ کام بھی اسی کا ہے۔ اس نے منیجروں

کے منہ سے جھوٹ کہلوایا تھا۔ منیجروں کو اس نے پہلے ہی خرید لیا تھا اور اس کے لیے اس نے بڑی بڑی رقمیں دی ہوں گی۔ منیجر لالچ میں آ گئے ہوں گے اور جب کانوں کے مالکوں نے اپنے اپنے منیجر کو فون کر کے کانوں کے بارے میں پوچھا تو انہیں یہی بتایا گیا کہ کانوں سے اب سونے کی بجائے راکھ نکل رہی ہے۔ یہ خبر سننے کے بعد ہی انہوں نے مرالے میاں۔ یا جو کوئی بھی وہ تھا، کے ہاتھ کانیں فروخت کر دی ہوں گی۔ لے دے کے ایک خان رحمان رہ گئے تھے۔ جب یہ نہ مانے تو وہ اپنا کارڈ ان کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ تا کہ یہ خود ہی فون کریں اور کان فروخت کر دیں۔''
''ابا جان، کیا انہوں نے کانوں کو ڈائنا میٹ سے اڑانے کے لیے خریدا تھا؟'' محمود نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔
''ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ ہم اس کے سوا سمجھ ہی کیا سکتے ہیں۔''
''اب آپ لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟'' ایس پی جاوید احمد خان بولے۔
''کیا یہ وقت کانوں میں کام کا نہیں ہے؟'' فاروق نے چونک کر پوچھا۔
''نہیں، ایک گھنٹہ پہلے کام ختم ہو چکا ہے۔'' خان رحمان نے بتایا۔
''تب تو ان دھماکوں سے کوئی شخص ہلاک نہیں ہوا ہوگا۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔
''نہیں، امکان تو نہیں ہے۔'' خان رحمان نے کہا۔
''گویا اب ہم ان کانوں کے اندرونی حصے کا جائزہ نہیں لے سکیں گے۔''
''اب معائنہ کرنے کا فائدہ بھی کیا ہوگا۔'' جاوید احمد خان بولے۔
''ٹھیک ہے جناب، اب ہم واپس جائیں گے۔'' انسپکٹر جمشید اچانک بولے۔
''وہ کیوں، کیا آپ ایک دن بھی نہیں ٹھہریں گے۔''

"اب ٹھہر کر کیا کریں گے۔" وہ بولے۔

جاوید احمد خان انہیں روکتے ہی رہ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے ان کی ایک نہ سنی اور آدھ گھنٹے بعد ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر واپس جا رہے تھے۔

"ابا جان، یہ کیا ہوا؟" فرزانہ نے بجھے دل سے کہا۔

"تمہاری نظر خراب تو نہیں۔ جو کچھ ہوا ہے، تمہارے سامنے ہی ہوا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہم تو یہاں کانوں کا معائنہ کرنے آئے تھے۔"

"کانیں خریدنے والا نہیں چاہتا تھا کہ ہم کانیں اندر سے دیکھیں، لہٰذا اس نے ڈائنامیٹ سے کانوں کو اڑا دیا۔"

"اس سے اسے کیا فائدہ ہوا۔ اس نے کروڑوں روپے خرچ کر کے کانیں خریدی تھیں۔" محمود نے کہا۔

"ہر شخص اپنے نفع اور نقصان کے بارے میں زیادہ جانتا ہے۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ اس نے نفع کا سودا کیا ہے یا نقصان کا۔"

"ہوں، اگر ہم یہاں ایک رات ٹھہر جاتے تو کیا یہ بہتر نہیں تھا۔" فرزانہ نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"کانیں خریدنے والا پوری طرح ہوشیار ہے۔ ہماری ایک ایک کارروائی پر اس کی نظریں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جوں ہی ہم کانوں کی طرف بڑھے، اس نے انہیں اڑا دیا۔ ڈائنامیٹ وہاں پہلے سے فٹ کیے جا چکے تھے۔"

"گویا اس بار ہم پوری طرح ناکام رہے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"ناکامیاں ہی کامیابیوں کا زینہ بنتی ہیں۔" انسپکٹر جمشید ذرا بھی پریشان نظر نہیں آ رہے تھے۔

"گویا ہم کبھی یہ نہیں جان سکیں گے کہ کانیں کس نے خریدی تھیں۔ اس کا اس پُر اسرار انداز میں کانیں خریدنے کا مقصد کیا تھا؟"

"یہ کون کہتا ہے کہ ہم کبھی یہ بات نہیں جان سکیں گے۔ یہ بات تو میں پہلے ہی جانتا ہوں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"آپ نے کیا فرمایا؟" محمود نے حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھا۔ فاروق، فرزانہ اور خان رحمان بھی انہیں چونکے ہوئے انداز میں دیکھنے لگے۔

"میں نے یہی کہا ہے کہ یہ بات تو میں پہلے ہی جانتا ہوں کہ اس شخص نے کانیں کیوں خریدی ہیں۔"

"نہیں۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

پھر ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کی طرف مڑ گئے۔

"مسٹر پائلٹ، ہم کانوں کے علاقے سے کتنی دور آ گئے ہوں گے؟"

"جی تقریباً چالیس کلو میٹر۔"

"کیا آپ یہاں کہیں ہیلی کاپٹر اتار سکتے ہیں؟"

"جی کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"میں چاہتا ہوں، آپ ہمیں یہاں اتار دیں۔"

"جی بہتر۔ ہم اس وقت کسی میدان کے اوپر سے گزر رہے ہیں، کیونکہ نیچے آبادی کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو میں آپ کو یہیں اتارے دیتا ہوں۔"

"لیکن میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کسی آبادی کے قریب اتریں، تا کہ وہاں سے ہمیں کوئی گاڑی بھی مل جائے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔" پائلٹ بولا۔

پائلٹ نے انہیں تھوڑی دیر بعد ایک آبادی کے قریب اتار دیا۔ انہوں نے پائلٹ کو تو رخصت کیا اور خود آبادی کی طرف چل پڑے۔ رات کے اس وقت گیارہ بج رہے تھے جب انہیں ایک ویگن ملی۔ اس نے کانوں والے علاقے تک لے جانے کے دو سو روپے طلب کیے اور وہ ویگن پر لد کر دوبارہ وہیں پہنچے، جہاں سے اڑے تھے۔

"بات کچھ پلے نہیں پڑی۔ آخر اس گھماؤ پھراؤ کی کیا ضرورت تھی؟" خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ اس شخص کی ہماری ایک ایک حرکت پر نظر ہے۔ یہ چکر میں نے اس کی نظروں سے بچنے کے لیے چلایا ہے۔ اب ہم دبے پاؤں ان کانوں تک جائیں گے اور ان کا جائزہ لیں گے۔"

"ویری گڈ، یہ ہوئی نا بات۔" محمود خوش ہو کر بولا۔

"لیکن اب ہم ان کا معائنہ کس طرح کریں گے۔ وہاں تو اب سب کچھ ملیامیٹ ہو چکا ہے۔" فرزانہ نے سوال اٹھایا۔

"فکر نہ کرو، اگر وہ شخص میرے خیال کے مطابق عمل پیرا ہے، تو ہم کانوں کا جائزہ لے سکیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آپ کے خیال کے مطابق عمل پیرا۔ یہ کیا بات ہوئی۔" فاروق نے آنکھیں گھمائیں۔

"میرا مطلب ہے، جو کچھ اس کے بارے میں میں نے اندازے لگائے ہیں، اگر وہ درست ہیں تو ہم کانوں کے اندرونی حصے اب بھی دیکھ سکیں گے۔"

"مجھے تو اس شخص سے آپ زیادہ پُراسرار نظر آ رہے ہیں۔" فرزانہ بول

پڑی۔

"اچھا بس، اب باتیں بند۔ یہاں ذرا سی سرگوشی بھی کئی گنا بڑی ہو کر دور دور تک پھیل جاتی ہے۔ خان رحمان، اب تم ہمیں اپنی کان تک لے چلو گے۔" انہوں نے دبی آواز میں کہا۔

"وہاں کان ہوتی، تب نا۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں ہاں، اسی صورت میں۔"

اس کے بعد انہوں نے راستہ خاموشی سے طے کرنا شروع کیا۔ اب خان رحمان سب سے آگے چل رہے تھے۔ چاندی کی روشنی ان کی مدد کر رہی تھی۔ اونچی نیچی چٹانوں میں وہ اس طرح چل رہے تھے، جیسے سائے ہوں، یا پھر روحیں ہوں۔ ایسے میں اگر کوئی انہیں دور سے دیکھ لیتا تو ضرور روحیں خیال کرتا۔ انہیں تقریباً بیس منٹ تک چلنا پڑا۔ پھر وہ پتھر شروع ہو گئے جو ڈائنامیٹ نے بنائے تھے۔ ان پتھروں سے گزرنا اور بھی مشکل ثابت ہوا۔ ہر آن انہیں یہیں دھڑکا لگا رہا کہ اب کوئی گرا اور اب کوئی گرا، لیکن خیریت گزری اور وہ ایک کان تک پہنچ گئے۔ اس کے چاروں طرف اور کافی اونچائی تک پتھر ہی پتھر تھے۔ وہاں بالکل نظر نہیں آ رہا تھا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، یہی میری سابقہ کان ہے۔" خان رحمان نے دبی آواز میں خوش دلی سے کہا۔

"اچھی بات ہے، تمہاری نہ ہوگی تو کسی اور کی ہوگی۔ ہمیں اب اس کا دہانہ تلاش کرنا ہے اور وہ ان پتھروں میں ہی کہیں چھپا ہوگا۔"

"بھلا ہم وہاں کس طرح تلاش کر سکیں گے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"میری جیب میں ایک پنسل ٹارچ ہے۔ میں اس کی مدد سے کوشش کرتا ہوں۔ تم لوگ ادھر ادھر نظر رکھو۔ خطرہ ہے کہ کہیں ہم پر کسی سمت سے حملہ نہ

ہو جائے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا اور وہ چاروں طرف دیکھنے لگے۔ احتیاط کے طور پر انہوں نے دو دو پتھر ہاتھوں میں لے لیے۔ اس وقت یہ ان کے لیے بہترین ہتھیار تھے۔

انسپکٹر جمشید اس وقت تک پنسل ٹارچ نکال چکے تھے اور اس کی روشنی بڑی احتیاط سے پتھروں میں ڈال رہے تھے۔ یہ ایک بہت لمبا اور اکتا دینے والا کام ثابت ہوا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ اور خان رحمان تنگ آ گئے، لیکن انسپکٹر جمشید کے چہرے پر نہ تو تھکن کے آثار نظر آئے، نہ اکتاہٹ کے۔ آخر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ان کی آواز سنائی دی:

"میں نے وہ دہانہ تلاش کر لیا ہے۔"

وہ ان کی طرف مڑے اور پھر ساتھ ہی ان کی چیخیں نکل گئیں۔ ان گنت بڑے بڑے پتھر ان پر پھینکے گئے تھے۔ پتھروں کی بارش میں وہ اپنا بچاؤ نہ کر سکے اور گر گئے۔ یہاں تک کہ ان کے ذہن تاریکیوں میں ڈوبتے چلے گئے۔

☆☆

ان کی آنکھ کھلی تو وہ ایک غار میں تھے۔ غار میں گھپ اندھیرا تھا۔ سب سے پہلے انسپکٹر جمشید کی آواز غار میں گونجی:

"کیا تم لوگ ہوش میں آ چکے ہو۔"

"جی ہاں، میں ہوش میں ہوں۔" محمود کی آواز ابھری۔

"اپنے آپ کو ہوش میں سمجھنے والے عام طور پر ہوش و حواس کھو چکے ہوتے ہیں۔" فاروق کی گنگناتی آواز سنائی دی۔

"معلوم ہوتا ہے، کوئی پتھر زور سے نہیں لگا، اس لیے ابھی تک چہکنے لگے

[ل]گی ہو۔" فرزانہ نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"ہائیں، یہ تو بھی ہوش میں آ گئے۔ میرا خیال ہے، اب مجھے بھی بیہوش [نہ]یں رہنا چاہیے۔" خان رحمان کی آواز بھی سنائی دی۔

"لیکن ہم ہیں کہاں، آسمان تو نظر نہیں آ رہا۔"

"ہم کسی غار میں ہیں۔ میں اٹھ کر دیواروں کو ٹٹول چکا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"گویا حملہ آوروں نے ہمیں اس غار میں لا پھینکا ہے۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں یار، یہ لوگ تو مجھ سے بھی چالاک ثابت ہوئے۔ میرا خیال تھا کہ [ہیلی] کاپٹر کو واپس جاتے دیکھ کر یہ لوگ لاپروا ہو جائیں گے، لیکن یہ تو پوری طرح [ہوش]یار رہے اور جوں ہی میں نے کان کا دہانہ تلاش کیا، انہوں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ [ست]یا ناس ہو [وحش]ت تیرے کی۔" انسپکٹر جمشید نے شاید بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ابا جان، یہ الفاظ آپ نے ادا کیے ہیں، میرا مطلب۔ وحشت تیرے کی ہے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں بھئی، لیکن تم فکر نہ کرو۔ اس کی روح میری طرف آنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔" انسپکٹر جمشید ہنس کر بولے۔

"ہم تو اس طرح باتیں کر رہے ہیں، جیسے گھر کے صحن میں چائے کی میز پر بیٹھے ہوں۔" محمود بولا۔

"اسی کو زندہ دلی کہتے ہیں۔ تم اتنا بھی نہیں جانتے۔" فاروق بولا۔

"اب تم نے بتایا ہے تو جان۔ جان۔ جان، گگ، غغ۔"

اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلنے لگی۔

"یہ تمہاری زبان کی سوئی اٹک کیوں گئی۔" محمود ہنسا۔

"بچ، بچائیے۔ میں مرا۔ یہ، یہ کیا۔" فاروق نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔
انسپکٹر جمشید بوکھلا اٹھے۔ انہوں نے آواز کی سمت میں چھلانگ لگائی اور
ساتھ ہی بولے۔

"فاروق، کیا بات ہے؟"

"کک، کوئی چیز۔ مم، مجھے۔" وہ جملہ مکمل نہ کر سکا۔ انسپکٹر جمشید نے
بیتابانہ ہاتھ پھیلا دیے اور آگے بڑھے، پھر ان کے ہاتھ فاروق سے ٹکرائے اور ان کے
ہاتھ اس کے سر سے نیچے کی طرف بڑھے۔ دوسرے اپنی اپنی جگہ پر دم بخود بیٹھے رہنے
کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے، تاہم ان کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔ دل زور زور
سے دھڑک رہے تھے اور سانس سینے میں اٹکنے لگے تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ فاروق
کس مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اگر غار میں روشنی ہوتی، تو وہ ضرور اس کی مدد کے
لیے اپنی جان تک کی بازی لگا دیتے، لیکن اندھیرے میں اٹھے ہوئے قدم نقصان دہ
ہی ثابت ہو سکتے تھے۔ اس صورت میں جب کہ انسپکٹر جمشید اس کی مدد کے لیے پہنچ
چکے تھے۔

اچانک انسپکٹر جمشید کے ہاتھ کسی گول اور چکنی چیز پر پڑے۔ یہ بہت لمبی
اور گرم گرم چیز تھی۔ فوراً ہی وہ سمجھ گئے کہ فاروق کی کمر کے گرد ایک عدد اژدہا لپٹا
ہے۔ انہوں نے سوچا کاش، غار میں اس وقت روشنی ہوتی۔

اور خدا کی قدرت عین اسی وقت غار میں روشنی ہو گئی۔ انسپکٹر جمشید نے
دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی کہ کیسے ہو گئی۔ وہ تو اس وقت فاروق کی فکر میں تھے۔ انہوں
نے دیکھا، ایک کئی فٹ لمبا اژدہا فاروق کی کمر کے گرد بل ڈالے ہوئے تھا اور اس کا
منہ اس کے سینے کے آگے لہرا رہا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، دونوں ہاتھوں سے

اس کا منہ گردن کے قریب سے پکڑ لیا اور لگے پوری قوت سے اسے بھینچنے۔ محمود
فرزانہ اور خان رحمان پھٹی پھٹی آنکھوں سے منظر دیکھنے لگے۔ جب کہ فاروق پر نیم
بے ہوشی طاری تھی۔ کبھی وہ آنکھیں کھول دیتا اور کبھی بند کر لیتا۔ تاہم اس عالم میں بھی
وہ ابھی تک اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

انسپکٹر جمشید نے اپنا پورا زور شاید اپنے ہاتھوں میں سمیٹ لیا۔ وہ اژدہے
کی گردن پر اس قدر زور صرف کر رہے تھے کہ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور پھر اژدہے کے
بل فاروق کی کمر سے کھلنے لگے۔ کھلتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اژدہا اس کے جسم سے
الگ ہو گیا اور اسی وقت فاروق دھڑام سے گرا۔ فاروق کی طرف دوڑتے
ہوئے انہوں نے دیکھا، اژدہا اب اپنے بل انسپکٹر جمشید کے گرد کس رہا تھا اور وہ
اپنے ہاتھ دبا رہے تھے انہوں نے فاروق کو ہاتھوں اور بازوؤں میں اٹھا لیا۔

"فاروق، فاروق، تم ٹھیک تو ہو۔" فرزانہ نے بے تابانہ لہجے میں کہا۔

"آنکھیں کھولو فاروق، دیکھو، ہم تمہیں پکار رہے ہیں۔" محمود نے رندھی
آواز میں کہا۔

"یار فاروق، تم نے تو کسی حالت میں بھی خاموش ہونا نہیں سیکھا، پھر اب
خاموش ہو۔" خان رحمان کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اسی وقت فاروق نے
آنکھیں کھول دیں اور تھکے تھکے انداز میں بولا۔

"انکل، مم، میں ٹھیک ہوں۔"

"خدایا، تیرا شکر ہے۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ اور پھر وہ
انسپکٹر جمشید کی طرف مڑے۔ اژدہا ابھی تک اپنے بل کس رہا تھا، لیکن انسپکٹر جمشید کے
چہرے پر تکلیف کے آثار نہیں تھے۔ انہیں اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ بولے۔

"فکر نہ کرو، اژدہے کی طاقت اب کم ہوتی جا رہی ہے۔"

یہ سُن کر انہوں نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ غار کے منہ پر ایک
سی ٹارچ روشن نظر آئی اور اس کے پیچھے کچھ لوگ کھڑے نظر آئے۔ شاید و
اژدہے سے جنگ دیکھنے میں محو ہو گئے تھے۔ انہوں نے ان کی آنکھوں میں بھی
اور دہشت کے آثار دیکھے۔ شاید وہ اژدہے کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے تھے۔

"آؤ دوستو، وہاں کیوں رک گئے۔ کیا تمہیں یہیں غار ملا تھا۔ میرا مط
ہے، اژدہے والا غار۔" محمود نے طنزیہ لہجہ اختیار کیا۔

"ہمیں نہیں معلوم تھا کہ اس غار میں اژدہا موجود ہے، ورنہ کبھی اس
داخل نہ ہوتے۔ خیر، اب تو شاید اژدہا آخری دموں پر ہے۔" ان میں سے ایک
کہا۔ آواز جانی پہچانی لگی۔ انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا اور پھر حیران
گئے۔ مرالے میاں ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"یہ۔ یہ آپ ہیں مرالے میاں؟"

"ہاں بھئی، یہ میں ہی ہوں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"تو کانیں آپ نے ہی خریدی تھیں؟" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔"

"پھر آپ انکار کیوں کرتے رہے؟"

"وہاں تو انکار ہی کر سکتا تھا۔ اقرار کرتا بھی کیسے۔ پھر تم لوگوں کو اص
بات بتانا پڑتی۔" مرالے میاں نے ہنس کر کہا۔

"اصل بات، تو کیا ہمیں اب بھی آپ اصل بات نہیں بتائیں گے"
محمود نے جلدی سے کہا۔

"اب تو شاید بتا ہی دوں۔ ویسے مجھے اعتراف ہے۔ تم لوگ نہ
ذہین ہو، بلکہ بہت دلیر بھی ہو۔ تاریکی میں اژدہے سے مقابلہ دل گردے کا

"آپ ہماری تعریف رہنے دیں، کیونکہ تعریف کے لائق ذات تو بس
اس کی ہے، جس کے قبضے میں ہم سب کی جان ہے۔ ہاں یہ بتائیے، یہ سب
ہے۔"

"مجھے امید نہیں تھی کہ تم لوگ اتنی آسانی سے یہاں سے چلے جاؤ گے۔
جب میرے آدمیوں نے مجھے ہیلی کاپٹر کے واپس روانہ ہونے کی اطلاع دی
تو گیا کہ انسپکٹر جمشید مجھے چکر دینے کے موڈ میں ہیں، لہٰذا میں نے اپنے
دکانوں کے آس پاس مقرر کر دیا اور انہیں اچھی طرح سمجھا دیا کہ انہیں کیا کرنا
ہے۔ تم لوگ میری امید کے عین مطابق واپس آتے اور پھر میرے آدمیوں کی
گئے۔ نتیجہ یہ کہ تم لوگوں کو اس غار میں ڈالنا پڑا۔ تم لوگوں کو غار میں ڈلوا کر میں
کرنا چاہتا تھا کہ تم تنہا آئے ہو یا پولیس کو ساتھ لائے ہو، لہٰذا میں اور میرے
اطمینان کر چکے ہیں کہ تم لوگ بالکل تنہا ہو۔ مقامی پولیس کے فرشتوں کو
کہ تم واپس یہاں پہنچ چکے ہو۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے، ہم تنہا ہی کام کرنا پسند کرتے ہیں، پولیس کی موجودگی
کام بگاڑ دیتی ہے۔"

اسی وقت انسپکٹر جمشید نے اژدہے کو جھٹک دیا۔ وہ بے جان ہو چکا تھا،
دم ابھی تک ہل رہی تھی۔

"اسی لیے اب ہم غار میں آ گئے ہیں، کیونکہ آس پاس کوئی خطرہ موجود
" مرالے میاں بولا۔

"ٹھیک ہے، تو پھر مہربانی فرما کر یہ بتا دو کہ یہ سب کیا چکر ہے؟"

"یہی سوچ رہا ہوں، بتاؤں یا نہیں۔"

''کیا تمہارا ارادہ ہمیں زندہ چھوڑنے کا ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے پوچھا

''نہیں۔'' مرالے میاں نے ایسے لہجے میں کہا، جیسے کھانے پینے کی

ہو رہی ہو۔

''تب پھر بتانے میں کیا حرج ہے۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

اس وقت تک وہ یہ دیکھ چکے تھے کہ غار کے منہ پر دس آدمی موجود

ان دس کے دس آدمیوں کے ہاتھوں میں جدید قسم کی سٹین گنیں تھیں۔

''اور میں تو ان سے یہ بھی پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپنا ہی

کارڈ اپنی بیٹی کی سہیلی کے بھائی کے ذریعے کیوں حاصل کیا۔ آخر اس کی کیا ضرور

تھی؟''

''میں جانتا تھا، خان رحمان سے تم لوگوں کے خاص تعلقات ہیں لہٰذا

تمہیں ضرور بلائیں گے اور پھر تم میرے پیچھے پڑ جاؤ گے۔ لہٰذا میں نے یہ ترکیب

تا کہ ثابت ہو جائے کہ کانیں میں نے نہیں، کوئی اور شخص میرے بھیس میں خریدتا

ہے۔'' مرالے میاں نے جواب دیا۔

''چلیے، یہ بات تو سمجھ میں آ گئی۔ اب باقی باتیں بھی بتا دیں۔ آپ

کیا چاہتے ہیں، پروگرام کیا ہے۔''

''کیا یہ معلوم کیے بغیر تمہارے لیے مرنا مشکل ہے۔'' مرالے میاں

طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ہاں، ہم مر کر بھی بے چین رہیں گے، بلکہ کروٹوں پر کروٹیں بد

رہیں گے کہ مرالے میاں نے نہ جانے کانیں خریدنے کا پروگرام کیوں بنایا تھا

فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

''لیکن مجھے افسوس ہے، میں یہ بات نہیں بتا سکتا۔ چاہے مجھے تم

کا سو فیصد یقین ہی کیوں نہ ہو۔''

''تو کیا تمہارے منہ میں بھی اس وقت زہر کا کیپسول موجود ہے۔''

انسپکٹر جمشید کی آواز گونجی۔

''کیا مطلب؟'' مرالے خان چونک کر بولا۔ محمود، فاروق، فرزانہ اور

رحمان بھی حیران رہ گئے۔ وہ میٹنگ کی کارروائی سننے والوں کی موت کا سن چکے

تھے۔ لیکن مرالے میاں کیوں چونکے تھے۔ اس بات نے انہیں اور بھی حیرت

کر دیا تھا۔

''سنو بھئی، یہ تمہیں بتانے پر تیار ہو یا نہ ہو۔ میں تم لوگوں کو بتا سکتا ہوں کہ

کیوں خریدی گئیں۔ ان لوگوں کا منصوبہ کیا ہے۔'' انسپکٹر جمشید پرسکون آواز

بولے۔

''جی آپ بتا سکتے ہیں۔'' محمود کے منہ سے نکلا۔

''ہاں، میں بتا سکتا ہوں۔'' وہ بولے۔

انہوں نے دیکھا، مرالے میاں حیرت سے آنکھیں پھاڑے ان کے والد

رہا تھا۔

☆☆☆

اس کا منتر

چند لمحے موت کی خاموشی میں گزر گئے۔ آخر مرالے میاں سانپ کی طرح
پھنکارا۔

"تم۔ تم کس طرح جانتے ہو، جب کہ یہ راز ابھی تک کسی کے سامنے نہیں
کہا گیا اور جو لوگ یہ راز جانتے ہیں، وہ بھی پکڑے جانے کی صورت میں خود کشی
کر چکے ہیں، تا کہ ان سے کچھ اگلوایا نہ جا سکے۔"

"میں دوسروں سے اگلوانے سے زیادہ اپنی عقل سے اگلوانے کا عادی
ہوں۔ اخبارات بہت غور سے پڑھتا ہوں۔ عالمی خبروں پر خاص توجہ دیتا ہوں۔ خاص
طور پر اپنے دشمن ملکوں کے بیانات کا جائزہ بہت اچھی طرح سے لیتا ہوں۔ ان کے
ارادے کیا ہیں، یہ اندازے لگانے کی بھی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ چند ماہ پہلے کے
اخبارات کی تمام ایسی خاص خبریں میرے ذہن میں موجود ہیں۔ ان میں دشمن ملکوں
کی طرف سے دیے گئے بیانات اور دھمکیاں بھی میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ اخبار
تجاویز اور پیش کشیں ان کی طرف سے موصول ہوتی رہی ہیں، وہ بھی میرے
میں ہے۔ دشمن ملک میں موجود اپنے جاسوسوں سے یہ اطلاع ملی ہے کہ دشمن نے ایک
بہت ہی خفیہ سازش تیار کی ہے اور اس پر عمل بھی شروع ہو چکا ہے۔ سازش کیا ہے

ابھی پتا نہیں چل سکا۔ ادھر سونے کی کانیں پر اسرار ترین انداز سے خرید۔ تم کی خبر مجھے
ملی اور کانیں بھی وہ جو دشمن ملک کے لیے ایک بہترین جگہ ہو تو بھلا میں کیوں اندازہ نہ
لگا سکوں کہ دشمن کا منصوبہ کیا ہے۔ وہ ہمارے پاک سرزمین پر کس سازش کا بیج بونے آیا
ہے۔ یہی وجہ تھی، جب میں نے کانوں کی خرید و فروخت کے بارے میں سنا تو میں
نے ملک کی اہم ترین تنصیبات کا معائنہ کرنے کا پروگرام ملتوی کر دیا اور پہلے کانوں کی
طرف توجہ دینا ضروری خیال کیا۔ ہمارا دشمن ملک کئی مرتبہ یہ کوشش کر چکا ہے کہ اسے
ہماری سرزمین پر کچھ اڈے کسی طرح مل جائیں، تا کہ جب بھی عالمی جنگ چھڑے، وہ
ان اڈوں سے اپنے حریفوں پر میزائل پھینک سکے، لیکن ہمارا ملک بھلا اپنے دشمن ملک
کو اڈے کس طرح فراہم کر دے، چنانچہ اڈے حاصل کرنے کے لیے پہلے ایک
باقاعدہ منصوبہ چند سال پہلے بنایا گیا۔ وہ یہ تھا کہ ہمارے پڑوسی ملک پر قبضہ کر لیا
جائے، چنانچہ پڑوسی ملک میں اس نے اپنی فوجیں داخل کر دیں۔ میر جعفر اور صادق
کی قسم کے ایک شخص نے فوجوں کو اندر آنے دیا۔ لیکن سچے مسلمان ان فوجوں کے
خلاف ڈٹ گئے اور کئی سال سے وہ ان کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ دشمن ملک کا
وہ خواب فوری طور پر پورا نہ ہو سکا، لہٰذا اب اس نے خفیہ طور پر اڈا حاصل کرنے کا ایک
پلان بنایا۔ اس کی نظر کانوں والے اس علاقے پر پہلے سے تھی۔ اسے یہ علاقہ بہت
موزوں نظر آ رہا تھا، لیکن یہاں سب کی سب کانیں تھیں، چنانچہ پہلے تو کانوں کو
خریدنے کا منصوبہ تیار کیا گیا، تا کہ وہاں کام کرنے والے مزدوروں کو ہٹا دیا جائے۔
اگر وہ انھیں ہٹائے بغیر وہاں اپنی کارروائی شروع کرتے تو بات راز نہیں رہ سکتی تھی،
لہٰذا پروگرام یہ بنایا گیا کہ پہلے کانیں خرید لی جائیں، مزدوروں کو وہاں سے نکال دیا
جائے اور اس کے بعد اپنا کام شروع کیا جائے، چنانچہ ہمارے ملک میں موجود انھوں
نے اپنے ایک بڑے اور اہم جاسوس کے ذمے یہ کام لگایا۔ بڑے اور اہم جاسوس

مرالے میاں ہیں۔ یہ پہلے ہی یہاں کے کروڑ پتی ہیں۔ انہوں نے کانیں خریدنے کے لیے پہلے تو معلومات حاصل کیں کہ کانیں ہیں کس کس کی۔ اس سلسلے میں وہ کانوں کے منیجروں سے ملے۔ انہیں کچھ لالچ دے کر معلومات حاصل کیں۔ اس طرح انہیں یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کانوں میں ایک کان خان رحمان کی بھی ہے، جو ہمارے دوست ہیں۔ دارالحکومت میں رہتے ہوئے یہ ہم سے بھی اچھی طرح واقف ہو چکے تھے اور ہمارے کاموں سے بھی، لہٰذا انہوں نے یہ چکر چلایا، جیسے کانیں کوئی اور شخص ان کے روپ میں خریدتا پھر رہا ہے، تاکہ ان پر کوئی حرف نہ آئے اور منصوبہ بھی مکمل ہو جائے۔ یہ ہمارے ملک کی جڑیں پھر بھی کاٹتے رہیں۔ یہ تھی کل داستان۔ امید ہے کہ اب ساری بات تمہاری سمجھ میں آ گئی ہوگی۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"ساری کہاں، ابھی تو آدھی بھی نہیں آئی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"جی ہاں، یہ بات تو فاروق نے بالکل ٹھیک کہی۔ آپ نے یہ بتایا ہی نہیں کہ دشمن ملک ان کانوں کے اندر کیا کرنا چاہتا ہے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"بھئی بتا تو چکے ہیں کہ دشمن ملک اپنے میزائل یہاں نصب کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"لیکن کیسے؟ اس جگہ کو تو ڈائنامیٹ کے ذریعے درہم برہم کر دیا گیا ہے۔"

"وہ تو اس لیے کہ لوگ اس طرف کا رخ نہ کریں۔ کانوں کے نئے مالک یہ ظاہر کرتے کہ وہ ڈائنامیٹ کے ذریعے کانوں کی گہرائی تک پہنچنے کا ارادہ رکھتے ہیں، کیونکہ ان میں سے تو اب سونے کی بجائے راکھ نکلنے لگی ہے، لہٰذا کسی کو بھی ان پر شک نہ ہوتا اور پھر یہاں دشمن ملک کے جاسوس مزدوروں کی صورت میں آ جاتے۔

سمندر کے راستے میزائل ٹکڑوں کی صورت میں بھیجے جاتے۔ مختلف کارخانوں یا اداروں کے نام۔ مثلاً مرالے میاں خود اپنے کارخانے کے لیے ہی مشینری کے بہانے منگا لیتے، لیکن مشینری کے روپ میں دراصل وہ اپنے مطلب کی چیزیں یہاں لاتے۔ ہو سکتا ہے، اس کے لیے ان کے سائنس دانوں نے کچھ اور طریقے بھی اختیار کرنے کا پروگرام بنا رکھا ہو۔ کیوں مرالے میاں، میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔"

"نہیں، تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو، کیونکہ تم شیطان ہو۔ ہر جگہ پہنچ جاتے ہو۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"لاحول ولا قوۃ، ہمارے ابا جان کو شیطان کہہ رہا ہے۔" فاروق نے کہا اور وہ اس کے جملے پر مسکرا پڑے۔

"لیکن افسوس، تمہارا یہ منصوبہ اب پورا نہیں ہو سکتا۔ اب تم جیل کے سلاخوں کے پیچھے سخت مشقت کرتے نظر آؤ گے۔ میں تمہیں قید با مشقت دلواؤں گا۔ تاکہ جس ملک کو تم نے بے تحاشا نقصان پہنچایا ہے، باقی ماندہ زندگی سے اسے کچھ تو فائدہ بھی پہنچاؤ۔"

"تم بھول رہے ہو، اس وقت تم پانچوں ہمارے رحم و کرم پر ہو۔ سٹین گنیں تمہاری طرف اٹھی ہوئی ہیں۔ میں نے سن رکھا ہے کہ تم پستول کی گولیوں سے خود کو بچا لیتے ہو۔ اسی لیے میں اپنے پورے دس ساتھیوں کے ساتھ یہاں موجود ہوں اور دسوں کے پاس دس سٹین گنیں ہیں۔"

"تو کیا ہوا۔ ہم ایسا منتر بھی تو جانتے ہیں کہ تمہاری سٹین گنیں ٹس ہو کر رہ جائیں، یہ چلیں ہی نہ۔" فاروق نے بے پر کی اڑائی۔

"فاروق، خدا کے لیے اپنے منتر کو یہاں استعمال نہ کرنا۔ پچھلی مرتبہ ہم اس کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے، یہ لو۔ یہ چلا میرا منتر۔" یہ کہہ کر اس نے سٹین گن والوں کی طرف دوڑ لگا دی۔

"ارے ارے، ٹھہرو۔" انسپکٹر جمشید بوکھلا کر بولے۔

"یہ ایسے نہیں رکے گا۔" محمود نے کہا اور اس کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔

"ان دونوں کا شاید دماغ چل گیا ہے۔ میں بتاتی ہوں انہیں راستہ۔" فرزانہ بھی ان کے پیچھے بھاگی۔ انسپکٹر جمشید بے بسی کے عالم میں ہاتھ ملتے رہ گئے۔ مرالے میاں کے ساتھیوں نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔ اسی وقت مرالے میاں ان نے کہا۔

"دیکھ کیا رہے ہو، یہ کوئی چال چلنے کے موڈ میں ہیں۔ بھون ڈالو انہیں۔"

لیکن اس کا یہ حکم بعد از وقت تھا۔ اس وقت تک چال چلی جا چکی تھی۔ فاروق اس بے تکے انداز میں ٹھوکر کھا کر مرالے میاں کے آدمیوں کے پیروں کے پاس گرا تھا کہ وہ وقتی طور پر بوکھلا اٹھے اور اس کے ساتھ ہی فاروق نے ایک اور لڑھکنی کھائی اور ان کے درمیان سے نکل کر کمر کی طرف پہنچ گیا۔ اتنے میں محمود اور فرزانہ اس کے پیچھے دوڑتے ان کے پاس پہنچ گئے، لیکن وہ بھی رکے نہیں اور سٹین گنوں والوں کے پیچھے پہنچ گئے۔ یہ دیکھتے ہی انسپکٹر جمشید اور خان رحمان نے لوٹ لگائی۔ ساتھ ہی ان پر باڑھ ماری گئی، لیکن سب کی سب گولیاں پتھریلی زمین پر پڑیں، کیونکہ پیچھے سے ان تینوں نے اندھادھند انداز میں دھکے دیے تھے۔

اور پھر تو غار میں ایک طوفان بدتمیزی شروع ہو گیا۔ انسپکٹر جمشید لوٹ لگاتے ہوئے ایک سٹین گن والے سے جا ٹکرائے کہ وہ دھڑام سے گرا۔ بس پھر کیا تھا، انہوں نے اس کی سٹن گن جھپٹ لی۔ اس کا کندا اس کے سر پر مارتے ہوئے انہوں نے اسے نالی کی طرف سے پکڑا اور پھر اسے لاٹھی کی طرح گھمانے لگے۔ ان کے ہاتھ

بجلی کی طرح چل رہے تھے۔ آن کی آن میں انہوں نے تین آدمیوں کے سروں کو نشانہ بنا ڈالا، وہ تینوں سر پکڑ کر بیٹھتے چلے گئے۔ خان رحمان بھی اس وقت تک ایک سٹن گن حاصل کر چکے تھے اور وہ بھی انسپکٹر جمشید کے فارمولے پر عمل کر رہے تھے۔ گرے ہوئے دشمنوں کی سٹن گنیں محمود، فاروق اور فرزانہ کے ہاتھ آ گئیں۔ اب غار میں سٹن گنیں نہیں، لاٹھیاں چل رہی تھیں۔ مرالے میاں کے ساتھی بھی یہی نسخہ استعمال کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ مرالے میاں ایک طرف بے بسی کے عالم میں کھڑا حیرت زدہ انداز میں اس لڑائی کو دیکھ رہا تھا۔

"میاں صاحب، تم بھی آ جاؤ نا، ادھر کھڑے کیا کر رہے ہو، اپنے ساتھیوں کی مدد کیوں نہیں کرتے۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"بھئی فاروق، میں تو مان گیا تمہارے منتر کو۔" خان رحمان ہنسے۔

"انکل، ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔ مجھے تو ایک سے ایک منتر آتے ہیں۔ کہیے تو ابھی دوسرا منتر پھونک کر اور ایک کام دکھا دوں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"بس بس، ایک ہی منتر کافی ہے۔" انسپکٹر جمشید بوکھلا اٹھے۔

جنگ پوری شدت سے جاری تھی۔ مرالے میاں نے ابھی تک اس جنگ میں عملی طور پر کوئی حصہ نہیں لیا تھا، البتہ وہ اپنے ساتھیوں کا حوصلہ ضرور بڑھا رہا تھا۔ بار بار پکار اٹھتا:

"شاباش ساتھیو، ان لوگوں کے خاتمے کے بعد جب یہاں ہمارے ملک کا اڈا قائم ہو جائے گا تو ہمیں اتنی دولت اور اتنے اعزازات دیے جائیں گے کہ تم نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا ہو گا۔"

"اگر ہم نے ان لوگوں کو ختم کر دیا، تو یہ راز راز ہی رہے گا اور ہم یہاں

پورے اطمینان سے اپنا کام جاری رکھ سکیں گے۔"

"ابا جان، آپ بھی ہمارا حوصلہ بڑھائیے نا۔" اس کے جملے سن سن کر فاروق تنگ آ گیا۔

"بھئی، اس کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے اور تمہیں معلوم تو ہے۔ اگر ان کا اڈا یہاں بن گیا تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔ ہمارے دوست ملک دوست نہیں رہیں گے اور اس طرح دشمن ملک کا ہمارے ملک پر خدانخواستہ، قبضہ ہو جائے گا اور ہم غلام بنا لیے جائیں گے۔ اب تم خود ہی سوچو، غلامی کی تو سو سالہ زندگی سے آزادی کا ایک دن اچھا ہے۔ میں کہتا ہوں، چاہے ہم سب یہاں ختم کیوں نہ ہو جائیں، ان میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

"جی بہتر۔ لیکن ابا جان، ہم میں سے کم از کم ایک تو زندہ رہنا ہی چاہیے، ورنہ یہ لوگ تو پھر بھی کامیاب ہو جائیں گے۔" فاروق چہکا۔

"اوہ ہاں، خیر ہم سب کے سب زندہ رہنے کی کوشش کریں گے۔" وہ بولے۔

ان میں واقعی جوش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ہاتھ پہلے کی نسبت زیادہ تیزی سے چلنے لگے۔ اچانک محمود کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی اور وہ بے سدھ ہو کر گر پڑا۔

"کیا ہوا محمود؟" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

لیکن محمود کی طرف سے انہیں کوئی جواب نہ ملا۔

"محمود، تم بولتے کیوں نہیں۔" فرزانہ بے تاب ہو کر بولی۔ اس پر بھی محمود کے جسم میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔

"فکر نہ کرو، محمود صرف بے ہوش ہو گیا ہے اور اسے کچھ نہیں ہوا۔ اپنا کام جاری رکھو۔ ہم میں سے کسی ایک یا دو کے گر جانے یا مر جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

یہ جنگ پوری قوم کے لیے لڑی جا رہی ہے۔ ہم میں سے ایک دو نہیں ہوں گے تو کیا ہے۔"

انسپکٹر جمشید کی آواز بھرا گئی۔ لمحے بھر کو خود انہیں اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا، پھر انہوں نے خود پر قابو پا لیا اور انتہائی جوش و خروش کے عالم میں ہاتھ چلانے لگے۔ اس وقت تک مرالے میاں کے چھ ساتھی بے کار ہو چکے تھے اور ان کا صرف ایک ساتھی بے کار ہوا تھا، گویا اب ایک کے مقابلے میں ایک آ گیا تھا۔ ان کے حوصلے اب بہت بلند تھے، جب کہ دشمن دل ہار چکا تھا۔ ان کے چہروں پر شکست کے آثار صاف نظر آ رہے تھے، لیکن مرالے میاں اب تک تنا کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک پریشانی کے آثار نمودار نہیں ہوئے تھے۔

انسپکٹر جمشید نے دو تین ہاتھ نہایت تیزی سے چلائے اور اپنے مدمقابل کو گرا دیا۔ اب وہ فرزانہ کی مدد کے لیے بڑھے۔ فرزانہ زیادہ تر خود وار کرنے کی بجائے اپنے مقابل کے وار روکنے کی کوشش میں تھی، یہ بھی بہت تھا۔ اس نے ایک آدمی کو الجھا تو رکھا تھا۔ فاروق بھی یہی کچھ کر رہا تھا، تاہم دونوں کو جب بھی موقع ملتا، وہ وار کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔ اس طرح وہ خطرہ مول لیے بغیر اپنا بچاؤ کر رہے تھے۔ اگر چہ وہ خود بھی جوش و خروش سے وار کرتے تو دشمن کے وار کی زد میں آ سکتے تھے اور شاید یہی محمود کے ساتھ ہوا تھا۔

جوں ہی انسپکٹر جمشید فرزانہ کی مدد کو آئے، اس کا مقابل بوکھلا گیا اور پھر اس کے ڈھیر ہونے میں دیر نہ لگی۔ اب وہ فاروق کی مدد کو بڑھے۔ اتنی دیر میں خان رحمان اپنے مقابل کو گرا چکے تھے۔

مرالے میاں کے آخری آدمی کے گرتے ہی وہ اس کی طرف مڑے اور چونک اٹھے۔

☆☆☆

قوم کو فخر ہے

انہوں نے دیکھا، مرالے میاں کے ہاتھ میں ایک سیاہ رنگ کا پستول تھا اور اس کی نالی کا رخ ان چاروں کی طرف تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی طنزیہ آواز غار میں گونجنے لگی:

''اگرچہ مجھے معلوم تھا انسپکٹر جمشید کہ تم پستول کے وار بچا جاتے ہو، لیکن اس کے باوجود میں نے اپنے پستول پر ہی بھروسا کیا ہے، کیونکہ مجھے بھی اپنے نشانے پر ناز ہے۔ میں نے پستول چلانے کی تربیت ایک کاؤبوائے سے لی تھی۔ اسے نقدی کی بہت ضرورت تھی۔ میں نے اس وعدے پر اس کی مدد کرنے کی حامی بھری کہ ''وہ مجھے پستول سے نشانہ لینے میں ماہر کر دے گا۔ اس قدر ماہر کہ شہر میں بہت کم لوگ میرے پائے کے نشانہ باز ہوں گے، چنانچہ اب میں اڑتے پرندے کو نشانہ لیے بغیر گرا سکتا ہوں۔ دیوار پر بیٹھی مکھی کا نشانہ لے سکتا ہوں اور اگر تم اپنے سر پر ایک تار گی رکھ لو تو میں اس میں اس طرح سوراخ کر سکتا ہوں کہ تمہارا ایک بال تک نہ جلے، لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں تو دراصل تمہاری پیشانی میں سوراخ کروں گا۔ لوگوں کی پیشانیوں میں سوراخ مجھے بہت بھاتے ہیں، لہٰذا میں اپنا شوق تمہاری حد تک ہی نہیں پورا کروں گا، ایک ایک سوراخ تمہارے ساتھیوں کی پیشانیوں میں بھی ہوگا۔

میں اپنے آقاؤں کو اطلاع دوں گا کہ میں نے ان کے لیے میدان صاف کر دیا ہاہاہا۔'' اس کا قہقہہ لمبا ہوتا چلا گیا۔

''اگر تم اتنے ہی ماہر نشانہ باز ہو تو میں ضرور تمہارے نشانے کو آزماؤں گا۔ سینہ حاضر ہے۔ تم نشانہ لو، میں اپنی مہارات آزماتا ہوں۔'' انسپکٹر جمشید خوش دلی سے بولے۔

''ہاں، کیوں نہیں۔ اب مجھے اور کام ہی کیا ہے۔'' اس نے کہا اور پستول ان کے سینے کی طرف اٹھ گیا۔ فاروق، فرزانہ اور خان رحمان ہونٹ بھینچے کھڑے تھے۔ ان کے دل تیزی سے دھڑک رہے تھے، پھر جوں ہی مرالے میاں کی انگلی میں حرکت ہوئی اور انسپکٹر جمشید جست لگانے کے لیے تیار ہوئے، پستول مرالے میاں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کے ہاتھ میں کئی گولیاں دھنس گئیں اور خون قطروں کی صورت میں زمین پر گرنے لگا۔ اس سے پہلے ایک بھیانک چیخ اس کے منہ سے نکلی۔

انہوں نے دیکھا، محمود مسکراتا ہوا اٹھ رہا تھا۔ ایک اسٹین گن اس کے ہاتھ میں تھی۔ انہیں یاد آیا، محمود جب گرا تھا، اس وقت بھی اسٹین گن اس کے ہاتھ میں تھی۔

''یار کمال کر دیا تم نے۔'' فاروق خوش ہو کر بولا۔

''لیکن یہ تمہیں سوجھی کیا؟'' خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

''لڑتے ہوئے میں نے کئی بار مرالے میاں کی طرف دیکھا تھا۔ بار بار اس کا ہاتھ جیب کی طرف جاتا تھا۔ میں جان گیا کہ اس کی جیب میں بھی کوئی پستول ہے اور یہ ضرورت پڑتے ہی اسے نکال لے گا، چنانچہ جوں ہی ایک اسٹین گن کا دستہ میرے کندھے پر لگا، میں چیخ مار کر الٹ گیا اور ساکت ہو گیا۔ میں نے سوچا تھا، جوں ہی اس نے جیب سے پستول نکالا تو میں اپنی اسٹین گن حرکت میں لے آؤں گا۔''

"بہت خوب، لیکن تم لڑتے لڑتے بھی تو مرالے میاں پر گولی چ

تھے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس صورت میں گولی اس کے کسی بھی جگہ لگ سکتی تھی اور یہ مر سکتا

جب کہ میرے خیال میں آپ اسے زندہ گرفتار کرنا چاہتے تھے، تا کہ عدالت م

کر سکیں۔" محمود نے جواب دیا۔

"ہوں، تمہارا خیال ٹھیک ہے اور تم نے جو کچھ کیا، لاجواب

انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس مہم کا سہرا تو فاروق کے سر ہی رہنا چاہیے۔ منتر تو اس کا ہی

ہے۔" محمود بولا۔

"شکریہ، مجھے سہروں کی ضرورت نہیں۔ یہ سہرے وہرے تم ہی کو

ہوں۔" فاروق نے منہ بنایا اور وہ مسکرا دیے۔

"لیکن فرزانہ، تم کیوں بُرے بُرے منہ بنا رہی ہو۔" محمود حیران

بولا۔

"تم دونوں اس مرتبہ کام دکھا گئے۔ میں یوں ہی رہ گئی، خیر کوئی

نہیں۔ اگلی مرتبہ میں تم دونوں کو ناکوں چنے چبوا دوں گی۔"

"ہمیں یا مجرموں کو، بھلا ہم نے کیا کیا ہے؟" فاروق نے بوکھلا کر ک

"او، سوری، واقعی۔ اس میں تمہارا کیا قصور، اگر تم کام دکھا گئے۔ یہ تو

اور مجل کی بات ہے۔ مجھے نہ موقع ملا نہ مجل۔" اس نے جھلاتے ہوئے لہجے میں ک

مسکرانے لگے۔

تھوڑی دیر بعد خان رحمان اور انسپکٹر جمشید ایس پی جاوید احمد خا

پولیس کی بھاری تعداد کے ساتھ غار میں داخل ہوئے۔ سب زخمیوں کو اور مرالے

ر کر لیا گیا۔ کانوں کے ارد گرد پہرہ مقرر کر دیا گیا اور دوسری صبح وہ واپس روانہ

"لیکن بھئی، اب ہماری کانوں کا کیا بنے گا۔" خان رحمان نے جہاز میں

ہوئے پوچھا۔

"بننا کیا ہے، ملبہ ہٹایا جائے گا اور ہر ایک کی کان اسے واپس کر دی جائے

یہ وہ کروڑوں روپے جو مجرم نے لوگوں کو کانوں کے بدلے میں دیے تھے، وہ

ان سے واپس لے لے گی اور اصلاحی کاموں میں لگائے گی، کیونکہ اس رقم پر

کے مالکان کا کوئی حق نہیں رہ جائے گا۔ یوں بھی مجرم نے اور اس کے ساتھیوں

کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اب اس رقم سے ملک کو فائدہ پہنچایا جائے گا۔"

"اور مجرم کے کارخانے اور گھر بار کا کیا ہو گا؟"

بیوی بچوں کے بارے میں تحقیقات کی جائے گی۔ اگر ان کی زندگی جرم

ہوئی تو انہیں گزارا الاؤنس دیا جائے گا۔ کارخانہ حکومت کی تحویل میں دے

ے گا۔ مجرم کے ابھی اور ساتھی بھی شہر میں موجود ہیں، ان کے بارے میں بھی

لگوایا جائے گا۔"

"اور اگر اس نے زبان نہ کھولی۔" خان رحمان نے اعتراض کیا۔

"کیسے نہیں کھولے گا۔ اب اس کے پاس زہر کا کوئی کیپسول تو ہے نہیں کہ

کر لے گا۔" وہ بولے۔

دوسری صبح اور وہ شیخ صاحب کے دفتر میں بیٹھے تھے۔ خانصاحب اور

یسر بھی یہیں موجود تھے۔

"ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کانوں والا معاملہ اس قدر اہم ثابت ہو گا

کی وجہ سے ہم اسے پس پشت ڈالنے کے بارے میں سوچ رہے تھے، وہ

کام بھی اسی سے متعلق ہوگا، بہر حال یہ تم لوگوں کا ایک بہت عظیم کارنامہ ہے۔ ا
الفاظ میں تعریف ناممکن ہے۔" آئی جی صاحب کہہ رہے تھے۔

"شکریہ جناب، ہم نے تو صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔" انسپکٹر ج
بولے۔

"چلو مانا تم نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے، لیکن تم محمود، فاروق، فرزانہ اور
رحمان کو کس خانے میں فٹ کرو گے۔ یہ محکمے کے ملازم تو نہیں ہیں کہ یہ کہا جائے
انہوں نے بھی اپنا فرض ادا کیا ہے۔" خان صاحب مسکرا کر بولے۔

"محکمے کے ملازم نہ سہی، اس ملک کے شہری تو ہیں۔ اس ملک کا ان پر
حق تو ہے۔ وہ حق انہوں نے ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ
کا بھی فرض تھا۔"

"اچھا بھئی، تم جیتے۔ بہر حال....."

شیخ صاحب کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت فون کی گھنٹ
تھی۔ انہوں نے چونک کر ریسیور اٹھایا اور پھر ان کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آ
نمودار ہو گئے۔

"یس سر۔ یس سر۔"

چند سیکنڈ تک وہ بات سنتے رہے اور پھر ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑے
"صدر مملکت صاحب کا فون تھا۔ وہ تم لوگوں کا شکریہ ادا کر رہے تھے
انہوں نے کہا ہے کہ قوم تم لوگوں پر جتنا بھی فخر کرے، کم ہے۔"

-----------☆☆☆-----------

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

نامعلوم دشمن

اشتیاق احمد

السلام علیکم!

اس بار کی کہانی آپ کو دھوکا دے جائے گی اور آپ دھوکا کھا بھی جائیں گے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ کو دھوکا دینا چاہتا ہوں۔ کہانی کے دھوکا دینے کی اور بات ہے، اس سے شاید خوش ہوں گے اور بغلیں بھی بجانے لگیں گے، یہ نہیں کریں گے تو شاید بغلیں جھانکنا شروع کر دیں گے کہ کہانی تو واقعی دھوکا دے گئی۔ اب آپ کہیں گے، لیجیے کہانیاں بھی دھوکا دینے لگیں۔ جی ہاں ایسا بھی ہوتا ہے۔ اگر کہانی کا انجام آپ کی امید اور توقع کے بالکل الٹ ہو یا جو آپ نے اس کے بارے میں سوچا ہو، وہ نہ ہو سکے تو اس کا اس مطلب بھی ہوگا کہ کہانی آپ کو جل دے گئی۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپ ضروری دھوکا کھائیں۔ بھئی میری ایمانداری تو دیکھیے کہ آپ کو پہلے ہی خبردار کر دیا۔ اگر میں خبردار نہ کرتا تو پھر تو سو فی امکان تھا اس بات کا کہ۔ بس اب میں دھوکے کا لفظ اور استعمال نہیں کروں گا، جی ہاں!

اشتیاق احمد

جاسوسی مشورہ

''...... ہاں ٹھیک ہے۔ میں چاہتا ہوں، اس پوری کوٹھی کو اڑا دیا جائے۔ [یہ]اں آج ایک شاندار پارٹی ہو رہی ہے۔ پارٹی رات آٹھ بجے شروع ہوگی۔ تمہیں [ا]س سے پہلے ہی اپنی تیاریاں مکمل کر لینی چاہئیں، وہاں شاندار قسم کے دھماکے [ہو]نے چاہئیں۔ میں خون بہتا دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس سے بڑھ کر میری کوئی خواہش [نہیں]۔''

''آپ کے حکم کی پوری تعمیل کی جائے گی۔ وہ دھماکے ہوں گے کہ آپ کی [طبیعت بہ]ت خوش ہو جائے گی۔''

''بس ٹھیک ہے، میں اپنی آنکھوں سے تمہاری کارگزاری کا نتیجہ دیکھوں [گا]۔''

الفاظ سنائی دینے بند ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ [وہ اس] وقت اپنی تجربہ گاہ میں تھے۔ جمعے کا دن تھا۔ ناشتے کے بعد ہی وہ تجربہ گاہ چلے [آ]ئے تھے۔ ان دنوں چونکہ کسی کیس میں الجھے ہوئے نہیں تھے، لہٰذا ان کا زیادہ تر وقت [تجر]بہ گاہ میں گزر رہا تھا۔ محمود آوازیں کیچ کرنے والی مشین کی ناب گھما رہا تھا کہ ایک [دم اس]سے یہ آوازیں ان کے کانوں میں آئیں۔ گفتگو پہلے سے شروع تھی۔ وہ اس [ط]رف آخری حصہ سن سکے۔

"یہ ہم نے کیا سنا ہے؟" فاروق نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"پارٹی کے دوران اگر پوری کوٹھی کو اڑا دیا گیا، تو نہ جانے کتنے آدمی ہلاک ہو جائیں گے اور یہ پورے شہر کا افسوس ناک ترین واقعہ گنا جائے گا۔ حکم دینے والے شخص کو کوٹھی والے سے نہ جانے کیا دشمنی ہے، لیکن وہ تو اپنی دشمنی کی آگ میں مہمانوں کو بھی جلانے پر تل گیا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ خون بہتے دیکھنا چاہتا ہے۔ توبہ توبہ، کتنا سنگ دل ہو گا وہ شخص۔" فرزانہ نے کانپ کر کہا۔

"توبہ توبہ کرنے سے کام نہیں چلے گا۔ ہمیں ابھی اور اسی وقت اس کوٹھی کی تلاش شروع کر دینی چاہیے۔" محمود نے کہا۔

"کوٹھی کی تلاش، لیکن بھلا ہم اس کوٹھی کو کس طرح تلاش کر سکتے ہیں۔ کوٹھی کے مالک کا پتا، نہ سڑک کا نہ گلی کا۔ نہ یہی معلوم کہ کوٹھی شہر کے کس حصے میں ہے۔ ان حالات میں تمہارا یہ کہنا کہ اسی وقت کوٹھی کی تلاش شروع کر دینی چاہیے، کیا پاگل پنے کی بات نہیں ہے؟" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ پاگل پنے کی بات ہے، لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم اس کے سوا کر بھی کیا سکتے ہیں۔" فرزانہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ہم اس کے سوا کچھ نہ کچھ نہ کر ہی سکتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کر سکتے ہیں کہ وہ اس کوٹھی کو اڑنے سے بچالے۔ بیشمار لوگوں کو ہلاک ہونے سے بچالے اس کے علاوہ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔" فاروق نے مسمی صورت بنائی۔

"ٹھہرو، ہم ایک کام اور بھی کر سکتے ہیں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"تو اس میں ٹھہرو کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم کہیں بھاگے تو نہیں جا رہے ہیں۔"

"ہم ابا جان سے مشورہ کر سکتے ہیں۔" فرزانہ نے گویا اس کا جملہ سنا ہی

ہیں۔

"فرزانہ کا یہ مشورہ بھی ٹھیک ہے کہ ہم ابا جان سے مشورہ کر سکتے ہیں، ں محمود؟"

"فرزانہ تو کئی بار یہ مشورہ بھی دے چکی ہے کہ کم از کم ایک ادھ کے لیے ری زبان بندی کا حکم جاری کرا دیا جائے۔" محمود نے جل کر کہا۔

"یار، میں اس شہر کا کوئی سیاسی لیڈر تو نہیں ہوں۔" فاروق نے تیز آواز کہا۔

"اچھا آؤ چلیں، ابا جان کے پاس۔" فرزانہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

تینوں اندر پہنچے تو ناشتے کی میز خالی پڑی تھی۔ وہ جلدی سے ان کے کمرے ف لپکے۔ انسپکٹر جمشید وہاں بھی نہیں تھے انہوں نے باورچی خانے کی راہ لی۔ شید یہاں برتن دھونے میں مصروف تھیں۔

"امی جان، یہ ابا جان مکان کے کس حصے میں موجود ہیں؟"

"کسی میں بھی نہیں۔" انہوں نے کہا۔

"جی کیا مطلب، کسی میں نہیں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، ابھی ابھی کسی کا فون آیا تھا۔ بس یہ کہہ کر چلے گئے کہ ایک ضروری ے جا رہا ہوں۔ مجھے دیر ہو جائے تو کھانے پر انتظار نہ کرنا۔"

"لو بھئی، ہم تو گئے مشورے سے۔" فاروق بولا۔

"کس سے گئے؟" بیگم جمشید حیران ہو کر بولیں۔

"مشورے سے، دراصل ہم ابا جان سے ایک مشورہ کرنا چاہتے تھے۔"

"تو وہ تم مجھ سے کر لو۔" بیگم جمشید نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

"جی آپ سے، یعنی کہ آپ مشورہ دیں گی۔" فرزانہ حیران ہو کر بولی۔

"ہاں کیوں، میں مشورہ نہیں دے سکتی۔ آخر وہ کس قسم کا مشورہ ہے؟"
انہوں نے برا سا منہ بنایا۔
"جی وہ۔ ذرا، جاسوسی قسم کا ہے۔"
"لاحول ولاقوۃ، جاؤ اپنا کام کرو۔" انہوں نے بھنا کر کہا۔
"ویسے میرا خیال ہے، امی جان اس معاملے میں ضرور مشورہ دے سکتی ہیں۔" اچانک فرزانہ بولی۔
"کیا مطلب، میں اور تمہیں جاسوسی مشورہ دوں گی۔" بیگم جمشید نے آنکھیں نکالیں۔
"امی جان پہلے آپ سن تو لیں۔" یہ کہہ کر فرزانہ نے انہیں بتایا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔
"تم۔ تم ایک ایسی کوٹھی تلاش کرنا چاہتے ہو، جس میں شاندار پارٹی دی جانے والی ہے، کیونکہ کوئی نامعلوم شخص اس کوٹھی کو اڑانا چاہتا ہے۔" انہوں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔
"جی ہاں۔"
"تب تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"
"جی وہ کیوں؟" فرزانہ حیران ہو کر بولی۔ بیگم جمشید بھرپور انداز میں مسکرائیں اور پھر بولیں:
"ان دنوں موسم بہار ہے اور یہ موسم شادیوں کا موسم کہلاتا ہے۔ شہر میں آج ان گنت شادیاں ہوں گی۔ جگہ جگہ تقاریب ہوتی نظر آئیں گی۔ ان حالات میں تم وہ کوٹھی کس طرح تلاش کر سکو گے۔"
"اوہ۔" وہ دھک سے رہ گئے۔ یہ بات تو انہوں نے سوچی ہی نہیں تھی۔

"ویسے میں تمہیں ایک کام کا مشورہ پھر بھی دینا چاہتی ہوں۔" بیگم جمشید پھر مسکرائیں۔
"ان حالات میں بھی۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔
"ہاں، مشورہ یہ ہے کہ آج کے اخبارات میں تقریبات کا کالم دیکھ لو۔ شہر کی خاص خاص تقریبات کی خبریں اس کالم میں شائع ہوتی ہیں۔"
"اوہ ہاں، ویری گڈ امی جان۔ آپ تو واقعی مشورہ دے سکتی ہیں۔" محمود نے پرجوش لہجے میں کہا اور پھر تینوں اخبارات پر جٹ گئے اور یہ دیکھ کر ان کے سر گھوم گئے کہ تقریبات کے کالم اٹے پڑے تھے۔ شہر میں بے شمار جگہوں پر تقریبات ہو رہی تھیں۔ ان کی امی کا خیال سو فی صد درست تھا۔
"اب ہم کیا کریں؟" محمود نے مردہ آواز میں کہا۔
"صبر، کیونکہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔
"ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنا صبر نہیں کہلاتا۔" فرزانہ جل کر بولی۔
"اچھا تو جو صبر کہلاتا ہے، وہ اختیار کر لو۔"
"نہیں، ہم شہر کا چکر ضرور لگائیں گے۔ ہو سکتا ہے، قدرت ہمیں اس کوٹھی تک پہنچا ہی دے۔" محمود بولا۔
"پٹرول خرچ کرنے کا اتنا ہی شوق ہے، تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"
"یہ پٹرول خرچ کرنے کا شوق نہیں۔ دوسروں کی جانیں بچانے کا مسئلہ ہے۔ اس شخص کی اگر اس کوٹھی کے مالک یا کوٹھی کے افراد سے کوئی دشمنی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان کے ساتھ مہمانوں کو بھی موت کے گہرے گڑھے میں اتار دے اول تو اسے یہ حق بھی نہیں پہنچتا کہ وہ کوٹھی والوں کی بھی جان لینے کی کوشش کرے۔

قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت کسی صورت بھی نہیں۔ ہاں، اگر اس پر ظلم ہوا ہے یا اس کی حق تلفی ہوئی ہے تو اسے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے۔ اس پر بھی وہ اپنا حق حاصل کرنے میں ناکام ہو جائے تو پھر اسے اپنے خدا سے انصاف مانگنا چاہیے اور صبر سے انتظار کرنا چاہیے۔'' محمود روانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

''یار تم تقریروں کے انعامی مقابلوں میں حصہ کیوں نہیں لیتے۔ اول انعام کہیں نہیں گیا۔'' فاروق بولا۔

''آؤ چلیں، ہم اس کوٹھی کو تلاش کر کے چھوڑیں گے۔'' محمود نے پرعزم لہجے میں کہا۔

انہوں نے اپنی امی جان سے اجازت لی اور گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ فرزانہ محمود کے ساتھ بیٹھی۔ دونوں موٹر سائیکلیں اس مہم پر روانہ ہوئیں، لیکن روانہ ہونے سے پہلے وہ اخبارات سے تقریبات کی مکمل فہرست نوٹ کر چکے تھے اور ان کا پروگرام یہ تھا کہ جیسے بھی ہو، ان تمام کوٹھیوں کو چیک کر لیا جائے۔

فہرست کے مطابق وہ جس کوٹھی تک بھی پہنچے، انہوں نے وہاں کے حالات کا جائزہ بغور لیا۔ ملازمین وغیرہ سے ادھر ادھر کے چند سوال بھی کیے۔ اسی طرح وہ رکتے رہے، آگے بڑھتے رہے۔ دوپہر کے دو بج گئے۔ اس وقت تک انہیں کہیں کوئی مشکوک بات محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اب انہوں نے ایک مسجد میں نماز جمعہ ادا کی۔ نماز کے لیے بھی انہیں ایک ایسی مسجد تلاش کرنا پڑی، جس میں عورتوں کے لیے بھی الگ جگہ بنائی گئی تھی، پھر اپنی مہم پر نکلے۔ مہم پر نکلنے سے پہلے تینوں نے سچے دل سے اس کوٹھی کے مل جانے کی دعا کی، جسے دھماکے سے اڑا دیے جانے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔

ایک جگمگ جگمگ کرتی کوٹھی کی طرف بڑھتے ہوئے نہ جانے کیوں ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ کوٹھی کے سامنے تین بھکاری بیٹھے تھے۔ انہوں نے پُرامید نظروں سے ان کی طرف دیکھا، اپنے کشکول بھی ان کی طرف بڑھائے۔ وہ اپنی ادھیڑبن میں تھے۔ پھر بھی انہوں نے بھکاریوں کو مایوس کرنا پسند نہیں کیا۔ تینوں کے کشکولوں میں ایک ایک روپیہ ڈال کر وہ پھر کوٹھی کی طرف مڑے ہی تھے کہ فرزانہ نے کچھ سوچ کر ان بھکاریوں سے پوچھا:

''کیا یہاں کسی کی شادی ہے؟''

''جی نہیں، شادی تو نہیں، البتہ منگنی کی رسم ضرور ادا ہونی ہے۔ یہ شہر کے بہت بڑے رئیس کی کوٹھی ہے۔'' ایک بھکاری بولا۔

فرزانہ کو اس بھکاری کی طرف دیکھتے ہوئے بہت گھن آئی، کیونکہ اس کے کپڑے تو گندے تھے ہی، جسم بھی حد درجے گندا تھا اور زرد زرد آنکھوں میں بے تحاشا کیچڑ بھرا تھا۔

''کیا تم لوگ یہاں ہر روز بیٹھتے ہو؟'' محمود نے پوچھا۔

''جی نہیں۔ آج تو اس لیے یہاں بیٹھ گئے ہیں کہ پارٹی ہو رہی ہے یہاں۔ بڑے بڑے لوگ آئیں گے یہاں۔ شاید ہمارے بھی وارے نیارے ہو جائیں۔''

''کیا نام ہے رئیس کا؟''

''عالم روی۔ شہر سے باہر ان کی بہت بڑی کپڑے کی مل ہے۔'' دوسرا بھکاری بولا۔

''تم لوگوں کو کس طرح معلوم ہوا؟'' فرزانہ نے پوچھا۔

''کون نہیں جانتا، عالم روی سے تو سارا شہر واقف ہے۔'' تیسرا بھکاری

"تقریب کس وقت ہوگی یہاں؟"

"سنا ہے، رات کے ٹھیک آٹھ بجے ہوگی۔" ایک گندے بھکاری نے کہا۔

ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ اب تک انہوں نے جتنی کوٹھیوں کا جائزہ لیا تھا، وہاں بھی تقریب کا وقت ضرور پوچھا تھا، لیکن کہیں بھی آٹھ بجے کا وقت نہیں بتایا گیا تھا۔ اسی وقت گندے بھکاری نے کہا:

"لیکن تم لوگ اتنی بہت سی باتیں کیوں پوچھ رہے ہو۔ کیا تم مراثی ہو؟"

"اے، شٹ اپ۔ زبان سنبھال کر بات کرو۔" فاروق کو غصہ آ گیا۔

"اچھا اچھا نہیں ہو گے مراثی۔ ایسے سوال عام طور پر مراثی کرتے ہیں۔ اس لیے میں نے یہ پوچھا تھا۔

تینوں بُرے بُرے منہ بناتے کوٹھی کی طرف بڑھ گئے۔

"میرا دل کہہ رہا ہے، وہ یہی کوٹھی ہے۔" محمود دبی آواز میں بولا۔

"نہ جانے میرے دل کو کیا ہو گیا ہے، وہ کیوں نہیں کہہ رہا۔" فاروق نے شریر انداز میں کہا۔

"کہیں فیل تو نہیں ہو گیا۔" فرزانہ بول پڑی۔

"میری سمجھ میں ایک بات آتی ہے، ابھی تک صرف اس کوٹھی میں تقریب کا وقت آٹھ بجے بتایا گیا ہے۔ ابھی ہمارے پاس بہت وقت ہے۔ کیوں نہ ہم فہرست کے مطابق باقی کوٹھیوں کا بھی جائزہ لے آئیں۔ اگر کسی اور کوٹھی میں بھی رات کے آٹھ بجے نہیں ہونے والی، تو پھر وہ یہی کوٹھی ہے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"ترکیب اچھی ہے، آؤ۔" فرزانہ نے کہا۔

اور وہ پھر اپنی مہم پر روانہ ہوئے۔ شام کے تقریباً پانچ بجے ان کی واپسی کوٹھی پر ہوئی، کیونکہ تقریب کا وقت اور کسی جگہ آٹھ بجے مقرر نہیں تھا، لہٰذا انہیں یہیں واپس آنا پڑا۔ انہوں نے دیکھا، تینوں بھکاری وہیں بیٹھے تھے۔ انہوں نے پھر ان کی طرف ہاتھ بڑھائے، لیکن وہ کوٹھی کے دروازے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ اب وہ رک نہیں سکتے تھے۔

اندر ایک گہما گہمی کا عالم تھا۔ لوگ تیزی سے ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے۔ ایسے میں ان کی طرف بھلا کون توجہ دیتا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں موٹر سائیکلیں ایک طرف رکھ کر ان لوگوں میں شامل ہو جانا چاہیے۔" محمود نے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے، ان کام کرنے والوں میں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اور نہیں تو کیا مہمانوں میں۔ یوں بھی ابھی مہمان یہاں کہاں۔ وہ تو ساڑھے سات بجے آنا شروع ہوں گے۔"

"تو کیوں نہ ہم پہلے عالم رومی صاحب سے ملاقات کر لیں۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن ہم ان سے کہیں گے کیا۔ وہ ہمیں ضرور پاگل خیال کریں گے۔" فاروق نے اعتراض کیا۔

"کرنے دو، ہمارا کیا جاتا ہے۔"

آخر انہوں نے موٹر سائیکلیں دوسری موٹر سائیکلوں اور کاروں کے ساتھ کھڑی کیں اور اندر کی طرف بڑھے۔ ایک ملازم کو روک کر محمود نے بہت بے تکلفی کے انداز میں پوچھا:

"رومی صاحب اس وقت بھلا کس جگہ ہوں گے؟"

"اندر ہال میں۔" اس نے بے دھیانی میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔

وہ تیزی سے اندر کی طرف بڑھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ہال کس طرف ہے۔ بس اونٹ کی طرح منہ اٹھائے چلے جا رہے تھے۔ ایک کمرے کا دروازہ جو نظر آیا تو سمجھے کہ یہی ہال کا دروازہ ہے۔ لیکن دروازہ تو بند تھا، اسے دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ دوسرے ہی لمحے ایک دھاڑتی آواز نے ان کا استقبال کیا۔

"کون بدتمیز ہے؟"

انہوں نے دیکھا، اندر ایک نوجوان لڑکی زرق برق لباس پہنے سنگار میز کے سامنے بیٹھی میک اپ میں مصروف تھی۔

☆☆☆

خطرے کا سراغ

وہ دم بخود رہ گئے، کیونکہ اگر لڑکی کو جواب دیے بغیر آگے بڑھ جاتے تو وہ پیچھے پڑ جاتی اور رک کر لڑکی کو کیا بتاتے۔ ادھر لڑکی انہیں کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی، ایسے میں فرزانہ ان سے آگے بڑھی اور شگفتہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

"ہمیں افسوس ہے، ہم سمجھے شاید ہال کا دروازہ ہے۔ اسی لیے کھول دیا۔"

"آج کے دن ہال کمرے کا دروازہ بند ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تم لوگ کون ہو؟" اس نے اب بھی ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"جی ہم، یعنی کہ ہم۔" فاروق گڑبڑا اٹھا۔

"اور نہیں تو کیا میں تمہارے فرشتوں کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔"

"خیر ان کے بارے میں تو آپ کو پوچھنا بھی نہیں چاہیے۔" فاروق نے شوخ انداز میں کہا۔

"تم لوگ عجیب ہو۔ پوچھا کیا جا رہا ہے، اور تم جواب کیا دے رہے ہو۔"

"معلوم ہوتا ہے، آپ رومی صاحب کی بیٹی ہیں۔" فرزانہ نے جلدی

"اس میں معلوم ہونے کی کیا بات ہے۔ میں ان کی بیٹی ہوں۔" اس نے

بُرا سا منہ بنایا۔

"اوہو، تو آج آپ ہی کی منگنی ہے؟" فرزانہ بولی۔

"تم مجھ سے سوال کیے جا رہے ہو اور یہ نہیں بتاتے کہ ہو کون؟"

"دراصل ہم خدائی فوجدار ہیں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"خدائی فوج دار، یہ کیا ہوتا ہے؟" لڑکی حیران ہو کر بولی۔

"یہ تو ہم بھی نہیں جانتے، بس یوں سمجھ لیں کہ لوگوں کے ذاتی معاملا

میں ٹانگ اڑانا ہمارا مشغلہ ہے۔"

"بہت بے ہودہ مشغلہ ہے، اگر تم لوگ یہاں مہمان نہیں ہو تو فوراً

سے چلے جاؤ۔ ایسا نہ کہ ڈیڈی تم لوگوں کو دیکھ لیں۔ وہ بہت غصیلے واقع ہوئے ہیں"

"رومی جو ہوئے۔ یہ روم کے رہنے والے ہوتے ہی گرم مزاج

فاروق گنگنایا۔

"کیا کہتے ہو، وہ رومی رومی نہیں ہیں۔ یہ تو ان کا تخلص ہے۔"

"اوہو، تو وہ شاعر بھی ہیں۔" فاروق نے آنکھیں نکال کر حیرت کا اظ

کیا۔

"تمہارے بھیجے میں شاید عقل نام کی کوئی چیز نہیں۔ تخلص رکھنے کے

ضروری نہیں کہ آدمی شاعر بھی ہو۔"

"یہ بات تو خیر آپ نے ٹھیک کہی۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"کون سی بات، تخلص والی؟" لڑکی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"جی نہیں، بھیجے میں عقل والی۔ ان کی اوپر والی منزل بالکل خالی

فرزانہ نے شریر انداز میں کہا۔

"بھری ہوئی تو خیر تمہاری بھی معلوم نہیں ہوتی۔"

"بہت بہت شکریہ، آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی۔"

"یہ مجھ پر سراسر الزام ہے۔ میں کبھی کسی کی کوئی چیز نہیں چھینتی۔ ٹھہرو، میں

کو بلاتی ہوں۔ وہی تم لوگوں سے سمجھیں گے۔" اس نے چراغ پا ہو کر کہا۔

"ارے ارے، یہ آپ کو غصہ کیوں آ گیا۔ ابھی ابھی تو بہت شگفتہ موڈ میں

رہی تھیں۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"کیا کہا، شگفتہ انداز باتیں کر رہی تھیں؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں بالکل، میں نے تو آج تک اتنے شگفتہ انداز میں کسی کو باتیں کرتے

یکھا ہی نہیں۔"

"سچ۔" اس نے بھرپور مسرت سے کہا۔

"اس میں کیا شک ہے۔" فرزانہ تڑ سے بولی۔

"اف، تم، کتنی پیاری لڑکی ہو۔ ارے، تم باہر کیوں کھڑی ہو، اندر

" لڑکی نے دونوں ہاتھ محبت بھرے انداز میں پھیلا کر کہا۔

"ارے ارے، یہ کیا.....؟" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"کہاں، کیا؟" لڑکی حیرت زدہ ہو کر بولی۔

"ابھی ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں کہ اوپر والی منزل اس کی بھی بھری ہوئی

ہوتی اور اب....."

"اس وقت میں مذاق کے موڈ میں تھی۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔ جاؤ بھئی فرزانہ، تمہاری تو دال گل گئی۔"

"دال گل گئی، یہاں دال کہاں سے آ گئی۔" لڑکی نے حیران ہو کر کہا۔

کاورہ اردو سے نابلد تھی۔

"جی وہ۔ محاورہ ہے آیا وال۔" فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔ فرز
کمرے میں داخل ہو کر لڑکی کی طرف بڑھنے لگی۔
"نہیں بھئی، تمہارے ساتھی باہر کھڑے نہیں رہ سکتے۔ انہیں بھی اندر آ
کی اجازت ہے۔"
"بہت بہت شکریہ۔" محمود نے جلدی سے کہا۔
لڑکی نے انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر بولی:
"اب بتائیے، آپ لوگ کون ہیں؟"
"آپ تو ایک دم بدل گئیں، خیر تو ہے؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔
"نہیں تو، ویسی ہی تو ہوں، جیسی ابھی چند منٹ پہلے تھی۔" اس نے سر
سے لے کر پیر تک خود کو دیکھا۔
"آپ، آپ بہت خوب صورت ہیں۔ لباس پہننے کا سلیقہ بھی بہت
آپ کو۔" فرزانہ نے اس کی مزید تعریف کی۔ وہ ایک دم پھول کر کپا ہو گئی۔
"سچ کہہ رہی ہیں۔"
"جھوٹ کی تو مجھے عادت ہی نہیں۔ ہاں میرے بھائی کبھی کبھار تھوڑا
جھوٹ بول لیتے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔
"یہ ہم پر سراسر الزام ہے۔" فاروق نے اعلان کرنے والے انداز
کہا۔
"تم نے اب تک نہیں بتایا، تم کون ہو؟"
"تم۔ دراصل ہمیں اس قسم کی دعوتوں میں شریک ہونے کا بہت ش
ہے۔ شوق سے مجبور ہو کر چلے آئے، ہمیں بلایا نہیں گیا۔" فرزانہ نے کچھ سوچ کر ک
"تو کیا ہوا۔ آج سے تم میری سہیلی ہو اور میری سہیلی کو یہاں آنے

ی دعوت نامے کی ضرورت نہیں۔"
"اچھا بھئی فرزانہ، ہم واپس جاتے ہیں۔" فاروق نے اٹھتے ہوئے
انداز میں کہا۔
"ارے ارے، کیا ہوا۔" لڑکی حیران ہو کر بولی۔
"یہ تو آپ کی سہیلی بن گئیں، ہم بے چارے تو رہ گئے نا لنڈورے ہی۔"
"نہیں، آپ میری سہیلی کے بھائی ہیں، لہٰذا میرے بھی بھائی ہوئے۔
ی دعوت میں شریک ہو سکتے ہیں۔"
"بہت بہت شکریہ۔" محمود نے جلدی سے کہا۔
"آئیے، آپ لوگوں کو اپنے ڈیڈی سے ملواؤں۔"
"چلیے۔" محمود بولا۔ یہی تو وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح جلد از جلد عالم رومی
قات ہو جائے۔
"آپ نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔" راستہ چلتے ہوئے فرزانہ نے کہا۔
"تو آپ لوگوں نے ہی کب بتایا ہے؟"
"جی ہم۔ میں فرزانہ ہوں، یہ فاروق ہیں اور یہ محمود۔" فرزانہ نے تعارف

"اور میں رومانہ رومی ہوں۔"
"بہت خوب نام ہے۔" فرزانہ نے جھٹ سے کہا۔
"سچ۔" اس نے پھر بھرپور مسرت سے کہا۔
"ان دونوں سے پوچھ لیں۔" فرزانہ بولی۔
عین اسی وقت سامنے سے ایک بہت لمبا اور چوڑا آدمی آتا نظر آیا۔ اس
کے بال آدھے سفید اور آدھے کالے تھے۔ جسم پر بہترین طرز کا سوٹ تھا۔

آنکھوں پر عینک تھی۔

"لیجیے، ڈیڈی ادھر ہی آ رہے ہیں۔" رومانہ نے کہا۔ اتنے میں اس کے ڈیڈی کی نظریں ان پر پڑ گئی۔

"ارے بیٹی، یہ کون لوگ ہیں؟"

"یہ میری سہیلی ہیں ڈیڈی، اور یہ دونوں ان کے بھائی ہیں۔ آج یہ بھی مہمان ہیں۔"

"بہت خوشی ہوئی آپ لوگوں سے مل کر۔" انہوں نے محمود اور فاروق سے ہاتھ ملایا۔

"شکریہ جناب، ہم بھی آپ سے ملنے کے لئے بہت بے چین تھے۔" فاروق نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔

"بے چین تھے، وہ کس لیے؟"

"کبھی آپ سے ملے نہیں تھے نا، اس لیے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"اوہ ہاں، اچھا بیٹی، میں ذرا ملازموں کو ہدایت دے آؤں۔"

"جی بہتر۔" رومانہ نے کہا۔

اور عالم روی آگے بڑھ گئے۔ وہ رومانہ کے ساتھ ہال میں داخل ہوئے۔ یہاں ابھی انتظامات مکمل کیے جا رہے تھے۔

"ہیلو رومانہ، ہم تمہیں تلاش کرتی پھر رہی ہیں اور تم یہاں ہو۔" رومانہ کے پیچھے سے ایک لڑکی کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا تو کئی لڑکیاں رومانہ کی طرف لپک رہی تھیں۔

"آؤ بھئی، اپنے کمرے میں ہی چلیں۔ فرزانہ تم بھی آؤ۔ تمہارے بھائی ادھر ادھر گھوم پھر کر انتظامات کا جائزہ لیں گے اور اگر کوئی خامی نظر آئے تو مجھے یا ڈیڈ

کو بتائیں گے۔"

"ارے واہ، اس کام میں تو ہم واقعی بہت ماہر ہیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔ فرزانہ ان کے ساتھ چلی گئی۔

انہوں نے محسوس کیا۔ فرزانہ کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ شاید وہ رومانہ اور اس کی سہیلیوں کے ساتھ جانے کی بجائے ان کے ساتھ رہنا چاہتی تھی، لیکن مجبور تھی، کیا کرتی۔ رومانہ کی سہیلی جو بن گئی تھی۔

"فرزانہ کو اس لیے غصہ آ رہا ہے کہ کہیں ہم اس بار میدان نہ مار لیں۔" فاروق نے دبی آواز میں کہا۔

"ہاں، وہ ہمیں اس کا موقع نہیں دے گی۔ وہ جلد از جلد ان سے پیچھا چھڑا کر ہم تک پہنچ جائے گی۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"آؤ، اس موقعے سے فائدہ اٹھائیں، ہمیں یہ سراغ لگانا ہے کہ کوٹھی کو کس طرح اڑانے کا منصوبہ بنایا گیا ہے اور خطرہ کس جگہ موجود ہے۔"

دونوں ہال کی دیوار کے ساتھ ساتھ چکر لگانے لگے۔ ہال میں آرائش کا کام ہو رہا تھا۔ آرائش کے لئے کوئی پارٹی بلائی گئی تھی، اسی کے آدمی یہ کام کر رہے تھے۔ انہوں نے ان کی نظروں سے بچتے ہوئے ایک ایک چیز دیکھ ڈالی، پھر مایوس ہو کر باہر نکل آئے۔

"یار، یہاں تو کوئی خطرہ نظر نہیں آیا۔"

"ہو سکتا ہے، ابھی مجرموں نے یہاں اپنا کام شروع ہی نہ کیا ہو۔" فاروق بولا۔

"آؤ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے غلط کوٹھی کا انتخاب کیا ہو۔" پیچھے سے فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

"میں نے کہا تھا نا، یہ ان کے ساتھ نہیں ٹھہرے گی۔"

"گویا تم اکیلے ہی اکیلے ہیرو بننے کے چکر میں تھے۔"

"ہمیں کیا ضرورت ہے، چکر میں ہونے کی۔ چکر ہی جو ہمارے چکر میں رہتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اب تک کیا تیر مارا؟" فرزانہ نے طنز بھری آواز میں کہا۔

"ابھی تک کوئی کمان ہی نہیں ملی، تیر کس طرح مارتے۔" محمود نے کہا۔

"آؤ میرے ساتھ، ہمیں رومی صاحب سے صاف صاف بات کر لینی چاہیے۔"

"ہاں، یہ بہتر رہے گا۔ اگر انہوں نے ہماری کوئی بات نہ مانی تو ہم چیخ چیخ کر لوگوں کو خبردار کر دیں گے اور خود کوٹھی سے نکل جائیں گے، پھر جس کے جو نصیب۔" محمود نے کہا۔

اور وہ عالم رومی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ وہ کوٹھی کی روش پر ملے۔ یہاں ایک ٹرک آیا کھڑا تھا۔ اس ٹرک سے بجلی کا سامان اتر رہا تھا، تا کہ اگر عین وقت پر بجلی فیل ہو جائے تو بیٹری سے کوٹھی کو روشن کیا جا سکے۔ ابھی وہ عالم رومی تک پہنچے نہیں تھے کہ ایک پتلا دبلا آدمی سیاہ سوٹ پہنے رومی صاحب کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ عالم رومی نے بھی اسے دیکھ لیا اور چہک کر بولے۔

"آیئے طائر صاحب، آیئے۔"

"یہ۔ یہ کیا سامان اتر رہا ہے، السلام علیکم۔" طائر نے نزدیک آتے ہوئے حیران ہو کر کہا۔

"یہ احتیاطی تدبیر ہے۔ بجلی چلے جانے کی صورت میں بھی کوٹھی روشن رہے گی۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے، طائر صدیقی صاحب، میری بیٹی کی منگنی پر کتنے بڑے

ے لوگ آ رہے ہیں، ایسے میں اگر بجلی چلی گئی تو بڑی ندامت ہو گی۔ اس لیئے یہ ظام کیا گیا ہے۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔"

"آپ اندر تشریف لے چلیے، میں ذرا یہ سامان اتروا کر آتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" طائر صدیقی نے کہا: "اگر میرے لائق کوئی کام ہو تو یں۔"

"ارے نہیں، یہاں ملازموں اور دوسرے کام کرنے والوں کی کیا کمی ے۔ آپ گھوم پھر کر تیاریوں کا جائزہ لے لیجیے۔ اگر کہیں کوئی نقص نظر آئے تو مجھے یے گا، یہی کام آپ کے لیئے بہت کافی ہے۔" عالم رومی بولے۔

"اچھی بات ہے۔" طائر صدیقی نے کہا اور ہنستے ہوئے اندر چلے گئے۔

وقت عالم رومی مڑے اور ان کی نظر ان پر پڑی۔

"آپ لوگوں کو میں نے شاید ابھی ابھی دیکھا تھا۔"

"جی ہاں، میں رومانہ کی سہیلی ہوں۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"اوہ ہاں، یاد آیا۔ بہت خوشی ہوئی کہ آپ لوگ تشریف لائے۔"

"شکریہ انکل، ویسے کیا آج کے دن یہ تقریب ملتوی نہیں کی جا سکتی؟" انہ نے پرسکون آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" عالم رومی زور سے چونکے۔ ان کی آنکھوں سے غصہ ڑا، پھر وہ تیز آواز میں بولے:

"آپ لوگ کون ہوتے ہیں، تقریب ملتوی کرانے والے۔ آج میری منگنی ہے۔ بڑے بڑے لوگ یہاں آ رہے ہیں۔ بھلا تقریب کے ملتوی ہونے سوال۔ مم، مگر، مگر تم نے یہ بات کہی کیوں؟" غصے میں حیرت بھی شامل ہو گئی۔

"آج کے دن یہاں خطرہ ہے۔" محمود بولا۔

"خطرہ، کیسا خطرہ؟"

"آپ کا کوئی دشمن رنگ میں بھنگ ڈالنا چاہتا ہے، بلکہ اس کا ارادہ تو بہت خوف ناک ہے۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔" انہوں نے بُرا سامنہ بنایا۔

"کیوں، کیا آپ کا کوئی دشمن نہیں۔ کبھی کسی نے آپ کو کوئی دھمکی نہیں دی؟" محمود نے کچھ سوچ کر کہا۔

"دھمکی؟" عالم روی کے منہ سے پریشانی کے عالم میں نکلا اور پھر ان کی آنکھیں خوف زدہ انداز میں پھیل گئیں، پھر وہ سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے بولے:

"تم۔تم کون ہو؟"

"ہم آپ کے دوست ہیں، ہمدرد ہیں، اگر آپ کو کوئی دھمکی بھی مل چکی ہے، تو پھر خدا کے لیے اس تقریب کو روک دیجیے۔ اور کوٹھی خالی کر دیجیے، یہی آپ کے لیے بہتر ہوگا۔"

عالم روی کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر سرد آواز میں بولے:

"تم لوگ میرے ساتھ آؤ۔"

"چلیے۔" محمود نے کندھے اچکائے۔

وہ ان کے پیچھے چل پڑے۔ راستے میں رومانہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ آتی نظر آئی۔ اس نے جو انہیں اپنے ڈیڈی کے پیچھے چلتے دیکھا تو حیران ہو کر بولی:

"ڈیڈی، آپ ان لوگوں کو کہاں لیے جا رہے ہیں۔"

"ذرا ان سے کچھ بات کرنا ہے بھئی۔" انہوں نے سرسری انداز میں کہا۔

"فرزانہ، بھئی کم از کم تم تو میرے ساتھ رہو۔"

"آپ کے ڈیڈی کی بات سن کر آتی ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"حیرت ہے، ڈیڈی اتنی جلدی آپ لوگوں کے دوست بن گئے۔" رومانہ بولی۔

"آپ بھی تو اتنی ہی جلدی بنی تھیں۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔ رومانہ مسکرا کر رہ گئی اور وہ عالم روی کے پیچھے چلتے دور نکل گئے۔ یہاں تک کہ ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ تینوں کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ روی صاحب انہیں یہاں کس لیے لائے ہیں۔ عالم روی نے منہ سے تو کچھ نہ کہا، ایک الماری کھول کر اس میں سے کوئی چیز نکالنے لگے، پھر نیلے رنگ کے ایک لفافے میں سے ایک خط نکال کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے:

"پہلے اسے پڑھ لو۔"

محمود نے خط لیا اور تینوں نے خط پر نظریں جما دیں۔ لکھا تھا:

"وقت آ گیا ہے کہ اب تم سے انتقام لے لیا جائے۔ میں اس کے لیے کسی بہترین موقع کا منتظر تھا، لہٰذا اب جوں ہی موقع ملا، حساب لے لیا جائے گا۔ تم حیران تو ہو گے کہ میں کون ہوں اور کیا انتقام لینا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں اپنا نام نہیں بتا سکتا۔ صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہارے باپ نے میرے باپ کی جائیداد پر قبضہ کیا تھا اور اسے گھر سے بے گھر کر دیا تھا۔ انہوں نے در در کی ٹھوکریں کھائیں اور انہیں حالات میں میں نے ہوش سنبھالا۔ جب مجھے میرے باپ نے بتایا کہ کبھی وہ بہت دولت مند تھے، لیکن ایک شخص نے ان کی ساری دولت دھوکے سے ہتھیا لی تو میں نے انہیں اس شخص کا نام بتانے پر مجبور کیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اب وہ تو اس دنیا میں

اسے پیغام ہو یہ کہ بھئی آؤ اور اپنی باتوں کا یقین دلا کر اپنا حصہ لے جاؤ۔"

"اب شاید میں یہی کروں گا، کیونکہ اگر آج ہم نے کسی طرح خطرے کو ٹال بھی دیا تو بھی وہ حملہ کرنے سے باز نہیں آئے گا۔ اس کے اندر تو انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے، جب کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔"

"معاف کیجیے گا آپ کو معلوم تو ہوگا کہ آپ کے والد کیسے آدمی تھے؟"

"میں تسلیم کرتا ہوں کہ وہ نیت کے اچھے نہیں تھے۔ ہو سکتا ہے، اس شخص کا دعویٰ درست ہو اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ ایک وکیل تھے۔"

"ہوں، تب تو معاملہ بہت سنجیدہ ہو گیا ہے۔ آپ یقین کر لیں، آج بہت خوف ناک اقدام کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر کسی طرح آپ پارٹی ملتوی کر سکتے ہیں تو کر دیں اور کوٹھی کو خالی کر دیں۔"

"یہ ناممکن ہے۔ ابھی بہت وقت ہے۔ پولیس حفاظتی انتظامات مکمل کرے گی اور پوری کوٹھی کا جائزہ بھی لے لے گی میں ذرا خالد رشید کو فون کر لوں۔ وہ میرا اچھا دوست بھی ہے۔" یہ کہہ کر وہ انہیں وہیں چھوڑ کر کمرے سے نکل گئے۔ خط محمود کے ہاتھ میں ہی رہ گیا۔ یہ ہاتھ سے لکھا ہوا تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے تحریر بگاڑ کر لکھا گیا ہو۔

"اس خط کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اچھا اور صاف ستھرا خط ہے۔" فاروق بولا۔

"یہ تمہیں اچھا اور صاف ستھرا خط نظر آ رہا ہے۔" فرزانہ نے بھنا کر کہا۔

"ہاں کیوں، بھئی انتقام لینے والے اس سے صاف ستھرا خط لکھ ہی نہیں سکتے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"دھت تیرے کی، شروع ہو گئے یہ حضرت۔" محمود نے تلملا کر اپنی ران

دے مارا۔

"تو پھر، اور کیا کریں۔ انسپکٹر خالد رشید صاحب آ ہی رہے ہیں۔ خود ہی ان پر قابو پا لیں گے۔ ہمارا جو فرض تھا، ادا کر چکے۔" فاروق نے کہا۔

"کام چور ایسے ہی تو ہوتے ہیں۔ ارے عقل مند۔ اگر پولیس خطرے کا پتہ نہ لگا سکی تو کیا ہوگا، یہ بھی تو سوچو۔"

"تم سوچ تو چکی ہو، میرے سوچنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔"

"حد ہو گئی، آؤ محمود۔ ہم کوٹھی کا معائنہ شروع کر دیں۔"

"ہاں، ضرور کرو، میں تو ذرا امی جان کو فون کروں گا۔" فاروق نے دھماکا کیے۔

"یہ امی جان کو فون کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔" فرزانہ حیران ہو کر

"ان سے پوچھوں گا، ابا جان اب تک آئے یا نہیں۔ اگر آ گئے ہوں گے تو یہاں کی حالات بتاؤں گا۔ اگر وہ یہاں آ جائیں تو بہت ہی اچھا ہوگا۔"

"تجویز تو معقول ہے۔ تو پھر چلو، پہلے فون ہی کر لیں۔"

انہوں نے ایک ملازم سے فون کے بارے میں پوچھا۔ وہاں پہنچے تو عالم گی ابھی فون کر کے فارغ ہوئے تھے۔ ان کی طرف دیکھ کر بولے:

"انسپکٹر خالد رشید آ رہے ہیں۔"

"چلیے ٹھیک ہے۔ ہم بھی ذرا ایک فون کریں گے، اپنے گھر۔"

"ضرور کیجیے۔"

انہوں نے کہا اور صدر دروازے کی طرف چلے گئے۔ اب ان کا اطمینان ختم ہو چکا تھا۔ چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔

انہوں نے گھر فون کیا تو پتا چلا، انسپکٹر جمشید ابھی تک واپس نہیں ا
نہ ان کی طرف سے کوئی اطلاع موصول ہوئی ہے انہوں نے عالم رومی صاحب
کا پتا نوٹ کروا دیا اور ان سے کہا کہ جوں ہی ابا جان آ گیں، انہیں یہاں بھی
اس کے بعد انہوں نے کوٹھی کا معائنہ شروع کیا اس اور یہ کام انہوں نے ہال سے
کیا، کیونکہ تقریب ہال میں ہونا تھی۔

"سب سے پہلے تو ہمیں یہ اندازہ لگا لینا چاہیے کہ کوٹھی کو کس طر
اڑانے کا منصوبہ بنایا گیا ہوگا۔" محمود نے دبی آواز میں کہا۔ کیونکہ اندر اب
بھی آ گئے تھے اور وہ ہر انتظام کرنے میں مصروف تھے، ان کی موجودگی م
آواز میں باتیں نہیں کر سکتے تھے۔

"بھئی صاف ظاہر ہے، کہیں نہ کہیں ڈائنامیٹ فٹ کیا گیا ہوگا۔
رکھے گئے ہوں گے۔" فرزانہ بولی۔

"ہوں ٹھیک ہے، اس کے سوا وہ اور طریقہ اختیار کر بھی کیا سکتے ہیں
"اور ہال کے آس پاس ہی کسی جگہ نصب کیا گیا ہوگا، لیکن کہ
ہمیں معلوم کرنا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں، اگر ہم یہ معلوم کر لیں تو سمجھ لو، کامیاب ہو گئے، پھر ہم
دار کرنے کا موقع نہیں دیں گے۔" محمود نے کچھ سوچ کر کہا۔

"وہ کیسے؟ اس مرتبہ ہم نے اپنی تجربہ گاہ میں اسے حکم دیتے
ضروری تو نہیں کہ دوبارہ بھی سن لیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یار تم ہو نرے احمق۔ ارے بھائی ہم تفتیش کے ذریعے ا
جائیں گے۔" محمود نے جھنا کر کہا۔

"دھت تیرے کی۔ یہ بات میری عقل میں کیوں نہیں آئی۔" ف

عقل اتارتے ہوئے ران پر ہاتھ بھی مارا۔

"تو سر پر ہاتھ مارو نا۔ عقل کا تعلق ران سے کب ہے۔" فرزانہ ہنسی۔

"لو، یہاں کوٹھی میں موجود سب لوگوں کی جان خطرے میں ہے اور یہ ہنس
ہے۔"

"بھئی، اگر ہم ڈائنامیٹ تلاش نہ کر سکے تو آٹھ بجے سے پہلے کوٹھی خالی
یں گے۔ اب تو عالم رومی صاحب کو ہماری باتوں پر یقین آ چکا ہے۔" فرزانہ نے

"ہوں، یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر، تم ہنس سکتی ہو۔" فاروق نے اسے اجازت
ی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا، ایک پولیس انسپکٹر
کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔ انہوں نے اس انسپکٹر کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، شاید
رے شہر سے تبدیل ہو کر آیا تھا۔ اوور کوٹ میں وہ زیادہ ہی لمبا نظر آ رہا

"یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے مجھے خطرے سے خبردار کیا ہے۔" عالم
ان کی طرف اشارا کیا اور انسپکٹر کی نظریں ان پر جم گئیں۔

☆☆☆

آدھ گھنٹا باقی ہے

ان کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے خشک لہجے میں پوچھا:

"آپ لوگوں کو کس طرح معلوم ہوا کہ تقریب کے موقع پر یہاں

ہونے والی ہے۔"

"کبھی کبھی ہمیں عجیب وغریب طریقے سے باتیں معلوم ہو جاتی ہیں

حیران ہوا کرتے ہیں کہ یہ باتیں ہمیں کس طرح معلوم ہو جاتی ہیں۔ اب ہم

بتائیں۔" فاروق نے اس کی طرف بے خوفی سے دیکھا۔

"مجھے انسپکٹر خالد رشید کہتے ہیں اور لوگوں کا خیال ہے کہ میں

آدمی واقع ہوا ہوں۔" اس کا لہجہ بلند ہوتا چلا گیا۔

"لیکن خود آپ کا اپنے بارے میں خیال ہے۔" فاروق نے پوچھ

"میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔"

"یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ اپنے اور لوگوں کے خیال میں

آدمی ہیں، لیکن آپ یہ ہمیں کیوں بتا رہے ہیں۔"

"اس لیے کہ تم نے میری بات کا جواب سیدھی طرح نہیں دیا۔"

"اوہ، تو یہ بات ہے۔ سیدھی طرح جواب دینے کا ماہر میرا

بھی محمود، ذرا تم ہی ان کی بات کا جواب دے دو۔" فاروق کا لہجہ حد درجہ

جا رہا تھا اور خالد رشید کا پارہ چڑھتا جا رہا تھا۔

"ہاں، کیوں نہیں۔ بات دراصل یہ ہے جناب کہ ہم سائنس سے بہت

رکھتے ہیں۔ ہمارے ایک عزیز بہت بڑے سائنسدان ہیں۔ ان کے کباڑ خانے

سے مطلب کی چیزیں اٹھا لاتے ہیں اور مطلب کی ان کی چیزوں سے ہم نے

تجربہ گاہ ... بھی ہے۔ اس تجربہ گاہ میں ہم شہر کے مختلف حصوں میں ہونے والی

سن لیا کرتے ہیں۔ آج صبح ہم نے کسی کو کہتے سنا کہ اس کوٹھی میں تقریب

بجے شروع ہوگی۔ میں چاہتا ہوں، پوری کوٹھی کو اڑا دیا جائے۔ میں خون

چاہتا ہوں۔ یہ الفاظ سن کر ہم سکتے میں آ گئے۔ ہم اس کوٹھی کو بھلا کس طرح

سکتے تھے، شہر میں ان دنوں شادیوں کا موسم ہے، پھر بھی ہم نے اخبارات

کی فہرست نوٹ کی اور کوٹھی کی تلاش میں بعد دوپہر تک مارے مارے

کوٹھی پر پہنچ کر تقریب کا وقت معلوم کیا۔ صرف یہی ایک ایسی کوٹھی ملی، جس

رات کے آٹھ بجے ہونی ہے، لہٰذا ہم یہاں داخل ہو گئے۔ انہیں خطرے

کیا تو انہوں نے وہ دھمکی آمیز خط دکھایا۔ اس پر ہم نے انہیں مشورہ دیا کہ

دیا جائے۔ یہ ہے کل کہانی۔"

"میں نے کسی ایسی مشین کے متعلق نہیں سنا، جو ادھر ادھر کی آوازیں کھینچ

"

"آپ ٹیلی وژن کے دور میں یہ بات کہہ رہے ہیں۔ مصنوعی سیاروں

ہم ہزاروں کلو میٹر دور کی آواز ہی نہیں سن لیتے، بلکہ تصویر بھی دیکھتے

"آپ کی تجربہ گاہ میں بھلا ایسے لوازمات کہاں ہوں گے۔" اسے اب

آ رہا تھا۔

آپ نے ابھی ہماری تجربہ گاہ دیکھی ہی کب ہے۔ کبھی آیئے گا اور پھر

شاید آپ نے دھیان نہیں دیا۔ میں نے بتایا ہے کہ ہمارے ایک عزیز بہت بڑے
سائنس دان ہیں۔ ہم ان سے بھی تو مشورے لیتے ہیں۔"

"اور ان کا نام کیا ہے؟"

"پروفیسر داؤد۔" محمود نے سچ بتانا ہی مناسب سمجھا۔

"ارے، وہ۔ وہ آپ کے عزیز ہیں۔ وہ تو آج یہاں بھی آنے وا
ہیں۔" عالم رومی نے حیرت زدہ آواز میں کہا۔

"پروفیسر داؤد، وہ تو ہمارے ملک کے سب سے بڑے سائنسدان ہیں"
انسپکٹر خالد رشید کا منہ کھل گیا۔

"جی ہاں، اور اب تو وہ یہاں آ ہی رہے ہیں۔ آپ انہی سے ہمار
بارے میں معلوم کر لیجیے گا۔ میرا خیال ہے، ہم سے سوالات کرنے کی بجائے بہ
بہتر ہے کہ آپ جلد از جلد سراغ لگا لیں کہ ڈائنامیٹ کہاں لگایا گیا ہے۔"

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔" انسپکٹر خالد رشید نے کہا، پھر وہ اپنے ماتحتو
طرف گیا اور انہیں ہدایات دینے لگا۔

"کیا یہ سچ ہے کہ پروفیسر داؤد بھی یہاں آنے والے ہیں۔" محمود نے
فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں بھئی، وہ میرے اچھے دوست ہیں۔" عالم رومی بولے۔

"خدا کے لیے اس تقریب کو ملتوی کر دیجیے۔" فرزانہ گھبرا کر بولی۔

"آپ لوگ یکا یک گھبرا کیوں گئے۔"

"فکر مند تو ہم پہلے ہی تھے۔ آپ سب لوگوں کی جانیں خطرے
ہیں۔ اب جب سے یہ سنا ہے کہ پروفیسر داؤد بھی یہاں تشریف لائیں گے تو
جیسے خون ہی خشک ہو گیا ہے۔"

"اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ اس بم کو تلاش کر لیا جائے۔ اور میرا خیال
آپ بھی پولیس کے ساتھ مل کر یہ کام کرو۔"

"ٹھیک ہے، ہم ایسا ضرور کریں گے۔ آگے جو اللہ کو منظور۔"

وہ ایک بار پھر ہال کا جائزہ لینے لگے۔ اب پولیس والے بھی یہی کام
تھے۔ خالد رشید بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں کھڑا تھا۔ وہ بھی پوری کوشش کر رہا
رح بم تلاش کر لے۔ ایک بار یہ تینوں جائزہ لیتے ہوئے اس کی طرف گئے

"بہت بہت شکریہ کہ آپ بھی ہماری مدد کر رہے ہیں، لیکن اس طرف میں
آپ فکر نہ کریں۔ باقی اطراف کا خیال کریں۔"

"جی بہت بہتر۔" محمود نے کہا اور واپس مڑ گیا۔

"ارے بھئی، یہ پولیس کا یہاں کیا کام؟" انہوں نے طاہر صدیقی کی
کر دیکھا تو عالم رومی اور وہ ہال میں داخل ہو رہے تھے۔

"سننے میں آیا ہے کہ کوئی شخص شرارت کرنا چاہتا ہے۔ میں نے احتیاط
لوگوں کو بلایا ہے۔" عالم رومی نے گول مول جواب دیا۔

"شرارت کرنا چاہتا ہے، میں سمجھا نہیں۔" طاہر صدیقی کے لہجے میں

"بھئی، بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے نا۔ دوسروں کے رنگ میں بھنگ
ئی ایسا ہی آدمی ہو گا وہ۔"

"ہوں، اگر وہ مجھے نظر آ جائے تو میں دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ
دوست کی بیٹی کی منگنی میں ایسی حرکت کرنے والے کی نرم ترین سزا یہی
یقی نے دونوں ہاتھوں سے گلا گھونٹنے کا پوز بنایا۔

"ارے نہیں بھئی، قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کیا ضرورت ہے۔" عالم
رومی مسکرائے، لیکن ان کی مسکراہٹ بجھی بجھی تھی۔ شاید اب وہ بھی فکرمند ہو گئے تھے۔
"بھئی، ہم نے طائر صدیقی کے بارے میں عالم رومی سے نہیں پوچھا،
کہیں وہ یہی تو نہیں جو کوٹھی کو اڑانا چاہتا ہے۔" محمود نے فاروق اور فرزانہ سے دبی
آواز میں کہا۔
"اگر وہ شخص یہی ہے، تو آٹھ بجے سے پہلے پہلے یہاں سے رخصت
ہو جائے گا، اگر کوئی اور رخصت ہوا تو مجرم وہ ہوگا۔"
"یہ کلیہ بھی ٹھیک ہے، لیکن بھئی آٹھ بجے تک تو ہم یہاں کسی کو بھی نہیں
رہنے دیں گے، اگر ہمیں بم نہ ملا۔"
"خیر دیکھا جائے گا، موقع ملنے پر ہم طائر صدیقی کے بارے میں
صاحب سے معلوم کر لیں گے۔"
ہال میں جب انہیں کچھ نہ ملا تو وہ باہر نکلے اور پھر انہیں عالم رومی صاحب
سے ملنے کا موقع مل گیا۔ اس وقت طائر صدیقی ان کے ساتھ نہیں تھے۔
"کیوں جناب، یہ طائر صدیقی صاحب کون ہیں؟"
"میرے دوست، بہت اچھے دوست۔"
"کہیں وہ یہی تو نہیں، جنہیں آپ سے انتقام لینا ہے۔"
"نہیں، یہ میرے بہت پرانے دوست ہیں اور بہت مخلص بھی۔ ان پر
شک نہیں کیا جا سکتا۔"
"کیا کسی طرح بھی شک کرنا ممکن نہیں۔" فرزانہ نے ان کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا۔
"نہیں، میں انہیں مدت سے جانتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے، آؤ بھئی اب ذرا ہال کے آس پاس کے کمروں کو دیکھ
لیں۔" محمود بولا۔
اور وہ ایک کمرے میں گھس گئے۔ یہاں پولیس والے ان سے پہلے پہنچ
چکے تھے، لیکن ان میں خالد رشید نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی کوشش شروع کر دی۔
آتش دان پر سجاوٹ کی دو تین چیزیں رکھی تھیں۔ انہوں نے انہیں بھی اٹھا کر اور وزن
کا اندازہ لگا کر دیکھا۔ فرزانہ نے اپنے کانوں سے بھی کام لیا، لیکن کہیں کسی بم کی
موجودگی کا احساس نہیں ہوا۔ اسی طرح وہ دوسرے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں
سپاہیوں کے ساتھ خالد رشید بھی موجود تھا۔
"آپ بھی آ گئے، آیئے آیئے۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔
"اگر آپ یہ کمرہ خود دیکھ چکے ہیں تو پھر ہماری یہاں ضرورت نہیں۔"
"نہیں بھئی، آپ لوگ بھی اپنی کوشش کریں۔ کیا خبر ہم سے کہیں چوک
ہو گئی ہو اور بم آپ کو نظر آ جائے۔"
"جی بہتر۔" محمود نے کہا۔ اور انہوں نے اس کمرے کی تلاشی شروع
کر دی، یہاں بھی آتش دان پر کچھ سجاوٹ کی چیزیں رکھی تھیں۔ پلاسٹک اور لکڑی کی
خوبصورتی سے بنائی ہوئی چیزیں۔ خالد رشید اس وقت انہی کو دیکھنے میں مصروف

"یہ تو بالکل ہلکے ہیں، بم ان میں تو ہو نہیں سکتا۔"
"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے ناکامی ہمارا مقدر بن جائے گی اس مرتبہ۔"
نے کہا۔
"مایوسی کی باتیں نہیں کرتے، مایوسی گناہ ہے۔" فرزانہ بولی۔
انہوں نے ایک ایک کر کے تمام کمرے دیکھ ڈالے۔ ان پر مایوسی حملہ آور

ہونے لگی۔ فکر مندانہ نظروں سے انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"اب کیا ہوگا، ہم کیا کریں۔" محمود بولا۔

"اگر ہم پونے آٹھ بجے تک بھی بم تلاش نہیں کر سکے تو کوٹھی خالی کرائے بغیر کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ ابھی ہمارے پاس کچھ وقت ہے اور ہم اپنی کوشش جاری رکھ سکتے ہیں۔ ہمیں چاہیے، ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لیں۔" فرزانہ نے سنجیدہ آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے، اس کے سوا ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔ آؤ، ذرا ہال کو ایک بار پھر دیکھ لیں۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ بم ہال میں ہی کہیں موجود ہے۔" محمود بولا۔

"اور اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا۔" اچانک فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"کس کا، معموں میں باتیں کرنے کا یہ کچھ زیادہ اچھا موقع نہیں ہے۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

"متبادل بجلی کا سامان جو ٹرک پر آیا ہے، کہیں بم اس سامان میں تو نہیں ہے۔"

"اوہ۔" محمود اور فاروق کے منہ سے نکلا۔ ان کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ پھر تینوں تیزی سے ہال کی طرف لپکے، کیونکہ انہیں نہیں معلوم تھا کہ وہ سامان کہاں رکھا گیا ہے۔ ابھی تک وہ سامان انہیں کہیں نظر بھی تو نہیں آیا تھا۔ ہال میں داخل ہوتے ہی انہوں نے عالم رومی اور خالد رشید کو دیکھا۔ سب کانسٹیبل بھی وہاں موجود تھے۔

"لیجیے جناب، یہ لوگ بھی آگئے۔" خالد رشید نے کہا۔

"کیا آپ کو کوئی کامیابی ہوئی؟" محمود نے خالد رشید کی طرف دیکھا۔

"نہیں، ہم نے پوری کوٹھی چھان ماری ہے۔ بم اس کوٹھی میں کہیں بھی

نہیں ہے۔ اس کے صرف دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں، یا تو اس شخص کو بم رکھنے کا موقع نہیں مل سکا، یا پھر یہ دھمکی صرف ایک مذاق ہے۔"

"دھمکی والا خط تو خیر مذاق ہو سکتا ہے، لیکن ہم ان الفاظ کو کیا کہیں جو ہم نے اپنے کانوں سے سنے ہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ اسے موقع نہیں مل سکا۔ ہو سکتا ہے، وہ پولیس کو یہاں موجود دیکھ کر ڈر گیا ہو۔"

"ہوں، لیکن ہمیں ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے۔ بم کہیں بجلی کے اس سامان میں تو چھپا کر نہیں لایا گیا، جو ابھی ابھی ٹرک پر آیا تھا۔ وہ سامان تو ہمیں تلاشی کے دوران کہیں بھی نظر نہیں آیا۔" محمود نے کہا۔

"وہ سامان تو پائیں باغ میں لگایا گیا ہے۔ اندر تک تو صرف ایک تار لایا جائے گا، جسے مین لائن سے ملا دیا جائے گا، تاکہ خدانخواستہ بجلی چلی جائے تو فوراً سوئچ آن کر دیا جائے اور بلب جل اٹھیں۔" عالم رومی بولے۔

"ہم اس سامان کو دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"بم اگر اس سامان میں ہوگا بھی تو کوٹھی کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ پائیں باغ ہال سے کافی فاصلے پر بنتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے، بم بہت مہلک ہو، ہم اپنا اطمینان کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

"میرا خیال ہے، اس سامان کو بھی چیک کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔" عالم رومی نے کہا۔

"ٹھیک ہے، آئیے پائیں باغ میں چلیں۔"

وہ باغ میں پہنچے۔ یہاں سامان کے ساتھ آنے والے کاریگر انتظام میں مصروف تھے۔ بے شمار تار ادھر سے ادھر بیریوں میں لگے ہوئے تھے۔

"ہم اس سامان کو چیک کریں گے۔" خالد رشید بارعب آواز میں بولا۔
"جی کیا مطلب؟" ایک شخص نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔
"کیا ان لوگوں کے انچارج آپ ہی ہیں۔ سامان آپ کی نگرانی میں ہی بھیجا گیا ہے۔"
"جی ہاں، میرا نام انور واقدی ہے۔" اس نے کہا۔
"سارے سامان کو چیک کرائیے۔"
"لیکن چیکنگ کس سلسلے میں ہے؟" انور واقدی نے حیران ہو کر کہا۔
"ہمیں شک ہے کہ کسی نہ کسی طرح ایک غلط چیز کوٹھی میں لائی گئی ہے۔"
"آئیے، میں چیک کرادوں۔" اس نے کہا اور انہیں ایک ایک چیز دکھانے لگا۔ تمام چیزوں کو کھول کھول کر دیکھ لیا گیا، صرف بیٹریاں رہ گئیں۔
"انہیں بھی کھول کر دکھائیے۔" فرزانہ بولی۔
"جی، آپ کا مطلب ہے بیٹریوں کو؟" انور واقدی حیران ہو کر بولا۔
"ہاں، وہ چیز ان میں بھی چھپائی جا سکتی ہے، بلکہ یہ تو چھپانے کے لیے بہترین چیز ہے۔"
انور واقدی نے جھنجلائے ہوئے انداز میں بیٹریوں کو کھول کر دکھایا، لیکن اندر انہیں کاربن ملی چیزوں کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ایک ایک بیٹری دیکھ لی۔ آخر وہ یہاں سے بھی ناکام لوٹے۔ روش پر پہنچ کر خالد رشید نے کہا:
"میں اور میرے ساتھی اپنا اطمینان کر چکے۔ مجھے ایک سو ایک فی صد اطمینان ہے کہ یہاں کہیں بھی بم موجود نہیں۔ اس لیے اب ہمیں اجازت دیجیے۔"
"کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ بھی پارٹی میں شریک ہوں۔" عالم روحی

بولے۔
"میں اگر ڈیوٹی پر نہ ہوتا تو ضرور شریک ہوتا، اس وقت ناممکن ہے۔"
خالد رشید اور اس کے ساتھی چلے گئے۔ اب عالم روحی ان کی طرف مڑے:
"ہاں بھئی، اب تم کیا کہتے ہو؟" ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔
"ہم اب بھی یہی کہیں گے کہ تقریب ملتوی کر دی جائے۔"
"آپ کو دراصل معلوم ہی نہیں کہ میرے ہاں کتنے بڑے بڑے آفیسر آنے والے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر بعد جب ان کی آمد شروع ہوگی تو دیکھیے گا۔"
"وہ تو خیر ہم اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جس جگہ پروفیسر داؤد آ سکتے ہیں، وہاں تو صدر مملکت تک آ سکتے ہیں، لیکن کیا آپ کو اپنے تمام معزز مہمانوں کی زندگی عزیز نہیں۔ اپنی، اپنی بچی، ملازموں اور دوسرے دوستوں کی زندگی عزیز نہیں۔" فرزانہ نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔
"بھئی عزیز کیوں نہیں ہوگی، لیکن کوئی خطرہ نظر بھی تو آئے۔"
"آپ کی کوٹھی میں کوئی تہ خانہ تو نہیں ہے۔" اچانک فاروق نے سوال کیا۔ تہ خانے کا خیال اسے پہلی مرتبہ آیا تھا۔
"ہاں موجود ہے، ہال کے نیچے۔" انہوں نے کہا۔
"کیا کہا، تہ خانہ موجود ہے اور آپ یہ بات ہمیں اب بتا رہے ہیں۔" محمود چیخ کر بولا۔
"کیا کوئی خاص بات ہے۔ تہ خانے تو آج کل تقریباً ہر کوٹھی میں بنوا لیے جاتے ہیں، لیکن وہ تو بند رہتا ہے اور اس میں پرانا اور بے کار قسم کا سامان اٹا پڑا ہے۔"
"اوہ، تب تو۔ تب تو بم وہیں ہے۔" فرزانہ کانپ اٹھی۔

"بھلا بم وہاں کس طرح ہو سکتا ہے۔ تہہ خانے کے دروازے پر تالا لگا ہوا ہے۔"

"اس کی چابی کہاں ہے؟"

"پرانی چابیوں کا گچھا میری الماری کے اوپر ایک کیل سے لٹکا رہتا ہے۔ جب کوئی چیز بے کار ہو جاتی ہے تو ملازم وہاں سے چابیوں کا گچھا اٹھا کر تہہ خانہ کھولتے ہیں اور بے کار چیز تہہ خانے میں رکھ دیتے ہیں۔" انہوں نے بتایا۔

"جلدی کیجیے، ہمیں فوراً وہ گچھا دے دیں اور تہہ خانے تک لے چلیں۔"

"اگرچہ اب میں اس کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا، لیکن تم لوگوں کی تسلی کے لیے دیے دیتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ۔"

وہ انہیں اپنے کمرے میں لائے۔ چابیوں کا گچھا واقعی کیل پر موجود تھا۔ یہاں سے وہ انہیں تہہ خانے کی طرف لے کر چلے۔ اس کا راستہ کوٹھی کے پچھلے حصے یعنی بائیں باغ کی طرف سے تھا۔ انور واقدی نے انہیں پھر اپنی طرف آتے دیکھا تو انہیں گھورنے لگا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اس مرتبہ ہم آپ کو پریشان کرنے نہیں آئے۔" فاروق مسکرایا۔

تقریباً بیس گز کا چکر کاٹ کر وہ تہہ خانے کے دروازے تک پہنچے۔ دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ عالم روی نے تالا کھول دیا اور بولے:

"مہمانوں کی آمد شروع ہونے والی ہے۔ اس لیے میں تو آپ لوگوں کا ساتھ دے نہیں سکوں گا اور نہ میں اس کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ آپ لوگ اپنی سی کوشش کر دیکھیں۔"

"بہت بہت شکریہ، آپ کو ہمارے ساتھ رہنے کی ضرورت بھی نہیں۔"

محمود نے جلدی سے کہا اور وہ چلے گئے۔

وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچے۔ بلب جلایا تو تہہ خانے میں بے شمار چیزیں بے ترتیبی کے عالم میں ڈھیر نظر آئیں۔ ہر چیز پر گرد کی موٹی تہہ جمی تھی۔

"خبردار، جہاں ہو وہیں ٹھہرو۔" محمود نے جلدی سے کہا۔ فاروق اور فرزانہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ جب کوئی نظر نہ آیا تو وہ محمود کو گھورنے لگے۔

"یہ جملہ تم نے کس سے کہا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تم دونوں سے، مجھے تمہارے فرشتوں سے باتیں کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

"لیکن اس شاہکار جملے کی یہاں کیا ضرورت تھی؟" فرزانہ نے بھی تیز آواز میں کہا۔

"عقل کے ناخن لو۔ یہاں ہر چیز پر گرد کی تہہ جمی ہے۔ اگر کوئی شخص یہاں بم رکھنے آیا ہے تو پھر اس کے قدموں کے نشانات بالکل واضح طور پر تہہ خانے کے فرش پر ہونے چاہئیں، لیکن آگے بڑھ کر ہم ان نشانات کو خراب کر دیں گے۔"

"اوہ، تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

پھر تینوں نے فرش پر نظریں جما دیں اور یہ دیکھ کر ان پر جوش کی کیفیت طاری ہو گئی کہ فرش پر واقعی بہت واضح قدموں کے نشانات موجود تھے۔

"وہ مارا، شاید ہم کامیابی کے قریب ہیں۔" محمود خوشی سے چلایا۔

"ادھر ساڑھے سات بجنے کے قریب ہیں۔ مہمانوں کی آمد شروع ہونے والی ہو گی۔" فرزانہ بولی۔

"ان قدموں کے ذریعے آگے بڑھو۔ اب ہم بم تلاش کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔ تہہ خانہ عین ہال کے نیچے موجود ہے۔ ذرا غور کرو، اگر بم پھٹ

جاتا تو سارا ہال بھک سے اڑا جاتا۔ اف توبہ۔ اس میں ہمارے انکل، پروفیسر انکل بھی ہوتے۔'' فاروق نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''باتیں کم اور کام زیادہ۔'' محمود نے اسے جھڑک دیا۔

تینوں ایک ایک قدم آگے بڑھنے لگے۔ سامان کے پاس جا کر قدموں کے نشانات ختم ہو گئے۔ انہوں نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''اب کیا کریں، نشانات تو ختم ہو گئے۔''

''ایسا معلوم ہوتا ہے، یہاں سے وہ سامان پر پاؤں رکھ کر آگے بڑھا ہے اور بم اس نے اس کاٹھ کباڑ میں کہیں چھپا دیا ہے۔'' محمود بولا۔

''اوہ۔'' فاروق اور فرزانہ کے منہ سے ایک ساتھ نکلا، کیونکہ اس صورت میں ان کا کام اتنا آسان نہیں رہا تھا، جب کہ تقریب شروع ہونے میں اب صرف آدھ گھنٹا باقی رہ گیا تھا۔

☆☆☆

تعارف

بم کے آڑ کباڑ میں چھپے ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ آسانی سے اسے [illegible]نہیں کر سکتے تھے۔ وہ کامیاب بھی ہو سکتے تھے اور ناکام بھی، چنانچہ انہوں نے [illegible]ے تلاش شروع کر دی۔ پانچ منٹ اور گزر گئے۔ ابھی تک انہیں بم کہیں دکھائی [illegible]دیا تھا۔

''فاروق، تم فرزانہ کو لے کر ذرا اوپر ایک نظر ڈال آؤ۔ اب تک کتنے [illegible]آ چکے ہیں۔ عالم رومی صاحب کو بتاتے آنا کہ ہم تہہ خانے میں بم تلاش کرنے [illegible]کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر مل گیا تو ٹھیک ہے، ورنہ پونے آٹھ بجے کوٹھی خالی [illegible]ے کے بارے میں ذہنی طور پر تیار رہیں۔''

''اچھی بات ہے، ہم ان سے یہ بات کہہ دیں گے، لیکن میرا خیال ہے کہ [illegible]خالی کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔''

''اس صورت میں ہم چیخ چیخ کر پوری کوٹھی میں موجود لوگوں کو خطرے [illegible]کر دیں گے اور اپنے انکل کو لے کر نکل جائیں گے۔ ان لوگوں کی مرضی، جو [illegible]یں۔'' محمود نے کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔'' فاروق نے کہا اور فرزانہ کو لے کر سیڑھیوں کی طرف

دونوں ہال کے دروازے پر پہنچے۔ یہاں عالم رومی کہیں بھی نظر نہ آئے،

البتہ طائر صدیقی ضرور موجود تھے۔ ہال میں مہمانوں کے لیے جو بہترین قسم کی کر
بچھائی گئی تھیں، وہ اب بھرنے لگی تھیں۔ گویا مہمانوں کی آمد بہت تیزی سے ش
ہو چکی تھی۔

"عالم رومی صاحب کہاں ہوں گے جناب؟" فاروق نے طائر
سے پوچھا۔

"گیٹ پر، مہمانوں کا استقبال کر رہے ہیں۔"

"آؤ بھئی فرزانہ۔"

"خیر تو ہے، بہت گھبرائے ہوئے نظر آرہے ہو۔" طائر صدیقی نے
گھورا۔

"جی کوئی خاص بات نہیں۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے مڑے
دروازے کی طرف چل پڑے۔ عالم رومی کو انہوں نے دور سے ہی دیکھ لیا۔
سے اترنے والے کچھ مہمانوں سے ہاتھ ملا رہے تھے۔ یہ ان کے نزدیک
فاروق نے ان کے کان میں کہا۔

"ہم تہہ خانے میں ابھی تک بم تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو
اگر پونے آٹھ بجے تک بھی ہم کامیاب نہ ہوئے تو کوٹھی خالی کرنے میں ہی
ہے۔ آپ ذہنی طور پر تیار رہیے گا۔"

"شکریہ، بم کہیں ہو تو ملے بھی۔ پولیس پوری طرح چھان بین
آپ بھی دیکھ چکے، اب شک کس بات کا رہ گیا ہے۔ ان حالات میں میں نہیں
کوٹھی خالی کرانے کی کوئی ضرورت ہے۔"

"جیسے آپ کی مرضی، ہم اپنا فرض پورا کر چکے۔ آؤ فف، فف، فف
فاروق کی زبان ف پر اٹک کر رہ گئی۔ فرزانہ نے اسے کھا جانے والی نظروں

لی:

"میرا نام فف، فف، فف نہیں صرف فرزانہ ہے۔"

فاروق نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تو کار سے اترنے
ایک مہمان کو دیکھ رہا تھا۔ فرزانہ نے بھی چونک کر ادھر دیکھا اور پھر اس کی
ں میں بھی حیرت اور خوف دوڑ گیا۔ کار سے اترنے والے خان رحمان کے علاوہ
نہیں ہو سکتے تھے۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ انہیں دیکھ لیتے، وہ تیزی سے مڑے
کی طرف بڑھ گئے۔

"لو بھئی، یہاں تو انکل خان رحمان بھی آگئے۔"

"اور پروفیسر انکل بھی آتے ہوں گے۔" فرزانہ مسکرائی۔ "حیرت ہے،
کا آخر کون کون دوست ہے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے، ان کا دوستی کا حلقہ بہت وسیع ہے۔"

وہ چلتے چلتے رک گئے اور دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ خان رحمان کو
گزرنا تھا۔ جلد ہی قدموں کی آواز ابھری اور خان رحمان آتے نظر آئے۔ وہ
چلے آرہے تھے۔ ابھی تک انہوں نے ان دونوں کو نہیں دیکھا تھا۔

"السلام علیکم انکل۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"ارے باپ رے۔" خان رحمان اچھل پڑے، پھر حیرت بھری نظروں
کھنے لگے۔ آخر ان کے منہ سے نکلا:

"ارے، کیا تم لوگ بھی تقریب میں بلائے گئے ہو؟ کیا جشید بھی آیا

"جی نہیں، ہمیں بلایا نہیں گیا۔ ہمیں تو یہاں مجبوراً آنا پڑا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، یہاں کوئی گڑبڑ ہے۔"

"جی ہاں، ہمارا خیال تو یہی ہے۔"

"باپ رے۔ پھر تو تمہارا خیال غلط نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے کہا۔

"جب کہ عالم رومی صاحب کا خیال ہے کہ ہمارا خیال غلط ہے۔"

"وہ تمہیں جانتے نہیں، اسی لیے انہوں نے یہ کہا ہوگا۔ جلدی سے بتاؤ، معاملہ کیا ہے؟"

انہوں نے مختصر طور پر انہیں بتا دیا۔ خان رحمان کا چہرہ سفید پڑ گیا انہوں نے کہا:

"آؤ، میں رومی سے بات کرتا ہوں۔"

"ابھی نہیں انکل، پہلے ہمیں کوشش کر لینے دیں۔"

"اچھا، تو پھر میں ہال میں چلتا ہوں۔ میری مدد کی ضرورت ہو آ جانا۔"

"جی ضرور۔"

وہ چلے گئے۔ انہوں نے گیٹ کی طرف دیکھا اور مڑنے ہی لگے پروفیسر داؤد کی کار نظر آئی۔ وہ کار سے اتر رہے تھے۔

"لو بھئی، پروفیسر انکل بھی آ گئے۔ ان سے بھی مل لینا چاہیے۔"

"ہاں، کم از کم یہاں ہمارے دو ووٹ تو ہو ہی گئے۔" فرزانہ مسکرا

پروفیسر داؤد جب ان کے نزدیک سے گزرے تو انہوں نے لیا۔ ان کی آنکھوں میں حیرت کی بجلی چمکی۔

"یہ میں کیا واقعی تم لوگوں کو دیکھ رہا ہوں، لیکن محمود کہاں ہے؟"

"جی وہ بھی یہیں موجود ہے۔"

"تو تم لوگوں کی بھی یہاں دعوت ہے۔ حیرت ہے، میں سوچ بھی

شید بھی رومی کا دوست ہے۔" انہوں نے کہا۔

"جی نہیں، وہ ان کے دوست نہیں ہیں، صرف ہم یہاں آئے ہیں۔"

"یا اللہ رحم۔ تمہارا آنا تو پھر خطرے کی گھنٹی ہے۔" انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

"خطرے کا گھنٹا کہیے انکل۔" یہ کہہ کر فاروق نے انہیں بھی مختصر طور پر بتا دیا۔ پروفیسر داؤد کا رنگ زرد پڑ گیا۔ انہوں نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"میرے خدا، اب کیا ہوگا۔"

"فکر نہ کریں، ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔ اگر پونے آٹھ بجے تک بھی تو ہم سب لوگوں کو کوٹھی سے نکل جانے کا مشورہ دیں گے۔"

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا، اچھا میں چلتا ہوں۔"

اور ہاں، یہ بھی سن لیجیے۔ یہاں انکل خان رحمان بھی موجود ہیں۔ ابھی ہیں۔"

"ارے اچھا۔" انہوں نے چونک کر کہا۔ پھر تیز تیز قدم اٹھاتے آگے

"چلو فرزانہ، اب ہم تہہ خانے میں چلیں، تاکہ معلوم ہو، محمود کوئی تیر مار سکا

"ہاں ٹھیک، فف، فف، فف......" فرزانہ ہکلانے لگی۔

"مجھ پر جوابی حملہ کر رہی ہو۔ بری بات ہے، آؤ چلیں۔" فاروق نے منہ جب اس نے فرزانہ کو اپنے پیچھے آتے محسوس نہ کیا تو مڑا اور پھر اس کی رت سے پھیل گئیں، خوف ان میں سما گیا۔

☆☆

گیٹ پر ایک لمبی سی کار اسی وقت آ کر رکی تھی۔ پہلے اس میں سے ڈرائیور

اترا۔ پھر ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھولا۔ ساتھ والی سیٹ پر انسپکٹر جمشید بیٹھے تھے، وہ بھی
کار سے باہر نکل آئے، پھر ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھولا اور انہوں نے دیکھا، ا
سے وزیرِ خارجہ باہر آ رہے تھے۔

"ارے باپ رے، ابا جان بھی آ گئے اور وزیرِ خارجہ بھی۔" فاروق
تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔

"اب۔ اب کیا ہوگا؟"

"وہ، وہ وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا۔" فاروق ہکلایا۔

"میرا خیال ہے، ہم ابا جان کو بھی اپنی صورتیں دکھا ہی دیں۔ ہمیں یہا
دیکھ کر وہ خبردار تو ہو ہی جائیں گے۔"

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا، لیکن شاید وہ ہم سے بات نہ کر سکیں، کیونکہ وز
خارجہ ساتھ ہیں۔"

"بات نہ کریں، ہمیں دیکھ تو لیں۔" فرزانہ بولی۔

جلد ہی وزیرِ خارجہ، انسپکٹر جمشید اور عالم روی آتے نظر آئے۔ رو
صاحب شاید انہیں ہال تک پہنچانے کا فریضہ انجام دینا چاہتے تھے۔ انسپکٹر جمشید
انہیں دور سے ہی دیکھ لیا۔ ان کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ یہ شکنیں ناگواری کی ہی تھیں
اور الجھن کی بھی، گویا انہیں فاروق اور فرزانہ کی یہاں موجودگی ناگوار گزر رہی تھی۔ لیکن
انہیں یہاں دیکھ کر وہ الجھن میں بھی مبتلا ہو گئے تھے اور پھر وہی ہوا جو فاروق نے
تھا، یعنی انسپکٹر جمشید ان کے پاس سے اس طرح گزر گئے، جیسے انہوں نے انہیں دیکھا
ہی نہیں۔

"آؤ بھئی، ہم اپنے تہ خانے میں چلیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"رو کیوں رہے ہو؟" فرزانہ مسکرائی۔

"ابا جان نے تو ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔"

"دیکھا تو خیر انہوں نے ہے، لیکن وہ بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں
موقع نکال کر وہ ہمارے پاس ضرور پہنچیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔ اول تو پروفیسر
خان رحمان ہی انہیں حالات سے باخبر کر دیں گے۔ ہمیں اب اور یہاں
رہنا چاہیے۔"

دونوں واپس تہ خانے میں پہنچے۔ محمود کا سارا جسم اب گرد اور جالوں سے
وہ کوئی کباڑیا نظر آ رہا تھا اور چیزوں میں اس طرح گم تھا کہ اسے ان کی
ہی نہیں ہو سکی۔ وہ ایک ایک چیز کو اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا تھا اور ایک طرف رکھتا

"بھئی واہ، خاندانی کباڑیے لگ رہے ہو۔" فاروق نے شوخ آواز میں

"کیا کر آئے ہو؟" محمود نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"بڑے بڑے لوگ اوپر آ چکے ہیں۔ عالم روی کو ہم خبردار کر آئے ہیں۔
اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ اوپر نہ صرف پروفیسر انکل موجود ہیں،
ن رحمان بھی ہیں۔"

"اوہو اچھا۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"جی نہیں، اوپر وزیرِ خارجہ اور ابا جان بھی موجود ہیں۔"

"کیا؟" محمود کے منہ سے نکلا اور پھر اس کی آنکھیں پھیل گئیں، بھرا
ہوئے انداز میں کہا:

"اور ادھر میں ابھی تک ناکامی سے دوچار ہوں۔"

"اللہ مدد کرنے والا ہے۔ لو ہم بھی تمہارا ساتھ دیتے ہیں۔"

تینوں کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔ ساتھ ہی دل بھی تیزی سے
دھڑکنے لگے، پھر دس منٹ اور گزر گئے، یعنی پونے آٹھ بج گئے اور وہ بم ابھی تک
تلاش نہیں کر سکے تھے۔

"بس، اب ہم اور خطرہ مول نہیں لے سکتے، آؤ سب کو خطرے سے آگاہ
کر دیں۔"

"ہاں، اس کے علاوہ ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

وہ ہاتھ اور کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے قدم جلدی
جلدی اٹھنے لگے۔ ان کے حلیے حد درجے خراب ہو چکے تھے، لیکن اب حلیے درست
کرنے کا وقت کس کے پاس تھا۔ آخر وہ ہال کے دروازے پر پہنچ گئے۔ یہاں سب
مہمان آ چکے تھے۔ عالم رومی کی بیٹی رومانہ دلہن بنی دوسرے سرے پر ایک اسٹیج نما تخت
پر بیٹھی تھی۔ اس کے گلے میں نوٹوں کے بے شمار ہار تھے۔ ہاتھوں میں بھی بے شمار سرخ
سرخ نوٹ تھے۔ انہوں نے پورے ہال پر ایک نظر ڈالی۔ کوئی بھی ان کی طرف نہیں
دیکھ رہا تھا۔ سب دلہن کی طرف متوجہ تھے، البتہ ایک شخص نے انہیں ضرور دیکھ لیا، ان
کے چہروں پر خوف دوڑ گیا، وہ بے چین ہو گئے، کیونکہ وہ انسپکٹر جمشید تھے اور
انسپکٹر جمشید ان سے بخوبی واقف تھے، لیکن اس کے باوجود وہ وزیر خارجہ کے پاس سے
نہ ہٹے، البتہ ان کی نظریں بجلی کی طرح چاروں طرف دوڑنے لگیں۔

"حضرات، توجہ فرمائیے۔ ہم ایک ضروری بات آپ لوگوں کو بتانا چاہتے
ہیں۔" محمود نے بلند آواز میں کہا۔ اس کی آواز ہال میں گونج کر رہ گئی۔ سب کے
سب جو دلہن کو دیکھ رہے تھے، چونک کر ان کی طرف مڑے۔ انہوں نے آنکھیں پھاڑ
پھاڑ کر ان تین بدحالوں کو دیکھا۔ جن کے کپڑے گرد اور جالوں نے خراب کر دیے
تھے اور جن کے بال تک گرد سے سفید نظر آ رہے تھے۔

عالم رومی کی نظر ان پر پڑی تو ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ خان رحمان
ور فیروز داؤد انہیں دیکھ کر بوکھلا اٹھے۔ وزیر خارجہ نے بھی حیرت بھری نظروں سے
ہیں دیکھا، کیونکہ وہ انہیں اچھی طرح جانتے تھے۔

"میری اجازت کے بغیر تم ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالو گے۔" عالم رومی
کر بولے۔

"تو پھر آپ ہمیں اجازت دے ہی دیں، کیونکہ اب خاموشی خطرناک
ہو سکتی ہے۔"

"ہرگز نہیں، تم لوگوں کو وہم ہو گیا ہے۔ رنگ میں بھنگ نہ ڈالو۔" انہوں
گلا پھاڑا۔

"رومی صاحب، رومی صاحب، کچھ ہمیں بھی بتائیے، معاملہ کیا ہے؟"
ارجہ آگے بڑھے اور انہوں نے اپنا ہاتھ ان کے کندھے پر رکھ دیا۔

"کوئی بات نہیں جناب، ان تینوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" رومی
ب نے بھنائی ہوئی آواز میں کہا۔

"شاید آپ انہیں نہیں جانتے۔ یہ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں۔"

"کیا؟" اس مرتبہ رومی صاحب کی آواز نے پورے ہال میں گونج پیدا
ی۔

☆☆☆

سگریٹ کا پیکٹ

"جی ہاں، یہ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں۔ جو کچھ یہ کہنا چاہتے ہیں، انہیں کہنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ یہ بغیر کسی وجہ کے تو ہمیں کسی خطرے سے باخبر نہیں کر سکتے اور پھر آج کے دن تو خطرے کی اطلاع میرے نجومی دوست نے خود مجھے دی تھی۔" وزیرِ خارجہ کہتے چلے گئے۔

"جی کیا مطلب؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"آج صبح سویرے میرا دوست میرے پاس آیا تھا۔ وہ علم نجوم اور پامسٹری کا بہترین ماہر ہے۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی پیشن گوئیاں کر چکا ہے اور اس کی ہر بات سچ ثابت ہوئی ہے۔ آتے ہی کہنے لگا، آج آپ کی زندگی کو خطرہ ہے۔ یا تو کوئی آپ پر حملہ آور ہوگا یا آپ کو کوئی اور حادثہ پیش آنے کی زبردست امید ہے، اس لیے آپ فوراً اپنی حفاظت کا بندوبست کر لیں اور آج کے دن گھر سے باہر نہ نکلیں۔ میں اس کی بات سن کر پریشان ہو گیا۔ اسے بتایا کہ آج میں صبح سے شام تک تو ضرور گھر میں رہ سکتا ہوں، لیکن رات کو ساڑھے سات بجے مجھے ایک پارٹی میں جانا ہے اور وہاں میرا جانا بہت ضروری ہے۔ اس پر اس نے کہا کہ ہرگز نہ جائیں، لیکن میں نے مجبوری ظاہر کر دی، پھر انسپکٹر جمشید کو فون کیا۔ یہ میرے پاس آ گئے۔ میں نے انہیں اپنے دوست کی پیشن گوئی کے بارے میں بتایا اور کہا کہ یہ آج کا دن میرے ساتھ رہیں۔ انہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ چنانچہ یہ تمام دن میرے ساتھ رہے اور یہاں بھی میرے

ساتھ آئے ہیں۔ اب اگر یہاں کسی قسم کے خطرے کے امکانات ہیں تو وہ امکانات فضول نہیں ہو سکتے، لہٰذا رومی صاحب آپ کی طرف سے ان تینوں کو میں اجازت دیتا ہوں۔ چلو بھئی، بتاؤ کیا بات ہے؟"

وزیرِ خارجہ کی اس تفصیل کے دوران وہ بے تابی سے بار بار گھڑی کی طرف دیکھتے رہے تھے۔ انہیں فکر تھا تو یہ کہ کہیں یہ تقریر لمبی ہی نہ ہوتی چلی جائے۔ ان کے خاموش ہونے پر انہوں نے سکھ کا سانس لیا اور پھر محمود نے کہا:

"خطرہ ہے کہ ٹھیک آٹھ بجے اس کوٹھی میں کوئی بم پھٹے گا۔ اور سب کچھ تہس نہس ہو جائے گا۔ بم رومی صاحب کے ایک دشمن نے رکھا ہے، ہم اس بم کو تلاش کرنے کی سر توڑ کوشش کر چکے ہیں۔ پولیس بھی کوشش کر چکی ہے۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی، لہٰذا مہربانی فرما کر جلد از جلد کوٹھی خالی کر دی جائے۔ اب ہمارے پاس صرف چند منٹ رہ گئے ہیں۔" اس نے ایک بار پھر گھڑی کی طرف دیکھا۔

"لیکن تمہیں کیسے پتا چلا کہ بم رکھا گیا ہے؟" طائر صدیقی نے تلملائے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ ہم باہر جا کر بھی بتا سکتے ہیں۔"

"ٹھہریے جناب، ان کی اطلاع پر میں نے پولیس کو بلایا تھا۔ اس نے کوٹھی کے ایک ایک چپے کی تلاشی لی تھی، لیکن کہیں بھی کوئی بم نظر نہیں آیا۔ انہوں نے کوشش کی، لیکن ناکام رہے، لہٰذا میں نہیں سمجھتا کہ کوٹھی خالی کرنے کی کوئی ضرورت ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" طائر صدیقی بولا۔

"لیکن چند منٹ کے لیے کوٹھی خالی کر دینے میں حرج بھی کیا ہے۔ اگر ٹھیک آٹھ بجے تک بھی کوئی بم نہ پھٹا تو ہم واپس آ کر تقریب شروع کر سکتے

ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے پہلی بار اس معاملے میں زبان ہلائی۔

"ٹھیک ہے، مجھے انسپکٹر جمشید کی بات سے اتفاق ہے۔" وزیر خارجہ بولے۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" رومی صاحب نے مرجھائی ہوئی آواز میں کہا۔

اور پھر وہ سب افراتفری کے عالم میں باہر کی طرف دوڑ پڑے۔ بیسیوں قدموں کی آواز نے کوٹھی کو ہلا کر رکھ دیا۔ صرف تین منٹ میں کوٹھی خالی تھی اور وہ اس سے کافی فاصلے پر کھڑے تھے۔ اب سب کی نظریں بار بار گھڑیوں پر اُٹھ رہی تھیں۔ دل دھک دھک کر رہے تھے۔

"ہاں بھئی، تمہیں کس طرح پتا چلا کہ یہاں بم رکھا گیا ہے؟"

محمود نے تفصیل سنا دی۔ اور یہ بھی بتایا کہ انہوں نے اس کوٹھی کو تلاش کرنے کے لیے کیا کچھ کیا ہے۔ تمہاری کوششیں قابل قدر ہیں۔ رومی صاحب، دھمکی آمیز خط ملنے کے باوجود آپ یہاں بم کی موجودگی کا خطرہ محسوس نہیں کر رہے تھے؟" وزیر خارجہ نے حیران ہو کر کہا۔

"وہ اس لیے کہ پولیس اپنا اطمینان کر چکی تھی۔"

"پولیس سے زیادہ ایسی چیزوں کو تلاش کرنے میں یہ لوگ ماہر ہیں۔ اگر یہ بھی تلاش نہیں کر سکے تو پھر مجرم نے بم رکھا ہی کسی ایسی جگہ ہوگا جہاں ان کا بھی خیال نہیں جا سکا۔ آپ کو تو ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔" وزیر خارجہ نے جلدی جلدی کہا۔

"شکریہ تو جناب میں اس وقت ادا کروں گا، جب بم پھٹے گا۔"

"میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ بم نہیں پھٹے گا۔" رومی صاحب بھی مسکرائے۔

"خیر، اب تو صرف چند منٹ کی بات ہے۔ جو کچھ بھی ہونا ہے، سامنے آ جائے گا۔" انسپکٹر جمشید نے اس بحث کو ختم کرنے کے لیے کہا۔

اور پھر آٹھ بج گئے، لیکن بم نہ پھٹا۔ اب سب کی نظریں محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرف گھوم گئیں۔ اس دوران آس پاس کی کوٹھیوں میں بھی یہ وحشت ناک خبر پھیل چکی تھی، اس لیے وہ بھی اپنی اپنی کوٹھیوں سے باہر نکل آئے تھے، اگرچہ رومی صاحب کی کوٹھی دوسری کوٹھیوں سے الگ تھلگ تھی اور اگر اس میں بم پھٹتا تو دوسری کوٹھیوں کو نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا، لیکن خوف نے انہیں بھی باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔ وہ لوگ بھی اب ان میں شامل ہو چکے تھے۔

"دیکھا جناب، میں نے پہلے ہی کہا تھا۔" رومی صاحب بُرا سا منہ بنا کر بولے۔

"لیکن ابھی تو صرف آٹھ بجے ہیں بھئی، ابھی ہمیں چند منٹ اور انتظار کرنا چاہیے۔ کیا خبر، بم پر کیا وقت سیٹ کیا گیا ہے۔" ایک شخص نے کہا۔

"ضرور ضرور، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ جب آپ سب کھڑے ہیں تو میں کیوں نہیں کھڑا ہو سکتا۔" رومی صاحب بولے۔

آٹھ بج کر پانچ منٹ پر ان میں سے اکثر کا خیال یہ تھا کہ بم نہیں پھٹے گا۔

"میرا خیال ہے، اب اندر چلنا چاہیے۔" ظاہر صدیقی بولا۔

"ابھی نہیں، ہمیں کچھ دیر اور ٹھہرنا چاہیے۔"

"رومی صاحب، آپ کی یہ پارٹی کتنی دیر تک جاری رہنا تھی؟" اچانک فرزانہ نے پوچھا۔

"رات کے دس بجے تک۔ پہلے منگنی کی رسم ادا کرنا تھی۔ اس کے بعد کھانے کا دور چلنا تھا اور پھر کافی۔ اس طرح کم از کم دو گھنٹے تو ضرور لگتے۔ کیوں، یہ

کیوں پوچھا آپ نے؟"

"پھر تو ہمیں دس بجے سے پہلے کوٹھی میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔" اس نے کہا۔

"تو کیا ہم دو گھنٹے تک یہاں کھڑے رہیں گے؟" رومی صاحب نے بوکھلا کر کہا۔

"کھڑے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم آس پاس کی کسی کوٹھی میں جا کر بیٹھ سکتے ہیں۔"

"یہ ایک معقول ترین تجویز ہے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ پارٹی اب کسی اور دن ہی ہونی چاہیے۔ اس دوران یہ لوگ اس شخص کا سراغ بھی لگا لیں گے۔ جو رومی صاحب کا دشمن ہے اور ساتھ ہی ان کے مہمانوں کو بھی ہلاک کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا ہے۔ اس کی گرفتاری کے بعد یہ پارٹی نہایت پرسکون فضا میں ہو سکے گی۔" وزیر خارجہ نے مشورہ دیا۔

"لیکن جناب، سارے انتظامات تو بے کار جائیں گے۔" رومی صاحب بولے۔

"بھئی رومی صاحب، یہ انتظامات زندگی سے زیادہ قیمتی نہیں ہو سکتے۔ میں تو یہی کہوں گا کہ آج پارٹی ملتوی کر دی جائے۔"

"یہ تجویز تو ہم انہیں شام سے پیش کرتے رہے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"جیسے آپ کی مرضی، آپ لوگوں میں سے جو رخصت ہونا چاہیں، تشریف لے جا سکتے ہیں۔ تقریب کی نئی تاریخ سے آپ لوگوں کو جلد آگاہ کر دیا جائے

گا۔" رومی صاحب نے بلند آواز میں کہا۔

"چلو جمشید، مجھے گھر تک چھوڑ آؤ۔ اس کے بعد تم فارغ ہو گے۔"

"بہتر سر۔"

"لیکن جناب، آپ کو کاروں کی طرف جانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔" فرزانہ بول پڑی۔

"اوہ۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں، کاریں کوٹھی کے آس پاس موجود ہیں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

ان کے اٹھتے قدم رک گئے۔ اب وہ ایک بار پھر دم بخود کھڑے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کاروں کے بغیر کس طرح جائیں۔ آخر کسی نے کہا:

"تو پھر ٹیکسیوں کو روکنا شروع کر دینا چاہیے۔ جن لوگوں کے پاس ایک سے زائد کاریں ہیں، وہ اپنے گھروں میں فون کر کے دوسری کاریں منگا لیں۔"

"اب بھی......"

اس کے ساتھ ہی کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا۔

☆☆

زمین انہیں ہلتی محسوس ہوئی تھی، بلکہ پہلے تو یوں محسوس ہوا تھا جیسے پیروں سے زمین نکلی جا رہی ہو۔ وہ بھی محاورتاً نہیں، واقعتاً۔ پھر گرد کے ایک طوفان نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ آنکھوں کو گرد سے بچاتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگے۔ یہاں تک کہ کوٹھی سے بہت دور چلے گئے۔ اسی وقت ایک دھماکا ہوا۔ پھر اوپر تلے دو دھماکے اور ہوئے۔ ان سب کے جسموں میں اب تھرتھری دوڑ رہی تھی۔ رنگ بالکل اڑ چکے تھے۔ چہرے دھواں ہو رہے تھے۔ کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔

پندرہ منٹ کے بعد کہیں جا کر گرد کا طوفان چھٹا۔ انہوں نے دیکھا، رومی صاحب کی کوٹھی ملبے کا ڈھیر بن چکی تھی۔ کاریں پچک گئی تھیں اور آس پاس کی کوٹھیوں کے شیشے ٹوٹ چکے تھے۔ انہوں نے یہ منظر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا، پھر سب سے پہلے وزیرِ خارجہ کی تھر تھر کانپتی آواز سنائی دی:

"اف خدا، میرا دوست کس قدر ماہرِ علم نجوم ہے۔ اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔"

ان کے جملے پر وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ اب عالم رومی صاحب تو بت بنے کھڑے تھے۔ ان کی آنکھیں بھی پتھرا گئی تھیں۔ یوں لگتا تھا، جیسے اب کبھی ان میں حرکت پیدا نہیں ہوگی۔

"رومی صاحب، ہوش میں آیئے اور اتنی بہت سی جانیں بچ جانے پر اللہ کا شکر بجا لایئے۔" طارق صدیقی نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"ہم، میں ہوش میں ہوں۔ وہ، وہ، تینوں کہاں ہیں۔ میں ان کے پاؤں چھو کر ان سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ وہ، وہ، کس قدر عظیم ہیں۔ انہیں دوسروں کا کس قدر احساس ہے۔ دوسروں کے لیے وہ صبح سے مارے مارے پھر رہے تھے اور میں تھا کہ ان کی بات کو جھٹلاتا رہا۔ کہاں ہیں وہ؟"

"ارے ارے، آپ جذباتی نہ ہوں۔ ہم تو اس قسم کے کام روز ہی کرتے ہیں۔ کوئی خاص طور پر آپ کے لیے نہیں کیا اور پھر دوسروں سے ہمدردی آج خود ہمارے بھی کام آ گئی، ورنہ ہمارے والد اور دو عزیز ترین انکل اس وقت اس دنیا میں نہ ہوتے۔" محمود نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

پھر وہ سب ملبے کی طرف بڑھے۔ کاروں کا جائزہ لیا گیا۔ سب بے کار ہو کر رہ گئی تھیں۔ آخر پولیس کو فون کیا اور دوسرے لوگ رخصت ہونے لگے

وزیرِ خارجہ کی بھی دوسری کار آ گئی اور انسپکٹر جمشید ان کے ساتھ جانے کے لیے کار کی طرف بڑھے، لیکن انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"بس بھئی، اب اس کی ضرورت نہیں۔ خطرہ سر سے ٹل چکا ہے۔ اب تم اس شخص کا سراغ لگانے کی کوشش کرو جو رومی صاحب کا دشمن ہے، ورنہ یہ بے چارے سکون کا سانس نہیں لے سکیں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں سر، ہم اسی وقت سے تفتیش شروع کر رہے ہیں۔"

"شکریہ۔" ان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کی کار آگے بڑھ گئی۔

جلد ہی پولیس موقع پر پہنچ گئی اور انسپکٹر جمشید انہیں ایک طرف کھینچ لائے۔

"ہاں بھئی، تو تمہارے خیال میں بم کہاں تھا؟"

"تہہ خانے میں، کیونکہ ہم نے وہاں بالکل تازہ قدموں کے نشانات دیکھے ہیں۔"

"تہہ خانے میں بم کوئی باہر کا آدمی تو رکھ نہیں سکتا۔ اس کا مطلب ہے، یہ ضرور کسی ملازم کا ہے۔ ہمیں رومی صاحب سے ملازموں کے بارے میں پوچھنا ہے۔ اس وقت تو سبھی ملازم ان کے ساتھ ہوں گے۔"

"خیال تو یہی ہے۔"

"اچھا تو تم جا کر رومی صاحب کو ذرا یہاں بلا لاؤ۔" انہوں نے محمود سے

وہ اس وقت پاس کی ایک کوٹھی میں اس کے مالک کی اجازت سے بیٹھے تھے۔ محمود جلد ہی رومی صاحب کو بلا لایا۔

"رومی صاحب، ہم چاہتے ہیں، جلد از جلد آپ کے دشمن کو گرفتار کر کے قانون کے حوالے کر دیا جائے۔ سب سے پہلے ہم آپ کے ملازموں کے بارے میں

جانا اور ان سے سوالات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے حال ہی میں کوئی نیا ملازم رکھا؟" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"جی ہاں، ایک ملازم رکھا تو تھا، لیکن وہ تو بہت بھولا بھالا سا بوڑھا ہے۔"

"بھولے بھالے بعض اوقات اندر سے پورے شیطان ہوتے ہیں۔ کتنے ملازم ہیں آپ کے ہاں؟" انہوں نے پوچھا۔

"تین ملازم اور ہیں، وہ تینوں ہی بہت پرانے ہیں۔"

"بہت بہتر، ذرا ان چاروں کو یہاں بھیج دیجیے۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔"

"اچھا۔" انہوں نے کہا اور کمرے سے نکل گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ تین ملازموں کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور پریشان آواز میں بولے:

"وہ۔ وہ، بوڑھا ملازم تو غائب ہے جناب۔"

"تب ہم اسی نے رکھے تھے۔ اس نے کیا پتا لکھوایا تھا؟"

"زبانی میں کس طرح بتا سکتا ہوں۔ اور ہر چیز تو ملبے کا ڈھیر بنی ہے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے لیے تفتیش کے راستے بند ہو چکے تھے۔

کچھ سوچ کر انسپکٹر جمشید بولے:

"اچھا، اس بوڑھے ملازم کا حلیہ کیا تھا، نام کیا بتایا تھا اس نے۔"

"اس نے اپنا نام شکور دین بتایا تھا۔ اس کے چہرے پر سفید داڑھی تھی، کمر جھکی ہوئی تھی۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی۔ جن کا رنگ بھورا تھا۔ درمیانے

...میں نے ترس کھا کر رکھ لیا تھا۔" انہوں نے بتایا۔

"کیوں بھئی، اس بوڑھے ملازم کو تہہ خانے کے بارے میں معلوم ہو گیا ...

"جی ہاں، میں نے اسے خود دکھایا تھا، تاکہ بے کار چیزیں تہہ خانے میں ...رے۔" ایک ملازم بولا۔

"ٹھیک ہے، اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ ان کے بعد انہوں نے کہا:

"تفتیش کے تمام راستے بند ہیں، لیکن نہیں، ذرا تم مجھے ایک ایک بات ...سناؤ۔ ہو سکتا ہے، کسی پہلو کو تم نظر انداز کر گئے ہو۔ دیکھو، کوئی معمولی سے ...بھی رہ نہ جائے۔"

"جی بہتر۔" محمود نے کہا اور پھر وہ تفصیل سے سنانے لگے۔ ان کے ...نے پر انسپکٹر جمشید کچھ دیر تک سوچ میں گم رہے، پھر بولے:

"چلو آؤ، مجھے وہ جگہ دکھاؤ، جہاں تم نے تین بھکاری بیٹھے دیکھے تھے۔"

تینوں نے انہیں حیران ہو کر دیکھا۔ تفصیل سناتے وقت انہوں نے ...ہی ذکر کیا تھا، لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ سب سے پہلے ان ...ں میں دلچسپی لیں گے۔

...باہر نکل کر اس طرف چل پڑے۔ آخر ایک جگہ رکتے ہوئے محمود نے کہا:

"...وہ تینوں یہاں بیٹھے تھے۔"

...پکٹر جمشید میونسپل کارپوریشن کے مرکزی بلب کی روشنی میں اس جگہ کا ...۔ تینوں کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ وہ کیا دیکھ ...ہوں نے زمین پر سے کچھ چیزیں بھی اٹھائیں۔ انہوں نے دیکھا، ان

کی ہتھیلی پر سگریٹ کے کئی بجھے ہوئے ٹکڑے دیا سلائیاں اور سگریٹ کا ایک خالی
تھا اور یہ پیکٹ غیر ملکی سگریٹوں کا تھا۔ انہوں نے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر دیکھے۔
سے چند ٹکڑے اسی پیکٹ کے تھے اور باقی ملکی سگریٹوں کے تھے جو بہت گھٹیا
تمباکو والے سگریٹ کے تھے۔

"گویا ان میں سے ایک ولایتی سگریٹ پی رہا تھا اور یہ دیا سلائیاں
رہے ہو، یہ بھی ملکی ماچس کی نہیں ہیں۔ ان کی نفاست سے صاف ظاہر ہے۔
اس کے پاس غیر ملکی تھی اور وہ بھکاری ان دونوں کے درمیان میں بیٹھا تھا۔
بتا سکتے ہو، درمیانی بھکاری کا حلیہ کیا تھا؟"

"لیکن آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہ درمیان میں ہی بیٹھا
فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"میں نے یہ چیزیں اندھا دھند زمین سے نہیں اٹھائیں۔ انہیں
وقت یہ بات ذہن میں رکھی ہے کہ کون سی چیز کہاں سے اٹھا رہا ہوں۔ یہ
ملکی دیا سلائیوں کے درمیان میں پڑی تھیں اور ولایتی سگریٹ کے ٹکڑے بھی
میں پڑے تھے۔ پیکٹ کچھ دور سے ملا ہے، لیکن آتا یہ بھی درمیان کی سیدھ
ہے۔ وہ کہتے چلے گئے۔

"مم، مجھے یاد آ گیا۔ میں نے تو اس بھکاری سے بات بھی
فرزانہ چونک کر بولی۔

"اس کا حلیہ بتاؤ۔"

"حلیہ، وہ بہت گندا تھا۔ آنکھوں میں بے تحاشا کیچڑ بھرا تھا۔
کچیل میں اٹے ہوئے تھے۔ کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ بس میں صرف اتنا
ہوں کہ اس کا چہرہ بہت چوڑا تھا اور آنکھیں کالی کالی تھیں۔"

"خیر، دیکھتے ہیں، اس کا تعلق اس واردات سے ہے یا نہیں۔ آج کل کے
تو بہت مالدار ہیں۔ ان کے لیے غیر ملکی سگریٹ پینا کوئی مشکل بات

"ابا جان، کیا آپ طائر صدیقی کو چیک نہیں کریں گے۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں کروں گا۔ آؤ دیکھیں پولیس کیا کر رہی ہے۔"
وہ ملبے کے ڈھیر کی طرف قدم اٹھانے لگے۔ پولیس کے بے شمار آدمی
نظر آئے۔ کچھ فاصلے پر عالم رومی اور طائر صدیقی کھڑے تھے، وہ آپس
رہے تھے۔

"عالم رومی صاحب، ہم آپ کے دوست سے کچھ سوالات کرنا چاہتے

"دیکھیے، ان پر کسی قسم کا شک کیا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ میرے بچپن کے
" رومی صاحب بولے۔

"کیا آپ یہ نہیں چاہتے کہ آپ کے دشمن کو گرفتار کر لیا جائے اور آپ
زندگی بسر کریں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیوں نہیں چاہتا، ضرور چاہتا ہوں۔"

"تو پھر ہمیں تفتیش اپنی مرضی کے مطابق کر لینے دیجیے۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں رومی صاحب، آخر اس میں حرج بھی کیا ہے۔"

"اچھا، جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔" انہوں نے بے چارگی کے عالم میں
کہے۔

"آپ ذرا الگ ہٹ آئیے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا، اسی وقت ایک آواز
سے ٹکرائی:

"ارے، یہ تو وہی ہیں۔"

انہوں نے دیکھا، انسپکٹر خالد رشید انہیں حیرت بھری نظروں سے د
تھا، پھر وہ انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھا۔

"معاف کیجیے گا جناب، میں آپ کو اور آپ کے بچوں کو پہچانتا نہیں
اس لیے بم کی تلاش کے دوران ان سے خشک انداز میں پیش آتا رہا۔"

"کوئی بات نہیں، آپ کی تعریف۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"انسپکٹر خالد رشید، تھوڑا عرصہ پہلے ہی تبدیل ہو کر آیا ہوں۔"

"اوہ اچھا۔ کیا خیال ہے، کچھ اندازہ ہو سکا کہ بم کہاں رکھے گئے
انہوں نے پوچھا۔

"جی ابھی تک تو نہیں، ملبہ ہٹایا جا رہا ہے۔ اس میں ابھی شاید کل
وقت لگے۔"

"ہوں، خیر آپ اپنا کام جاری رکھیں اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ
جگہ رکھے گئے تھے تو مجھے فون ضرور کر دیجیے گا۔" انہوں نے کہا۔

"جی بہت بہتر۔"

یہ کہہ کر وہ ملبے کے ڈھیر کی طرف مڑ گیا۔ اور وہ طائر صدیقی کو عا
سے دور کھینچ لے گئے۔

"تو آپ رومی صاحب کے بچپن کے دوست ہیں؟"

"جی ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔"

"آپ رہتے کہاں ہیں؟"

"یہاں سے کچھ ہی فاصلے پر میری کوٹھی ہے۔"

"اور آپ کا کاروبار کیا ہے؟"

"میرا اون کا کاروبار ہے۔" اس نے کہا۔

انہوں نے اور بھی ادھر ادھر کے سوالات کیے، لیکن کوئی کام کی بات نہ
ہو سکی۔ آخر وہ انہیں ساتھ لے کر پھر رومی صاحب کے پاس آئے۔

"لیجیے رومی صاحب، ہم آپ کے دوست کو لے آئے۔" وہ بولے۔

"اور میرا خیال ہے آپ کا اطمینان ہو گیا ہو گا۔" عالم رومی نے کہا۔

"جی ہاں، ان کا اس واردات سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔"

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا؟"

"آؤ بھئی چلیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا، لیکن پھر مڑتے ہوئے وہ اچانک
زمین سے کوئی چیز اٹھائی۔ عالم رومی اور طائر صدیقی نے ان کی یہ حرکت حیران
پھر رومی صاحب نے کہا:

"یہ۔ یہ آپ نے کیا چیز اٹھائی ہے؟"

"جی کچھ نہیں، صرف سگریٹ کا ایک مسلا ہوا ٹکڑا اٹھایا ہے۔" انہوں نے
اٹھا دیے۔ چند قدم آگے بڑھنے پر انہوں نے ٹکڑا ان کے سامنے کر دیا۔
انہوں نے دیکھا، وہ اسی غیر ملکی سگریٹ کا تھا، جس کا پیکٹ انہیں
جگہ سے ملا تھا۔

☆☆☆

اینٹ

"اس ٹکڑے کا یہاں کیا کام؟" فرزانہ کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"بھئی یہ سگریٹ ایک وہی بھکاری تو نہیں پیتا، اور بہت سے پینے والے بھی ہوں گے۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ہاں، ٹھیک ہے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ اس جگہ سگریٹ کون پی رہا تھا۔ عالم رومی صاحب کو تو ہم نے سگریٹ پیتے دیکھا ہی نہیں۔" محمود نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

"ان کے پاس طارق صدیقی جو کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ میں سگریٹ بھی تھا۔ اس سے پہلے بھی ایک سگریٹ ان کی انگلیوں میں رہا ہوگا۔" انسپکٹر جمشید معنی خیز لہجے میں بولے۔

"لیکن ابا جان، کم از کم بھکاری کے روپ میں طارق صدیقی نہیں تھا، کیونکہ ہمارے اندر داخل ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی طارق صدیقی بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ اور اتنی جلدی وہ بھکاری کا میک اپ اور کپڑے اتار کر کوٹھی تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

"یہ ناممکن بھی نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن اگر اسے کوٹھی میں آنا تھا اور پارٹی شروع ہونے تک موجود رہنا تھا تو پھر اسے کسی بھکاری کا روپ دھارنے کی کیا ضرورت تھی۔" محمود نے اعتراض

"محمود کے اعتراض میں وزن پایا جاتا ہے۔ کیوں ابا جان؟" فرزانہ بول

"لیکن کتنا، من دو من۔" فاروق نے سوالیہ لہجہ اختیار کیا۔

"ہاں، اس کی بات ٹھیک ہے۔ اسے بھکاری کے روپ میں وہاں بیٹھنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن وہ طارق صدیقی کا کوئی ساتھی بھی تو ہو سکتا ہے جو بم لے کر بیٹھا تھا۔ طارق صدیقی نے موقع پا کر بھیک دینے کے بہانے بم اس سے لیے اور میں عین اس وقت داخل ہو گیا جب پولیس اپنا اطمینان کر کے جا چکی تھی اور تم تہہ میں مصروف تھے۔ مطلب یہ کہ بم اس وقت کوٹھی میں لے جائے گئے، جب ہر اطمینان کر لیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بم تم لوگوں کو نہیں مل سکے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اس رخ سے تو انہوں نے ذرا لیے بھی نہیں سوچا تھا۔

"لیکن ابا جان، یہاں ایک اور اعتراض پیدا ہوتا ہے۔" اچانک محمود کو کچھ یاد آیا۔

"محمود پر تو آج اعتراضات کرنے کا بھوت سوار ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اور تم پر وقت ضائع کرنے کا۔ یہ جملہ کہہ کر تم نے چند سیکنڈ ضائع کیے۔" فرزانہ تلملا کر بولی۔

"تو تم نے کون سا کم لمبا جملہ کہا ہے، تم نے مجھ سے بھی زیادہ سیکنڈ ضائع کیے۔" فاروق نے اب بھی شوخ انداز میں کہا۔

"چپ رہو، اس طرح تو تم سیکنڈ ضائع کرتے چلے جاؤ گے۔ ہاں محمود، کیا پیدا ہوتا ہے یہاں۔" انسپکٹر جمشید جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"اگر یہ کام ان بھکاریوں یا بھکاریوں میں سے ایک اور طائر صدیقی کا ہے تو پھر وہ بوڑھا ملازم کیوں غائب ہے۔"

"او ہاں، اسے تو ہم بھول ہی گئے۔"

"میرے ذہن میں ایک بات آتی ہے ابا جان، یہ کہ بھکاری سے بم طائر صدیقی نہیں، وہ ملازم لے کر اندر گیا تھا۔ طائر صدیقی اتنا خطرناک کام اپنے ہاتھ سے کیوں کرنے لگا، جب کہ اس کے اشاروں پر ناچنے والے یہاں موجود تھے۔" فرزانہ نے کہا۔

"آخر ہم کھینچ تان کر طائر صدیقی کو ہی کیوں درمیان میں لا رہے ہیں۔ یہ کام ان بھکاریوں اور بوڑھے ملازم کا بھی تو ہو سکتا ہے۔" فاروق نے بہت دیر بعد بحث میں حصہ لیا۔

"لیکن تم اس حکم دینے والے کو کیوں بھول رہے ہو، جس کی آواز تم نے تجربہ گاہ میں سُنی تھی۔ کوئی تو ہے جو ان لوگوں سے کام لے رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید نفی میں سر ہلا کر بولے۔

"ٹھیک ہے، لیکن ضروری نہیں کہ وہ طائر صدیقی ہو۔ وہ کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔" فاروق نے اب بھی پرزور لہجے میں کہا۔

"یہاں یہ سگریٹ کے ٹکڑے اس کے راستے میں آ جاتے ہیں۔ بھکاریوں میں سے ایک جو غیر ملکی سگریٹ پی رہا تھا، ویسا ہی ایک ٹکڑا طائر صدیقی کے پاس سے ملا ہے۔" محمود نے کہا۔

"لیکن ابھی تک اس بات کی تصدیق نہیں ہو سکی کہ طائر صدیقی وہی سگریٹ استعمال کر رہا ہے۔ وہ ٹکڑا کسی اور کا پھینکا ہوا بھی ہو سکتا ہے۔" فاروق بولا۔

"بھئی واہ، اب تو فاروق دھڑا دھڑ بحث کر رہا ہے۔"

"اب میں بھی کیس میں دلچسپی لے رہا ہوں، ورنہ اس وقت تک تو بور ہی ہوتا رہا ہوں۔"

"حالانکہ حالات سنسنی خیز تھے۔" فرزانہ نے طنزیہ کہا۔

"آؤ ذرا طائر صدیقی کو چیک کریں کہ وہ کون سے سگریٹ پی رہا ہے۔" یک دم انسپکٹر جمشید بولے اور ان کے قدم ایک بار پھر کوٹھی کے ملبے کی طرف اٹھ گئے۔ عالم رومی اب بھی اسی جگہ کھڑے نظر آئے۔ جب کہ طائر صدیقی انہیں کہیں بھی نظر نہیں آ سکے۔

"آپ کے دوست نظر نہیں آ رہے۔" انسپکٹر جمشید نے ان کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔

"ملبے کی طرف ہی گیا ہے۔" عالم رومی چونک کر ان کی طرف مڑے۔

"خیر، ہم دیکھ لیتے ہیں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید آگے بڑھے۔

"کیا ابھی اس سے کچھ اور پوچھنا باقی ہے؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں، ایک سوال رہ گیا ہے۔ ویسے آپ کے دوست سگریٹ کون سے پیتے ہیں؟"

"پتا نہیں، میں سگریٹ پیتا ہی نہیں، لہٰذا کبھی اس سے پوچھنے کی ضرورت نہیں آئی۔" انہوں نے کہا۔

"ہوں، آؤ ذرا دیکھیں۔ یہ صدیقی صاحب کہاں ہیں اور کیا کرتے رہے ہیں۔"

اب وہ بھی ملبے کی طرف بڑھنے لگے۔ انہیں اس شاندار کوٹھی کا خیال رہ رہ کر آ رہا تھا، جو ابھی تھوڑی دیر پہلے پوری آب و تاب سے کھڑی تھی۔ خالد رشید کے

ساتھ ایک جگہ طارق صدیقی کھڑا نظر آ گیا۔ وہ ان کی طرف قدم اٹھانے لگے۔

"ہیلو صدیقی صاحب، کیا ہو رہا ہے۔"

"میں انسپکٹر صاحب سے باتیں کر رہا تھا۔ دراصل میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ کیا ہم ملبے کو ہٹا کر اس بات کا سراغ لگا سکتے ہیں کہ بم کہاں رکھے گئے تھے۔ اور اگر لگا بھی لیں تو کیا اس سے مجرم کی شخصیت پر سے پردہ اٹھ سکتا ہے۔"

"امکانات تو ہیں۔" خالد رشید بولا۔

"جی ہاں امکانات ہیں اور نہیں بھی ہیں، لیکن ہمیں اپنی سی کوشش تو کرنا پڑے گی، لیکن آپ فکر مند کیوں ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے بغور ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں سوچ رہا ہوں، اگر بم ملنے سے کوئی سراغ نہ ملا تو ہم مجرم کو کس طرح گرفتار کر سکیں گے۔ اس کے گرفتار نہ ہو سکنے کی صورت میں میرا دوست تو ایک عجیب مصیبت کا شکار ہو جائے گا۔"

"ہاں، بات تو ٹھیک ہے، لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ جو کچھ ہمارے بس میں ہے، وہ کیے جا رہے ہیں۔ مجرم گرفتار نہ کیا جا سکا تو پولیس کو عالم رومی صاحب کی حفاظت کرنا ہوگی۔" وہ بولے۔

"وہ تو خیر ہم کر ہی لیں گے۔" خالد رشید نے مسکرا کر کہا۔

اسی وقت انسپکٹر جمشید نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر چونکے ہوئے انداز میں بولے:

"اوہو، میرا سگریٹ کا پیکٹ کہاں رہ گیا۔ معاف کیجیے گا جناب، آپ ایک سگریٹ عنایت فرمائیں گے۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔" طارق صدیقی نے جلدی سے کہا اور جیب میں ہاتھ ڈالا۔

"آپ سگریٹ پیتے ہیں؟" خالد رشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"عادتاً نہیں، ضرورتاً پیتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی کیا مطلب؟" طارق صدیقی نے حیران ہو کر کہا۔

"جب کبھی میں نزلے کا شکار ہو جاتا ہوں تو سگریٹ کا دھواں ناک سے نکالتا ہوں، اس طرح ذرا مجھے سکون محسوس ہوتا ہے، اور بس۔"

"لیجیے جناب، سگریٹ حاضر ہے۔" طارق صدیقی نے پیکٹ کھول کر ان کے سامنے کر دیا۔ انہوں نے اس میں سے ایک سگریٹ نکال لیا اور یہ دیکھ کر ان کی مایوسی کی کوئی حد نہ رہی کہ سگریٹ غیر ملکی نہیں تھا۔

☆☆

پھر وہ ان سے اجازت لے کر واپس چل پڑے۔

"دھت تیرے کی، یہ کیا بات ہوئی۔" محمود نے ران پر ہاتھ مارا۔

"بات تو بہت دلچسپ ہوئی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی وہ کیسے، ہمارا تو خیال تھا کہ طارق صدیقی کی جیب سے غیر ملکی سگریٹ نکلے گا۔" محمود نے کہا۔

"ہاں، لیکن بات اسی وقت تو دلچسپ ہوتی ہے، جب امید کے خلاف نکلے۔ اب ہمیں اس بوڑھے ملازم اور اس بھکاری کو تلاش کرنا ہوگا۔ انہیں تلاش کیے بغیر ہم مجرم تک نہیں پہنچ سکتے۔" انہوں نے کہا۔

"لاحول ولا قوۃ، یہ تو کام لمبا ہو گیا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اتنا لمبا نہیں، جتنا تم خیال کر رہے ہو۔ ملبے میں سے اگر عالم رومی

صاحب کے کاغذات مل جاتے ہیں تو ہمیں اس ملازم کا پتا معلوم ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ کل ہم آس پاس کے بھکاریوں کو بھی دیکھیں گے۔ ان میں دو تیسرا بھکاری نظر آئے یا نہ آئے۔ وہ دونوں تو نظر آئیں گے ہی۔"

"گویا پروگرام کل پر جا پڑا۔"

"ہاں، مجبوری ہے۔ ملبہ کل سے پہلے ہٹے گا نہیں اور بھکاری صبح سے پہلے اب نظر نہیں آئیں گے، لہٰذا اب ہمیں گھر چل کر آرام ہی کرنا ہوگا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور پھر عالم رومی کے پاس پہنچ کر رک گئے۔

"ہمارا کام یہاں ختم ہو گیا ہے جناب۔ آپ کو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ خالد رشید صاحب سے کہہ کر دو کانسٹیبل اپنی حفاظت کے لیے رکھوا لیجیے گا اور اگر آپ کے کاغذات ملبے میں سے مل جائیں تو اس میں سے ہمیں اس ملازم کا پتا فون پر ضرور بتا دیجیے گا جو غائب ہے۔ یہ میرا کارڈ ہے۔ اس پر گھر اور دفتر کا فون نمبر درج ہیں۔"

"بہت بہتر۔" انہوں نے کہا اور وہ رخصت ہوئے۔ دوسرے دن انہیں ان کا فون موصول ہوا، وہ کہہ رہے تھے:

"کاغذات تجوری میں تھے۔ تجوری بالکل محفوظ ملی ہے، لہٰذا کاغذات بھی مل گئے ہیں۔ ملازم کا پتا نوٹ کر لیجیے۔"

فون انہیں دفتر کے نمبر پر ملا تھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ اس وقت اسکول میں تھے، چنانچہ وہ جیپ میں سوار ہوئے۔ انہیں اسکولوں سے لیا اور ملازم کے گھر کے پتے پر پہنچ گئے۔ گھر کا دروازہ انہیں بند ملا۔ دستک کے جواب میں بھی کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ انہوں نے دروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا، گویا اندر سے بند نہیں تھا۔ وہ اندر داخل ہو گئے۔ ایک ناگواری بو اچانک ان کے نتھنوں میں چلی آئی۔ انہوں نے سانس

روک لیے۔

"یہ۔ یہ بدبو، مکان کی تو ہو نہیں سکتی۔"

"ہاں، یہ بدبو....." ان کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اس وقت تک وہ مکان کے صحن میں پہنچ چکے تھے۔ ان کے اٹھتے قدم رک گئے۔ انہوں نے دیکھا، بوڑھا ملازم مردہ پڑا تھا۔ اس کا سر پھٹا ہوا تھا۔ کوئی وزنی چیز اس کے سر پر ماری گئی تھی۔

وہ دم بخود لاش کے پاس کھڑے رہ گئے۔ بدبو سے صاف ظاہر تھا کہ اسے رات ہی کسی وقت ختم کر دیا گیا تھا۔

"محمود، تم جا کر اکرام کو فون کر آؤ۔ اس سے کہنا، عملے کو بھی ساتھ لے آئے۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔

انسپکٹر جمشید پنجوں کے بل لاش کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ اوندھی پڑی تھی۔ انہوں نے احتیاط سے اسے تھوڑا سا اٹھا کر دیکھا اور پھر انہیں وہ چیز نظر آ گئی، جس سے اس کے سر پر وار کیا گیا تھا۔ وہ ایک اینٹ تھی۔

☆☆☆

خیال کی تہہ

انہوں نے اس کی جیبوں کی تلاشی لی تو اس میں سے ایک خط برآمد ہوا۔ خط ایک دوسرے شہر سے آیا تھا اور بھیجنے والے کا پورا پتا موجود تھا۔ چند دن پہلے ہی بھیج گیا تھا۔ خط میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اس کے کسی دوست کا لکھا ہوا تھا۔ بس خیریت ہی پوچھی تھی، تاہم اس خط سے انہیں یہ معلوم ہوگیا کہ بوڑھے کا اصلی نام شرف دین نہیں، تابو تھا۔ اس کی جیب سے سگریٹ کا ایک پیکٹ، ایک لائٹر اور تھوڑی سی نقدی بھی ملی۔ پیکٹ دیکھ کر انہیں بہت حیرت ہوئی۔ یہ بھی غیر ملکی تھا اور اسی برانڈ کے ٹکڑے انہیں کل دو جگہ سے مل چکے تھے۔

"حیرت ہے، اس کیس کے سارے مجرم غیر ملکی سگریٹ استعمال کر رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"انکل اکرام پندرہ منٹ تک آ رہے ہیں ابا جان۔" محمود نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ہوں، تم بھی یہ چیزیں دیکھ لو بھئی۔ اس بے چارے کو اینٹ سے ہلاک کیا گیا ہے۔ بم کوٹھی میں ضرور اسی کے ذریعے رکھوائے گئے تھے اور ہو سکتا ہے، میرا یہ خیال غلط ہو کہ بم آٹھ بجنے سے صرف چند منٹ پہلے رکھوائے گئے۔ اگر اس غریب کو ہلاک کیا گیا ہے تو اس کی کوئی خاص وجہ ضرور ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم اس کے ذریعے

یہ خانے تک پہنچائے گئے، پھر یہ پونے آٹھ بجے سے بھی پہلے وہاں سے کھسک کر گھر یعنی یہاں آ گیا اور رات میں کسی وقت قاتل کے ہاتھوں مارا گیا۔ ہم اس دوست سے رابطہ قائم کریں گے، جو دوسرے شہر میں رہتا ہے، شاید وہ اس کے بارے میں کچھ اور بتا سکے۔"

اکرام نے آتے ہی کارروائی شروع کر دی۔ اینٹ پر کسی کی انگلیوں کے نشانات نہیں ملے۔ انہوں نے بھی اینٹ کا بغور معائنہ کیا۔ وہ خون آلود تھی، تاہم اچھی حالت میں تھی، یعنی زیادہ پرانی نہیں تھی، جب کہ یہ مکان بہت پرانا تھا۔ آس پاس کے لوگوں نے انہیں بتایا تھا کہ مکان کرائے کا ہے۔ مالک مکان کسی دوسرے محلے میں رہتا ہے۔

"گویا اینٹ اس مکان کی نہیں ہے، اس پر سرخ رنگ بھی کیا ہوا ہے۔" جمشید بولے۔

"مطلب یہ کہ کسی ایسی دیوار کی اینٹ ہے، جس پر سرخ رنگ کیا گیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"کیا وقت آ گیا ہے، اب ہم لوگ اینٹوں پر تحقیق کریں گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھئی، تم پہاڑوں پر کر لینا۔ ہمیں اینٹوں پر ہی کر لینے دو۔" فرزانہ نے کہا۔

ڈاکٹر کے معائنہ کے مطابق تابو کو رات گیارہ بجے کے قریب ہلاک کیا گیا تھا۔ وہ سر پر چوٹ کھا کر گرا اور پھر اٹھ نہ سکا۔ قاتل نے اینٹ سر پر مارتے ہی ہاتھ سے چھوڑ دی تھی، اس لیے وہ اس کے گرنے سے پہلے زمین پر گری اور وہ اس کے اوپر منہ کے بل گرا۔ قاتل گویا پہلے سے تیار ہو کر آیا تھا اور اینٹ بھی اپنے ساتھ لایا تھا۔

ظاہر ہے، اس نے ہاتھوں پر دستانے بھی پہن رکھے تھے۔

دوسرے شہر مراد خان آباد میں محکمہ سراغرسانی کے ایک کارکن کے ذر
اس کے دوست کو ٹٹولا گیا تو پتا چلا کہ تابو کسی زمانے میں جیب کترا تھا۔ پھر اس نے
کام چھوڑ دیا اور شریفانہ زندگی بسر کرنے لگا۔ اس دوران وہ اس کا دوست بن گیا۔
ماہ پہلے تک وہ وہیں رہتا تھا، پھر اچانک اس کا دل اس شہر سے اچاٹ ہو گیا اور
دارالحکومت چلا گیا۔ جانے سے پہلے وہ بہت پریشان دکھائی دیتا تھا، لیکن اس
پریشانی کی کوئی وجہ نہیں بتائی۔ اسی لیے اس نے اس کی خیریت پوچھنے کے لیے
تھا۔ یہاں پہنچ کر مکان لیتے ہی اس نے اپنے دوست کو بھی خط لکھا تھا۔

یہ پیغام سُن کر انہوں نے اس کارکن کو فون پر ہدایات دیں:

"یہ معلوم کیا جائے کہ چند ماہ پہلے تابو کسی جرم کے سلسلے میں گرفتار ہو
گیا گیا تھا۔ اگر کیا گیا تھا تو اس نے کتنی سزا کاٹی تھی اور گرفتار کس کے ذریعے ہوا تھا۔"

"جی بہتر۔" کارکن نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد انہیں بتایا گیا کہ اس کی گرفتاری کا کہیں کوئی ریکارڈ نہیں
سکا۔ گویا تفتیش کی گاڑی ایک بار پھر ٹھپ ہو گئی تھی۔

"اب کیا کریں بھئی؟" انسپکٹر جمشید نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے اس بار کا مجرم بہت چالاک ہے۔"

"ہاں، یہ تو خیر ہے۔ ٹھہرو، مجھے ایک خیال سوجھا ہے۔" یہ کہہ کر وہ اکرام
کی طرف بڑھے اور اس سے سرگوشی کرنے لگے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے انہیں
حیران ہو کر دیکھا۔

"لو بھئی، ہم سے پردہ داری شروع ہو گئی۔ ابا جان اکیلے اکیلے کیس حل
کر لینا چاہتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"وہ اس کا حق رکھتے ہیں، کیونکہ وہ اپنی عقل سے کام لے رہے ہیں۔
ہمیں عقل سے کام لینے سے روکا تو نہیں۔ سب حالات ہمارے بھی سامنے
ہم کیوں عقل سے کام نہ لیں۔" فرزانہ نے ان کا ساتھ دیا۔

بات تو فرزانہ کی بھی معقول ہے۔" محمود مسکرایا۔

"اگر یہ بات ہے تو آؤ، ہم بھی سوچیں۔" فاروق بھنا اٹھا۔ اور واقعی سوچ
گیا۔

"اور وہ۔ بھی سوچ میں گم ہو گئے۔ انسپکٹر جمشید اکرام سے بات کر کے
اس سوچ میں گم پا کر بولے:

"کیا ہوا بھئی، خیر تو ہے؟"

"ابا جان، آپ کو ایک خیال سوجھا ہے نا۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں، سوجھا تو ہے۔" وہ بولے۔

اور اس خیال کی تصدیق آپ انکل اکرام سے کرائیں گے؟" محمود بولا۔

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔" وہ مسکرائے۔

"تو پھر ہم اس خیال کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں، کیونکہ ہم
آپ وہ خیال ہمیں نہیں بتائیں گے۔ اگر ہمیں بتانا ہوتا تو انکل سے سرگوشی
ہے نا ابا جان۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"بھئی واہ، تم تو عقل مند ہوتے جا رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"گویا پہلے ہم بے وقوف تھے۔" فرزانہ بُرا مان گئی۔

میں نے یہ تو نہیں کہا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

لیکن آپ کی بات کا مطلب تو یہی نکلتا ہے۔"

دیکھو بھئی، تم تو بال کی کھال اتارنے لگے، حالانکہ ہمیں پہلے قاتل کی

کھال اتارنا ہے۔"

"اس کی کھال کی کیا ضرورت پڑ گئی آپ کو۔" فاروق نے حیرت زد
کہا اور ان کی ہنسی نکل گئی۔

"اب یہاں ہمارا کام ختم ہو چکا ہے، اس لیے آؤ چلیں۔ گھر پ
سوچتے رہنا۔"

"کیوں ابا جان، کیا ان بھکاریوں کو چیک نہیں کریں گے؟"

"ارے ہاں، وہ تو رہ ہی گئے۔ آؤ چلیں۔"

وہ عالم رومی کی کوٹھی کے آس پاس بھکاریوں کو دیکھتے پھرے
بھکاریوں کا کہیں نام ونشان بھی نہ ملا۔ اس پر انہیں حیرت ہوئی۔

"کم از کم دو بھکاری تو نظر آنا ہی چاہیے تھے۔"

"ہو سکتا ہے، وہ تینوں ہی مجرم کے ساتھی ہوں۔" فرزانہ نے خیال
کیا۔

"ہاں، ہو تو سکتا ہے، لیکن پھر ان میں سے صرف ایک کیوں
سگریٹ پی رہا تھا۔ باقی دو کو بھی وہی سگریٹ پینے چاہیے تھے۔" فاروق نے ا
کیا۔

"بھئی، سگریٹ ہر کوئی اپنی پسند کے پیتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"گویا یہ راستہ بھی بند ہے۔" محمود نے نتیجہ نکالا۔

"ہاں، اب صرف اور صرف سوچنے کا راستہ باقی ہے اور آپ کے
مطابق ہم گھر جا کر سوچیں گے۔"

"تو پھر چلو۔"

"ابا جان، کیا طائر صدیقی کی نگرانی ہو رہی ہے۔" راستے میں فرزا

"نہیں تو، کیا تم چاہتی ہو کہ اس کی نگرانی کرائی جائے؟" انسپکٹر جمشید

"کیا آپ اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔"

"ضرورت محسوس کرنے کی بات نہیں۔ اس کیس میں وہ بھی مشکوک آدمی
س کی نگرانی ہونی چاہیے، لہٰذا میں اکرام کو پہلے ہی ہدایات دے چکا ہوں۔"
ے کہا۔

"تو کیا آپ نے ان کے کان میں یہی بات کہی تھی۔" فاروق جلدی سے

"اس کے علاوہ بھی کچھ کہا تھا۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

گھر پہنچے ہی تھے کہ ان کے فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف سے عالم رومی
سنائی دی:

"ہیلو، انسپکٹر جمشید صاحب، یہ آپ ہی ہیں؟"

"جی ہاں، فرمائیے۔"

"فوراً آئیے، میں یکا یک بے پناہ خوف محسوس کرنے لگا ہوں۔"

"کب سے۔" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے سے۔"

"لیکن کیوں؟"

"پ یہاں آ جائیے بس، میں اس وقت اپنے چھوٹے بھائی کی کوٹھی
ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے پتا بھی بتایا۔

"اچھا، میں آ رہا ہوں۔" انہوں نے کہا اور تینوں کو بتایا کہ عالم رومی کیا

چاہتے ہیں۔

"معلوم ہوتا ہے، یہ کیس ہمیں سکون کا سانس لینے کی مہلت نہیں د

گا۔"

"اگر تم تینوں گھر میں رہ کر غور کرنا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں

تنہا چلا جاتا ہوں۔" وہ بولے۔

"جی نہیں، ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔"

"تو پھر آؤ۔"

"اور یہ جو میں میز پر کھانا لگا چکی ہوں۔" بیگم جمشید نے جھنائے ہو

لہجے میں کہا۔

انہوں نے فوراً کلائی کی گھڑیاں دیکھیں، دوپہر کے کھانے کا وقت ہو

تھا۔

"ہمیں افسوس ہے بیگم، ایک شخص کی زندگی خطرے میں ہے۔ اور جہ

جان کر فکر میں مبتلا ہونے کی ضرورت محسوس ہوگی کہ وہ شخص خان رحمان، پروفیس

اور وزیر خارجہ تک کا دوست ہے۔"

"ارے، پھر تو جلدی جایئے۔" انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

"گویا تم فکر مند ہوگئیں۔ خیر اب اتنا فکر مند بھی نہ ہو جانا کہ کھانا کھا

خیال بھی دل سے نکل جائے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور باہر کی طرف

تیزی نے ان کا ساتھ دیا۔ آندھی اور طوفان کی طرح جیپ چلاتے وہ عالم رومی کی

تک پہنچے۔ اندر داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ عالم رومی اپنی بیٹی اور دوست

صدیقی کے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔ میز پر کھانا لگ چکا تھا۔ ایک ملازم

طرف کھڑا تھا۔ آس پاس کہیں کسی خطرے کے آثار نہیں تھے البتہ عالم رومی اور

ی کے رنگ ضرور سفید پڑ چکے تھے۔ میز پر ان کے چھوٹے بھائی یا اس کے گھر کے

ظر نہیں آئے۔

☆☆

"اوہ، آپ آگئے، خدایا تیرا شکر ہے۔" انہوں نے چونک کر کہا۔

"لیکن آپ فکر مند کیوں ہیں؟"

"ابھی ابھی وزیر خارجہ صاحب نے فون کیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کے

ت نے آج پھر ایک پیشین گوئی کی ہے۔" انہوں نے بتایا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

"ان کا کہنا ہے کہ آج پھر میری اور میرے گھر کے افراد کی زندگی خطرے

"

"اوہ، اتنی سی بات سے آپ خوف زدہ ہوگئے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو کیا یہ بات فکر مند ہونے والی نہیں۔" انہوں نے ناگوارانہ لہجے میں

"ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں کوئی خطرہ

۔ خیر، پہلے تو یہ بتایئے کہ آپ کے چھوٹے بھائی اور ان کے گھر کے افراد

؟"

"ان کے بیوی بچے اپنے نانکے گئے ہوئے تھے۔ میری اور رومانہ کی

کی وجہ سے انہیں ان کو لینے کے لیے جانا پڑا۔" انہوں نے بتایا۔

"تو کیا رات وہ دعوت میں شریک نہیں تھے؟"

"میرا چھوٹا بھائی تو دعوت میں موجود تھا۔ لیکن اس کے بیوی بچے نہیں

"وہ کیوں؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"میرے بھائی کے سسر کی طبیعت خراب ہو گئی تھی، لہٰذا اس نے بیوی اور بچوں کو تو ادھر بھیج دیا اور خود میری طرف آ گیا۔ اسی وجہ سے وہ بہت دیر سے آیا تھا۔"

"لیکن اب وہ کس طرح انہیں لینے چلے گئے؟"

"اس کے سسر دراصل دل کے مریض ہیں۔ کل انہیں اچانک دل کا دورہ پڑا تھا۔ اب سُنا ہے کہ ان کی حالت بالکل ٹھیک ہے۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔"

"لیکن آپ اتنا کرید کرید کر سوالات کیوں کر رہے ہیں؟" انہوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" وہ بولے۔

"اگر آپ میرے بھائی پر شک کر رہے ہیں تو اس کی ضرورت نہیں۔ وہ ایسا نہیں ہے۔"

"بہت اچھا، نہیں کرتے شک۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے، لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ اس مسکراہٹ کا مطلب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ یہ کہ وہ ایک کیس کے دوران کسی کو شک سے بری خیال نہیں کیا کرتے۔

"آپ لوگوں نے ابھی تک دوپہر کا کھانا نہیں کھایا ہوگا۔ میں نے آپ کے لیے بھی پلیٹیں لگوائی ہیں۔" امید ہے، آپ اس دعوت کو نہیں ٹھکرائیں گے۔"

"بہت اچھا جناب، نہیں ٹھکراتے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔ اور وہ چاروں بھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"مشکور دین کے قتل نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ بم اسی نے کسی جگہ چھپائے تھے اور وہ جگہ تہہ خانہ ہی ہو سکتی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ رومی صاحب کے دشمن کے ساتھ کئی آدمی م کر رہے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں، اس میں کیا شک ہے۔" طائر صدیقی بولا۔

"کھانا شروع کیجیے، ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" عالم رومی نے کہا۔

ان سب کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھے۔ اچانک انسپکٹر جمشید کی نظر یز پر پڑی، پھر ان کے دماغ میں بجلی سی کوندی۔

"ذرا ٹھہریے۔ ہم ایک بات تو بھول ہی رہے ہیں۔ آپ کا دشمن کسی طرح ھانے میں زہر بھی تو ملا سکتا ہے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے خوف زدہ انداز میں نکلا: "یہ بات تو واقعی میں یک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچی۔" عالم رومی نے پریشان ہو کر کہا۔

"لیکن جناب، کھانا تو رومی صاحب کے ملازموں نے خود تیار کیا ہے۔ س کوئی زہر کس طرح ملا سکتا ہے، جب کہ اس وقت کوٹھی میں ان کے اور ملازموں لاوہ کوئی بھی نہیں ہے۔ اور میں ابھی ابھی آیا ہوں۔" طائر صدیقی نے اعتراض

"زہر ملانے کے اور بہت سے طریقے ہیں۔ سبزی اور گوشت لینے کے خر ملازم گھر سے باہر تو گئے ہوں گے۔ راستے میں کوئی شخص بھی ان چیزوں پر ک سکتا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے جواب دیا۔

"لیکن سبزی اور گوشت پکانے سے پہلے دھوئے جاتے ہیں۔" طائر نے پھر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں، ٹھیک ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اس کے باوجود کھانے لانا ممکن ہے۔ اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کھانے میں زہر موجود

ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"آپ یہ بات یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" طائر صدیقی بولا
لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"عالم رومی صاحب، آپ کھانے میں کس چیز کے زیادہ شائق ہیں؟"
انسپکٹر جمشید نے ان کی جھنجلاہٹ کی پروانہ کرتے ہوئے۔

"میں سبزیاں زیادہ پسند کرتا ہوں۔ خاص طور پر سلاد بہت شوق سے کھا
ہوں۔"

"اور سلاد پر آپ لیموں بھی ضرور نچوڑتے ہوں گے۔" انہوں نے
پوچھا۔

"بالکل، اس کے بغیر تو سلاد کا مزاہی نہیں آتا۔" عالم رومی بولے۔

"میرا مشورہ ہے کہ اس کھانے کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ اسے تجزیے کے لیے
لیبارٹری بھجوادینا چاہیے اور ہم چل کر کسی ہوٹل میں کھالیتے ہیں یا اپنے سامنے ملازم
سے کھانا تیار کرالیتے ہیں۔"

"میں اب تک یہ بات نہیں سمجھ سکا کہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ
کھانے میں زہر ہے۔" طائر صدیقی بولا۔

"بس میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ کھانے میں زہر ملا ہوا ہے۔ ٹھہرے
میں ملازموں سے ایک دو سوال کرلوں۔" یہ کہہ کر وہ اس ملازم کی طرف مڑے جو
کھانے کے کمرے میں موجود تھا اور کافی پریشان نظر آرہا تھا۔

"کیوں بھئی، بازار سے گوشت اور سبزی تم ہی لاتے تھے؟"

"ج۔ ج۔ جی۔ ہاں۔" اس نے ہکلا کر کہا۔

"اور تم عالم رومی صاحب کے بہت پرانے اور وفادار ملازم بھی ہو۔"

ں نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"اس میں کیا شک ہے جناب۔"

"تو پھر سچ سچ بتاؤ۔ جب تم سبزی لارہے تھے تو راستے میں کوئی آدمی تم
کرایا تو نہیں تھا؟"

"ٹک۔ رایا تھا جناب، بالکل ٹکرایا تھا۔" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

"تب پھر اس نے سبزی میں زہر شامل کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید پر یقین لہجے
ولے۔

"آپ تسلیم کرچکے ہیں کہ گوشت اور سبزی کو دھوکر پکایا جاتا ہے۔ اس
ن میں اس میں زہر کس طرح ملا رہ گیا ہوگا؟" اس مرتبہ عالم رومی بولے۔

"ہاں، لیکن اگر دو چار لیموؤں میں سرنج کے ذریعے زہر داخل کردیا جائے
رانے والا وہ لیموں سبزی میں شامل کردے، پھر ان لیموؤں کو سلاد پر نچوڑا یا
و زہر کھانے میں موجود ہوسکتا ہے۔ وہ کسی طرح بھی دھل نہیں سکے گا۔"
شید نے وضاحت کی۔

"اوہ۔"

ان سب کے منہ سے نکلا اور پھر سلاد کی پلیٹ پر رکھے لیموؤں پر ان سب
جم گئیں۔ ان کے رنگ نیلگوں ہورہے تھے۔ جب کہ لیمو اندر سے زرد رنگ
ں۔

ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

☆☆☆

اوہ!

فوری طور پر اکرام کو فون کیا گیا، پھر کچھ سوچ کر انسپکٹر جمشید نے خالد رشید کو بھی بلوا لیا۔ وہ وہاں پہنچا تو اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔

"خیر تو ہے، مجھے کیوں یاد فرمایا گیا ہے؟"

"ملبہ ہٹانے کے بعد کیا اس بات کا اندازہ ہو سکا کہ بم کس چیز میں رکھے گئے تھے؟"

"جی نہیں، یہ بات معلوم نہیں ہو سکی۔" اس نے کہا۔

"خیر، یہاں ابھی ابھی ایک واقعہ ہوا ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے کھانے میں زہر ملے ہونے کے بارے میں بتایا۔ اکرام اس وقت سارے کھانے کو تجزیے کے لیے پیک کرا رہا تھا۔

"حیرت ہے، آخر وہ کون ہے، جو ان کے اس بُری طرح پیچھے پڑ گیا ہے۔" اس نے کہا۔

"زہر کے خیال پر طارق صدیقی صاحب کو بھی غصہ آ رہا تھا۔ میں آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں۔ ذرا آپ طارق صدیقی کی کوٹھی تک چلے جائیے اور معائنہ کیجیے کہ ان کی کوٹھی کی چہار دیواری کس رنگ کی ہے؟"

"جی کیا مطلب؟" طارق صدیقی زور سے اچھلا۔

"بوڑھے ملازم کو جس اینٹ سے ہلاک کیا گیا ہے، اس اینٹ پر سرخ [illegible] کیا گیا ہے۔ کھانے میں زہر کا خیال ظاہر کرنے پر ان کا بحث کرنا مجھے الجھن میں [illegible] رہا ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کی کوٹھی کی چہار دیواری کا معائنہ کر [illegible] کیا وہ سرخ رنگ کی تو نہیں۔ اور کیا اس کی کوئی اینٹ تو اکھڑی ہوئی نہیں۔"

"بہت اچھا۔"

"میری چہار دیواری سرخ ہی رنگ کی ہے، لیکن اس کی کوئی اینٹ اکھڑی [illegible] نہیں ہے۔" طارق صدیقی نے چلا کر کہا۔

"ہم معائنہ کریں گے جناب۔ یہ ایک سنگین مسئلہ ہے۔ ایک شخص اپنی [illegible] سے جا چکا ہے اور نا معلوم دشمن عالم رومی اور ان کی بیٹی کی جان لینے پر تلا ہوا ہے، [illegible] کے ساتھ تو کل نہ جانے کتنے آدمی ہلاک ہو جاتے۔ وہ تو بس اللہ تعالیٰ نے مدد [illegible] لہٰذا ہم اپنا اطمینان کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں اپنا پتا نوٹ کرا دیں۔"

"میں ابھی دیکھ کر واپس آتا ہوں۔" خالد رشید نے کہا۔ جلد ہی انہوں [illegible] کی جیپ سٹارٹ ہونے کی آواز سُنی:

"رومی صاحب، یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"مم، میں۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" عالم رومی ہکلائے۔

"آپ کو زبردستی مجرم نہیں بنایا جا رہا جناب، آپ فکر نہ کریں۔" [illegible] جمشید نے بُرا سا منہ بنایا، پھر چونک کر بولے:

"اوہو، مجھے تو ایک فون بھی کرنا ہے۔ محمود، فاروق، فرزانہ تم یہاں چوکس [illegible]۔ میں فون کر کے ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ ملازم کی طرف مڑے۔

"تم مجھے فون والے کمرے تک لے چلو۔"

"آیئے۔" اس نے کہا اور وہ ان کے ساتھ باہر نکل گئے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید
پر اس وقت جو کیفیت طاری تھی، وہ اس سے بخوبی واقف تھے۔ ان پر ایسی کیفیت
صرف اس وقت طاری ہوتی تھی، جب وہ پورے کیس کو سمجھ جاتے تھے، پھر وہ مزے
لے لے کر اس پر سے پردہ اٹھاتے تھے۔ جلد ہی وہ فون کر کے آ گئے اور آتے ہی
بولے:

"محمود، ذرا باہر جا کر دیکھنا۔ خالد رشید اپنے کانسٹیبلوں کو باہر چھوڑ گئے ہیں
یا ساتھ لے گئے ہیں۔ اگر باہر چھوڑ گئے ہیں تو انہیں اندر بلا لاؤ، کیونکہ ان کی اندر
موجودگی ضروری ہے۔"

"انسپکٹر صاحب، میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ آپ مجھے مجرم ثابت کرنے
کی پُرزور کوشش کر رہے ہیں، حالانکہ میں مجرم نہیں ہوں۔ میرا اس معاملے سے قطعاً
کوئی تعلق نہیں ہے۔ بھلا میری رومی صاحب سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ ہم تو بچپن کے
دوست ہیں۔" ان کے الفاظ ختم ہوتے ہی محمود باہر چلا گیا۔

"میں کہہ چکا ہوں، میں ثبوت کے بغیر کسی کو گرفتار نہیں کیا کرتا۔" انہوں
نے خشک لہجے میں کہا، پھر وہ فاروق اور فرزانہ کی طرف مڑے۔

"رات تم نے اس معاملے پر غور و خوض کیا تھا۔"

"جی، جی، ہاں کیا تو تھا۔" فرزانہ نے کہا۔

"تو پھر تم کس نتیجے پر پہنچے؟ کیا تم جان گئے کہ مجرم کون ہے۔"

"جی نہیں، ہم نہیں جان سکے۔" فاروق بولا۔

"کیا تم اب تک بھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔"

"جی نہیں۔" فرزانہ بولی۔ اسی وقت محمود اندر آتا نظر آیا۔ اس کے ساتھ
کانسٹیبل بھی تھے۔

"وہ اکیلے ہی گئے ہیں جناب۔"

"ٹھیک ہے، پھر یہ بے چارے باہر کیوں کھڑے ہوں۔ بیٹھو بھئی۔"
انہوں نے کرسیوں کی طرف اشارا کیا۔

کانسٹیبل جھجکتے ہوئے بیٹھ گئے۔ اب وہ سب خالد رشید کا انتظار کر رہے
تھے یا پھر اکرام کا انتظار کر رہے تھے۔ تجسس کی فضا کمرے پر چھا چکی تھی۔ رومانہ رومی
بہت بے قرار نظر آ رہی تھی۔ آخر اس سے رہا نہ گیا۔ بول ہی اٹھی:

"ڈیڈی، آخر اس جھوٹ سے کیا حاصل، آپ بتا کیوں نہیں دیتے؟"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"رومانہ، تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا، بھلا میں کیوں جھوٹ بولنے لگا کسی
معاملے میں بھی۔" عالم رومی نے تلملا کر کہا۔

"تو کیا انکل طارق آپ کے بچپن کے ہی دوست ہیں۔" رومانہ کے لہجے
میں گہرا طنز تھا۔

"ہاں، یہ میرے بچپن کے دوست ہیں۔"

"لیکن دو سال پہلے تک تو میں نے کبھی ان کی صورت بھی نہیں دیکھی
تھی۔" رومانہ نے ڈرے بغیر کہا۔

"اس کا یہ مطلب کس طرح لے لیا تم نے کہ یہ میرے بچپن کے دوست
نہیں ہیں۔ بچپن کے دوست بچھڑ بھی تو جاتے ہیں اور پھر اتفاق سے ان کی ملاقات بھی
ہوا کرتی ہے۔" عالم رومی نے مضبوط لہجے میں کہا۔

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید اب انہیں بغور دیکھ رہے تھے۔
رومانہ نے اپنے والد کی بات سن کر ان کی طرف دیکھا اور پھر بولی:

"تب آپ اپنے دوست سے گھبراتے کیوں ہیں۔ یہ جب بھی آتے ہیں،

آپ کا رنگ کیوں اڑ جاتا ہے۔"

رومانہ کے یہ الفاظ کسی دھماکے سے کم نہیں تھے۔ عالم رومی کا رنگ یک دم اڑ گیا۔ طاہر صدیقی کا چہرہ بھی پیلا پڑتا نظر آیا۔ انسپکٹر جمشید کے چہرے پر بھی محمود، فاروق اور فرزانہ نے حیرت کے بادل دیکھے اور حیرت کے ان بادلوں نے انہیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، کیونکہ اس موقعے پر ان کا حیران ہونا ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب تو یہ تھا کہ انہیں ایک نئی بات معلوم ہوئی تھی۔

پھر ان کی نظریں عالم رومی اور طاہر صدیقی پر جم گئیں۔ عالم رومی نے ابھی تک اپنی بیٹی کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

"رومی صاحب، آپ نے ابھی تک اپنی بیٹی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ ہاں، رومانہ ایسی کوئی بات نہیں۔ تمہیں ضرور وہم ہوا ہے۔ طاہر صدیقی در حقیقت میرے بچپن کے دوست ہیں۔"

"اب آپ واقعی جھوٹ سے کام لے رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

عالم رومی صاحب نے انسپکٹر جمشید کی طرف گھبرا کر دیکھا اور پھر ان کی نظریں جھک گئیں۔ پھر انہوں نے بے بسی کے عالم میں کہا:

"طاہر صدیقی، اب میں انہیں کیا جواب دوں؟"

"رہنے دو رومی، میں خود ہی جواب دیے دیتا ہوں۔ جو خدا کو منظور، سنیے جناب انسپکٹر جمشید۔ میں اور رومی واقعی بچپن کے دوست ہیں۔ ہم اسکول میں ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے، لیکن میں غلط راستے میں نکل گیا۔ میں بہت غریب ماں باپ کا بیٹا تھا۔ غربت کی وجہ سے مجھے کھانے پینے کو اچھا نہیں ملتا تھا۔ میں دوسروں کو طرح

ح کے پھل اور مٹھائیاں کھاتے دیکھتا اور کڑھتا، پھر ایک دن میں نے چوری ں۔ چوری کر کے مجھے بڑا مزا آیا، کیونکہ اس طرح مجھے اچھی اچھی چیزیں کھانا ب ہو گئیں۔ میری چوری کی عادت پختہ ہو گئی۔ کئی بار اسکول کے استادوں نے سزا بھی دی، لیکن میری عادت جڑ پکڑتی گئی۔ یہاں تک کہ ہم بڑے ہو گئے۔ ں عادت کی وجہ سے رومی مجھ سے کترانے لگا۔ یہ مجھے سمجھاتا بھی بہت تھا اور پھر ں کے بعد میں نے پڑھنے کا خیال دل سے نکال دیا، چوریاں کرنے لگا۔ میں بڑا گیا۔ اسی طرح میری چوریوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ دو ایک بار میں پکڑا بھی میری ضمانت کے لیے صرف اور صرف عالم رومی نے کوشش کی۔ اس نے ہر بار مدد کی اور ہر بار مجھے سمجھایا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میں اگر چوری چھوڑ دوں تو یہ نقدی دے دے گا، تاکہ میں کوئی کاروبار شروع کر دوں، لیکن کاروبار شروع ں کے بارے میں تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، لہٰذا میں نے اس کی ہر بات ایک ے سن کر دوسرے سے نکال دی، پھر ایک وقت آیا کہ ہم بچھڑ گئے۔ میں پولیس ک کر ایک دور دراز کے شہر میں چلا گیا۔ رومی یہاں آ گیا، لیکن مجھے نہیں معلوم یہاں آ گیا ہے۔ وقت گزرتا رہا۔ میں ماہر چور بن گیا تھا۔ اسی طرح میں نے دولت جمع کر لی۔ اور پھر ایک دن مجھے اپنا دوست نہ جانے کیوں بہت لگا۔ میں نے چوری چھوڑنے کا عہد کر لیا۔ ساری دولت لے کر یہاں آ گیا۔ ک کوٹھی خریدی اور اُون کا کاروبار شروع کر دیا۔ اس میں مجھے بہت منافع ہوا۔ ک دن میرا اور رومی کا سامنا ہو گیا۔ بچھڑے ہوئے دو دوست مل گئے۔ میں وبتایا کہ اب میں اسی شہر میں رہتا ہوں اور یہ کہ میں نے چوری بالکل چھوڑ اور اون کا کاروبار کرتا ہوں۔ رومی میرے ماضی سے خوفزدہ تھا اور ڈرتا تھا میں کسی روز پکڑا نہ جاؤں، اور میری وجہ سے اس کی شہرت کو بٹہ نہ لگ جائے۔

یہی وجہ تھی کہ میں جب بھی اس سے ملنے جاتا، اس کے چہرے کا رنگ اڑ جاتا...
بچپن کے دوست کو چھوڑ دینا بھی اسے گوارہ نہیں تھا۔ حیرت ہے، یہ چیز روما...
بھانپ لی۔ یہ ہے میری کل کہانی۔" یہاں تک کہہ کر طائر صدیقی خاموش ہو گیا۔

"لیکن موجودہ معاملے سے تو اس کہانی کا کوئی تعلق ثابت نہیں ہو...
فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"موجودہ معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ نہ میں رومی کا دشمن ہوں...
دشمن ہو بھی کیسے سکتا ہوں۔ دھمکی آمیز خط سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک پرانی دشمنی...
معاملہ ہے۔"

"لیکن اس کے باوجود وہ دشمن آپ ہو سکتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"وہ کیسے؟" طائر صدیقی نے حیران ہو کر کہا۔

عین اسی وقت قدموں کی آواز ابھری اور خالد رشید اندر داخل ہوا۔ اس...
کے چہرے پر جوش کے آثار تھے۔ آتے ہی اس نے کہا:

"طائر صدیقی صاحب کی کوٹھی کی چار دیواری سرخ رنگ کی ہے...
مزے کی بات یہ ہے کہ چار دیواری کی ایک اینٹ اکھڑی ہوئی ہے اور اینٹ غائب...
ہے۔"

"نہیں۔" طائر صدیقی اچھل پڑا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔...

☆☆

قدموں کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ اکرام آیا تھا۔ اس نے...
آتے ہی کہا:

"سلاد زہر آلود پایا گیا ہے۔ لیموؤں میں زہر تھا۔"

"اُف۔" عالم رومی کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں: "اگر آپ یہاں نہ...

...ے تو ہم تو مارے گئے تھے۔"

"تو پھر دعا دیجیے وزیر خارجہ صاحب کے نجومی کو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"رومی، یقین جانیے، مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں۔ نہ ہی میں نے اپنی چہار
...ری کی اینٹ سے تمہارے بوڑھے ملازم کو ہلاک کیا ہے۔"

"ہاں، طائر صدیقی، مجھے یقین ہے، تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تم اس دوست
...س طرح دشمن ہو سکتے ہو جس نے ہر موقعے پر تمہاری مدد کی ہو۔"

"رومی صاحب، آپ کے پاس وہ خط تو ہوگا۔" انسپکٹر جمشید نے گویا ان
...ت سُنی ہی نہیں۔

"جی موجود ہے۔"

"ذرا وہ نکالیے۔"

رومی صاحب نے خط نکال کر انہیں دے دیا۔ انہوں نے اسے کھولا اور
...ے لگے، پھر نظریں اٹھاتے ہوئے بولے:

"اس خط کے مطابق آپ کے دشمن کے باپ کی ساری دولت آپ کے
...ے کسی طرح ہتھیالی تھی۔ دشمن کے باپ نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ آپ کے
...بہت بڑے وکیل تھے، لہٰذا انہوں نے کوئی قانونی کمزوری باقی نہیں رہنے
...ی۔ اس لیے قانون اسے یہ دولت واپس نہیں دلا سکتا، لہٰذا وہ اس کا انتقام آپ
...ا اور اس نے انتقام لینے کا منصوبہ بنا لیا۔ وہ موقعے کا منتظر رہا۔ اس کے کہنے
...ے اسے اب موقع ملا تھا۔ اس کا منصوبہ ہر لحاظ سے مکمل تھا، لیکن آپ کی قسمت
...محمود، فاروق اور فرزانہ نے اس کی آواز عین اس وقت سن لی، جب وہ فون
...ے رہا تھا اور محمود، فاروق اور فرزانہ میں نے تھوڑی دیر پہلے تم سے پوچھا تھا
...ک کوئی اندازہ لگا سکے ہو یا نہیں اور تم نے نفی میں جواب دیا: حالانکہ ایسا

نہیں ہونا چاہیے تھا۔ تم اس کی آواز سن چکے تھے۔ تمہیں تو فوراً جان لینا چاہیے تھا کہ
اس آواز سے ملتی جلتی آواز یہاں کس کی ہو سکتی ہے۔''

''لیکن ابا جان، ہو سکتا ہے، اس شخص نے فون پر آواز بدل کر بات کی
ہو۔'' فرزانہ نے اعتراض کیا۔

''ہاں، اس کا بھی امکان ہے۔ خیر، تو میں کہہ رہا تھا، ان تینوں کی وجہ سے
اس کا منصوبہ بُری طرح ناکام ہو گیا۔ ہوا تو صرف اتنا کہ کوٹھی تباہ ہو گئی، لیکن اتنے سے
نقصان سے انتقام کی آگ نہ بجھ سکی۔ وہ تو دراصل رومی صاحب اور ان کی بیٹی کو جان
سے مار دینا چاہتا تھا۔ اس نے ایک غلط بات سوچی تھی۔ اسے تو عدالت کا دروازہ
کھٹکھٹانا چاہیے تھا۔ اگر وہاں کامیاب نہ ہوتا تو خدا سے انصاف مانگتا اور صبر کرتا۔ اس
نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا جو بالکل غلط تھا۔ بچپن میں ہم نے ایک کہانی پڑھی
تھی، چور کی داڑھی میں تنکا۔ سو اس مرتبہ میں نے بھی یہی کام کیا ہے۔ دشمن نے اپنے
تین آدمی بھکاریوں کے روپ میں رومی صاحب کی کوٹھی کے باہر بٹھا دیے تھے۔ ان
کی گدڑیوں میں بم تھے۔ بوڑھے ملازم کو بم ان سے وصول کر کے کوٹھی کے اندر پہنچانا
تھے۔ انہیں کھانا دینے کے بہانے وہ ان تک گیا اور چار چھوٹے چھوٹے بم خالی
برتنوں میں لے آیا، پھر وہ اس نے تہہ خانے میں پہنچا دیے۔ اتنے بڑے کاٹھ کباڑ
کے ڈھیر میں یہ تینوں پونے آٹھ بجے تک ان بموں کو تلاش نہیں کر سکے۔ یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ وہ کسی ایسی چیز میں رہے ہوں، جس کی طرف انہوں نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا
ہو، بہرحال بم نہ مل سکے اور کوٹھی خالی کرنا پڑی، لیکن دشمن بھی آس پاس موجود تھا
کیونکہ وہ خون بہتے دیکھنا چاہتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ ہم تفتیش میں شامل ہو چکے
ہیں، تو اسے گھبراہٹ ہوئی۔ اس نے فوری طور پر بوڑھے ملازم کا کانٹا نکال دینے کا
پروگرام بنایا۔ ساتھ ہی اس نے ان تین ساتھیوں کو جو بھکاریوں کے میک اپ میں

شہر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ ایسا کرنے کے بعد وہ خود کو محفوظ سمجھنے لگا۔ لیکن وہ
گیا تھا اس کہ ہر مجرم سے کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ہوتی ہے۔ اس سے پہلی غلطی تو یہ
کہ اپنے ایک ساتھی کے مانگنے پر سگریٹ کا وہ برانڈ اسے دے دیا جو وہ خود پیتا ہے
اور خود بھی وہی سگریٹ پیتا پھرا۔ نتیجہ یہ کہ ایک بھکاری کی جگہ سے ہمیں غیر ملکی
ٹ کے ٹکڑے ملے، پھر اس جگہ سے ملے جہاں رومی صاحب آپ ملنے سے کچھ
پر کھڑے تھے۔ وہاں ہم نے طائر صدیقی کو بھی کھڑے دیکھا تھا۔ آپ تو
پیتے ہی نہیں۔ طائر صدیقی البتہ وہاں کھڑے سگریٹ پی رہے تھے۔ میں
وہاں سے بھی ایک ٹکڑا اٹھا لیا اور وہ بھی غیر ملکی سگریٹ کا ٹکڑا تھا۔''

''لیکن میں غیر ملکی سگریٹ نہیں پیتا۔'' طائر صدیقی نے چیخ کر کہا۔

''صدیقی صاحب، چیخنے کی ضرورت نہیں، سنتے جائیے۔ پھر میں نے
ے ایک سگریٹ مانگا۔ آپ نے پیکٹ آگے کر دیا۔ میں نے دیکھا، یہ وہ پیکٹ
یعنی غیر ملکی نہیں تھا۔ میں نے فوراً خیال کیا کہ آپ نے اپنی غلطی بھانپ لی
دوسری جیب سے دوسرا پیکٹ نکال کر میرے آگے کر دیا ہے، لیکن دراصل اس
غلطی پر تھا، کیونکہ بعد میں مجھے یاد آیا کہ خالد رشید بھی تو تھوڑی دیر کے لیے
ئے تھے اور ان کی انگلیوں میں بھی اس وقت سگریٹ تھا۔ وہ ٹکڑا ان سے وہاں
اور یہیں سے میں نے ان کے بارے میں سوچنا شروع کیا، پھر جوں جوں غور
یہ میری گرفت میں آتے چلے گئے۔''

''یہ۔ یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' عالم رومی کے منہ سے نکلا۔

''میرے خدا، یہ میں کیا سن رہا ہوں۔'' طائر صدیقی بولا۔

''یہ حقیقت ہے، اس کے دو مزے دار ثبوت یہ ہیں کہ بوڑھے ملازم کی
ایک خط برآمد ہوا ہے۔ ہمارے چالاک مجرم کی یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ اس

نے ایک اینٹ مار کر بوڑھے کو ہلاک تو کر دیا، لیکن اس کی جیب کی تلاشی نہیں لی۔ وہ خط بوڑھے کے دوست نے مراد خان آباد سے لکھا تھا اور اتفاق سے یہ بھی مراد خان آباد سے تبدیل ہو کر آئے ہیں۔ میں نے ابھی ابھی فون کر کے یہ بات معلوم کی ہے۔ دوسرے یہ کہ میں نے انہیں طائر صاحب کی چہار دیواری کا معائنہ کرنے بھیجا۔ انہوں نے واپس آ کر بتایا کہ چہار دیواری سرخ رنگ کی ہے اور ایک اینٹ بھی غائب ہے۔ یہ وہاں تنہا گئے تھے۔ کسی کانسٹیبل کو ساتھ اس لیے نہیں لے کر گئے کہ ایک اینٹ جو اکھاڑ کر پھینکنا تھی۔ ایسا کرتے وقت کانسٹیبل دیکھ لیتے۔ یہ تھا چور کی داڑھی میں تنکا۔ اور طائر صاحب کی چہار دیواری تو میں نے رات ہی دیکھ لی تھی۔ اس کی کوئی اینٹ اکھڑی ہوئی نہیں، البتہ پولیس اسٹیشن جس میں خالد صاحب تعینات ہیں، اس کی چہار دیواری کی اینٹیں ضرور اکھڑی ہوئی ہیں اور ان میں سے دو چار اینٹوں کے کم ہونے کا کسی کو پتا بھی نہیں چل سکتا، لہٰذا جب انہوں نے بوڑھے ملازم کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا تو پولیس اسٹیشن سے روانہ ہوتے وقت ایک اینٹ بھی اوور کوٹ میں رکھ لی۔ انہیں بوڑھے کو ہلاک نہ کرنا پڑتا، اگر کاغذات سے ان کا پتا نہ مل جاتا۔ بوڑھے نے انہی کے اشارے پر رومی صاحب کے ہاں ملازمت اختیار کی تھی۔ رہا یہ سوال کہ یہ اسے بھی تو شہر سے نکل جانے کا حکم دے سکتے تھے، جس طرح اپنے تین ساتھیوں کو حکم دیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے بلیک میل کر کے انہیں اپنے ساتھ رکھا تھا۔ وہ جرائم پیشہ لوگ ہیں۔ انہوں نے انہیں موقعے پر پکڑ لیا ہوگا، لیکن انہیں گرفتار نہیں کیا ہوگا۔ بلکہ ان کے خلاف ثبوت اپنے قبضے میں لے لیا ہوگا اور پھر انہیں دھمکی دی ہوگی کہ اگر انہوں نے اس کا حکم نہ مانا تو یہ انہیں گرفتار کرا دیں گے، لہٰذا وہ مجبور ہو گئے اور ان کے ساتھ انہیں بھی مراد خان آباد سے یہاں آنا پڑا۔ ان تینوں کا جرم بہت بڑا رہا ہوگا، جب کہ بوڑھا معمولی جیب کترا رہا ہے۔ انہیں ڈر ہوگا کہ معمولی جرم کی وجہ سے بھی وہ بے خوف ہو کر ان کا راز نہ اگل دے، چنانچہ انہوں نے ختم کرنا ہی مناسب خیال کیا اور اسے قتل کر کے انہوں نے گویا خود اپنے گلے میں پھندا ڈال لیا۔ اگر یہ اسے قتل نہ کرتے تو انہیں پانچ سات سال کی سزا ہو جاتی۔ اب تو یہ بُری طرح پھنس گئے ہیں، کیوں جناب، اگر میری کسی بات پر آپ کو اعتراض ہو تو ہم سننے کے لیے تیار ہیں۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"اور اس موقعے پر مجھے خیال آ رہا ہے، جب انہیں کوٹھی میں ہم تلاش کرنے کے لیے بلایا گیا تھا اور یہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہم تلاش کرنے میں مصروف تھے تو سجاوٹ کی چیزوں کے پاس کھڑے پائے گئے تھے۔ ہم ان سجاوٹ کی چیزوں کو تلاش کرنے کے لیے آگے بڑھے تو انہوں نے کہا تھا، میں انہیں دیکھ چکا ہوں یہ تو کھلونے ہیں، ان میں ہم ہو ہی نہیں سکتے۔ اب میں سوچ رہی ہوں، کیا ہم انہی سجاوٹ کی چیزوں میں تھے، کیونکہ ہم انہیں نہیں دیکھ سکے تھے۔" فرزانہ نے الجھے لہجے میں کہا۔

"اس کا بھی امکان ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بلکہ ایک کمرے کی سجاوٹ کی چیزیں تو ہم نے دیکھ لی تھیں۔ دوسرے کمرے کی ان کی وجہ سے نہیں دیکھ سکے تھے۔" محمود نے گویا یاد دلایا۔

"کیوں جناب، کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ ہم ان کھلونوں میں تھے یا نہیں، کیوں کہ اب آپ بچ تو سکتے نہیں۔ بتا ہی دیں تو اچھا ہے۔"

"ہاں، ہم ان کھلونوں میں ہی تھے اور وہ کھلونے ان تینوں بھکاریوں سے لے کر اسی بوڑھے ملازم شکور دین عرف تابو نے اندر پہنچائے تھے، لیکن اب سب کان کھول کر سن لو، میں ایک قتل کر چکا ہوں، اگر سات آٹھ اور کروں گا تو

مجھے کوئی خاص فرق نہیں پڑ جائے گا، لہٰذا تم سب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میرے اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔"

دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا اور وہ دم بخود رہ گئے۔ انہیں اٹھنا پڑا۔

"دھت تیرے کی، ہم یوں ہی تہہ خانے میں وقت ضائع کرتے رہے۔" محمود نے خود کو سنبھالتے ہوئے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہوتا ہے بھئی، ایسا بھی ہوتا ہے۔ غصہ نہ کھاؤ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ان حالات میں یہ بے چارہ اور کھا بھی کیا سکتا ہے۔ کھانے کی ساری چیزیں تو پہلے ہی انکل اکرام سمیٹ لے گئے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اس کے ساتھ ہی انہوں نے مجرم کو اٹھتے دیکھا۔

"ارے جناب، کہاں کے ارادے ہیں؟"

"تم سب کو موت کے گھاٹ اتار کر یہاں سے فرار ہو جاؤں گا۔" اس نے کہا۔

"اوہو اچھا، کتنی گولیاں ہیں آپ کے پستول میں؟" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"پوری سات۔" اس نے اب دروازے کی طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

"جب کہ ہم سات سے زیادہ ہیں، باقی لوگوں کا کیا کرو گے۔" فاروق بولا۔

شاید وہ اسے باتوں میں الجھانا چاہتے تھے۔

"کوئی بات نہیں، میں نا تجربہ کار لوگوں کو گولی کا نشانہ نہیں بناؤں گا۔ ان کی مرمت پستول کے بٹ سے کروں گا۔"

"یا اللہ تیرا شکر ہے، کم از کم میں نا تجربہ کار ہوں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"خاموش، تمہیں تو میں سب سے پہلے ختم کروں گا۔" وہ غرایا۔

"وہ کیوں، میں یہاں موجود تمام لوگوں سے تجربہ کار تو نہیں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

اور اس کی انگلیاں ٹریگر پر دباؤ ڈالتی نظر آئیں، لیکن اس سے پہلے کہ اس پستول سے گولی نکلتی، ایک کرسی فضا میں اچھلی اور تیر کی طرح اس کی طرف گئی۔ ...ے ہی لمحے کرسی پوری قوت سے اس سے ٹکرائی۔ ساتھ ہی محمود نے اس کی طرف ...گ لگا دی۔

وہ ابھی اٹھ نہیں سکا تھا کہ محمود اس پر جا پڑا اور پستول اس کے ہاتھ سے ...ہو دوسری طرف نکل گیا۔

"بس اب تم ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

"کرسی کے پر تو نہیں نکل آئے تھے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"نہیں، میں کرسی سے اٹھنے کے بعد ایک طرف ہٹ گیا تھا، اور میں نے ...کو اس انداز سے پکڑ لیا تھا کہ جب چاہوں، اس پر اچھال سکوں۔ یہ بے چارہ ...بھی نہیں سکتا تھا کہ میں اس طرح کرسی بھی اس پر اچھال سکتا ہوں۔"

اسی وقت اکرام نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔

"قانون کی اوٹ سے شکار کھیلنے والوں کا انجام ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اب ...ائز صدیقی، تو میں ان کی خدمت میں عرض کر دوں کہ اگرچہ وہ توبہ کر چکے ہیں، ...کے پاس جس قدر بھی دولت ہے، وہ ناجائز ہے۔ انہیں چاہیے، اس دولت کو ...وں میں تقسیم کر دیں اور خود ہاتھوں سے کما کر اپنی گزر بسر کریں، آؤ بھی

چلیں۔"

واپسی پر فاروق نے ان سے کہا:

"ابا جان، مہربانی فرما کر مجھے وزیرِ خارجہ کے دوست نجومی کے پاس لے چلیے۔ میں ابھی اور اسی وقت ان سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ میں نے آج تک اتنا پکا اور سچا نجومی نہیں دیکھا۔"

"تمہاری قسمت کا حال تو تمہیں میں بھی بتا سکتی ہوں، بس ہر وقت اوٹ پٹانگ باتیں کرتے رہو گے تم۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

اور وہ مسکرا دیے۔ دوسرے دن انہیں عالم رومی کا فون موصول ہوا، وہ کہہ رہے تھے:

"میرے دوست نے ساری دولت غریبوں میں تقسیم کر دی ہے۔ اور آج سے وہ ایک بالکل نئی زندگی شروع کر رہا ہے۔ اس نے میری مل میں ملازمت کر لی ہے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔ جب انہوں نے یہ بات ان تینوں کو بتائی تو ان کے منہ سے بھی ایک ساتھ نکلا:

"اوہ!"

-----------☆☆☆-----------

اٹلانٹس پبلیکیشنز
D-83 سائٹ۔ کراچی
فون: 2581720 - 2578273
e-mail: atlantis@cyber.net.pk

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

تصبے کی رُوح

اشتیاق احمد

اٹلانٹس پبلیکیشنز

السلام علیکم!

قصبے کی روح میں ملیے۔ آپ کو یقیناً خوشی ہوگی۔ بے فکر رہیں، ڈر محسوس نہیں ہوگا اور اگر ڈر محسوس ہوگا بھی تو فاروق کی قسم کا۔ جی ہاں وہ بھی تو ڈر گیا تھا۔ مجھے بھلا اس سے کیا غرض کہ آپ میرے کسی ناول میں ڈرتے ہیں یا نہیں، کیونکہ میں نے ڈرانے کی ذمے داری نہیں لے رکھی۔ ہاں ناول میں آپ ڈوب کر رہ جائیں اور ختم کرنے سے پہلے ابھر نہ سکیں۔ اس کی ذمے داری ضرور لے چکا ہوں اور آپ کے خطوط اس کی تصدیق کرتے رہتے ہیں۔

نظر اور بازد کے بارے میں جن پڑھنے والوں نے ہمدردی، تشویش اور افسوس کا اظہار کیا، ان کا شکر گزار ہوں۔ گھبرایئے نہیں، فکر مند ہونے کی ضرورت بھی نہیں اور نہ ہی بوکھلانے کی کہ میں پہلے کی نسبت خود کو بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں، اور شاید یہ آپ کی دعاؤں کے طفیل ہے۔ بھئی آپ جیسے ہزاروں دعا گو موجود ہوں، تو میں بہتر کیوں محسوس نہیں کروں گا۔ اب آپ قصبے کی روح میں محو ہو جائیں، لیکن ٹھہریے، پہلے ضروری کام نبٹالیں، ورنہ پھر سر اٹھانے کی مہلت آپ کو کہاں ملے گی۔ جی ہاں، شکریہ!

اشتیاق احمد

خون کی بُو

ڈیئر۔ تسلیمات!

قصبہ نون پور کا جاگیردار ہر سال نومئی کو موت کی دعوت دیتا ہے۔ موت کی اس دعوت میں اس کے تمام دولت مند دوست جمع ہوتے ہیں اور موت کی دعوت اڑاتے ہیں، لیکن اس مرتبہ وہ اس موقعے پر ایک خونی کھیل کھیلنے کا پروگرام بنا چکا ہے۔ اس کے اس پروگرام سے سوائے میرے کوئی آگاہ نہیں، لیکن میں اسے روکنے سے مجبور ہوں، بے بس ہوں۔ یہاں کسی کو یہ بات بتانے کے قابل بھی نہیں، کیونکہ میری بات پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔ میں بہت پریشان ہوں۔ جب کچھ سجھائی نہ دیا، تو آپ کو خط لکھنے کا فیصلہ کیا۔ آپ جو لوگوں کے سچے ہمدرد ہیں، دوسروں کے دکھوں کو محسوس کرتے ہیں۔ ان کے لیے اپنا سکھ چین اور راتوں کی نیند حرام کر لیتے ہیں۔ امید ہے، اس موقعے پر بھی آنے کی زحمت گوارا کریں گے اور اس خونی کھیل کو روکنے کی کوشش کریں گے، لیکن مہربانی فرما کر یہ خط آپ جاگیردار کو نہ دکھایئے گا، ورنہ وہ مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑے گا اور ہاں میک اپ میں آیئے گا۔

فقط: ایک پریشان"

یہ خط انہیں ابھی ابھی پوسٹ مین دے گیا تھا۔ وہ شام کا ناشتا کرنے کے لیے میز پر بیٹھے انسپکٹر جمشید کا انتظار کر رہے تھے۔ لفافہ ملتے ہی انہوں نے اسے چاک

کیا اور خط نکال کر پڑھا۔ کیونکہ انسپکٹر جمشید کی ہدایت یہی تھی کہ ان کی عدم موجودگی میں کوئی خط آئے تو اسے فوراً کھول کر پڑھ لیا جائے۔ اس خط نے انہیں چکرا کر رکھ دیا۔ ابھی وہ اس پر تبصرہ شروع کرنے والے ہی تھے کہ دروازے کی گھنٹی بجی اور محمود نے لپک کر دروازہ کھول دیا۔

"لیجیے ابا جان، آج شام کا ناشتا اس خط سے کیجیے۔" فاروق نے ان کے اندر آتے پر چہک کر کہا۔

"اوہو، اس گھر میں کیا اب ناشتا خطوط سے ہوا کرے گا؟" انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

"جی صرف آج ہر روز نہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"لیکن تم اتنے خوش کیوں نظر آ رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے خط لیتے ہوئے پوچھا۔

"اس لیے کہ قصبہ نون پور دیکھنے کا موقع مل گیا ہے۔"

"قصبہ نون پور، وہ کیسے؟" انہوں نے حیرت بھری آواز نکالی۔

"خط پڑھ لیجیے۔ معلوم ہو جائے گا۔"

انہوں نے خط پڑھا۔ چند لمحے تک سوچ میں ڈوبے رہے، پھر بولے:

"خط واقعی دلچسپ ہے۔"

"تو کیا ہم قصبہ نون پور جانے کی تیاری کریں، کیوں کہ آج آٹھ مئی ہے۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"ہاں، تیاری کرو۔" انہوں نے کہا اور وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اتنی جلدی جانے پر تیار ہو جائیں گے۔

"آپ نے یہی کہا ہے نا کہ تیاری کرو۔" محمود نے بوکھلا کر پوچھا۔

"فرزانہ سے پوچھو، میں نے کیا کہا ہے۔ اس کے کان بہت تیز ہیں۔"

ر جمشید سنجیدہ لہجے میں بولے۔

"لیکن آج تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے، جیسے میرے کان مجھے دھوکا دیے گئے ہوں۔"

"توبہ ہے، ایک جملے میں دو دو محاورے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تمہیں کس نے روکا ہے۔ تم تین چار محاورے ٹھونس دیا کرو۔" فرزانہ بھن کر بولی۔

"مجھے کیا پڑی ہے۔ میری ان محاوروں سے اتنی گہری دوستی نہیں۔"

ں نے بھی ترشی سے جواب دیا۔

"بات کیا ہو رہی تھی اور یہ دونوں کدھر نکل گئے۔"

"نہیں تو، یہیں تو بیٹھے ہیں۔" فاروق نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا۔

"بھئی فرزانہ بات یہ ہے کہ تمہارے کان دھوکا نہیں دے سکتے، مجھے اس ے خون کی بُو آ رہی ہے۔"

"خون کی بو، لیکن ہمیں تو موت کی بو آئی تھی۔" فاروق نے گھبرا کر کہا اور کر اٹھے۔

"خط میں ذکر تو موت کی دعوت کا ہے۔ آخر موت کی دعوت کیسی ہوتی یا کس طرح ہوتی ہے۔" فرزانہ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"پتا نہیں، یہ تو وہاں چل کر ہی معلوم ہوگا۔ ہم کل چلیں گے۔"

"تت، تو، ہم واقعی تیاری کریں۔" محمود ہکلایا۔ شاید اسے ابھی تک یقین آیا تھا۔

"بب، بالکل۔" انسپکٹر جمشید بھی اسی کے انداز میں ہکلائے اور وہ مسکرا

دیے۔

☆☆

جاگیردار اشرف نون کی حویلی سے قصبہ نون پور کا بچہ بچہ واقف تھا، لیے ٹیکسی والے نے انہیں فوراً حویلی تک پہنچا دیا۔ انہوں نے دیکھا، حویلی کو طرح سجایا گیا تھا، جس وقت وہ ٹیکسی سے اترے۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ کا دروازہ بند تھا۔ محمود نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا۔ ایک منٹ بعد دروازے میں ایک چھوٹا دروازہ کھلا اور ایک باوردی نوجوان ملازم کی صورت نظر آ
اس نے انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھا، پھر بولا:

"آپ لوگ کون ہیں؟"

"مہمان، جاگیردار صاحب کے مہمان۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بالکل غلط، آپ لوگ مہمان نہیں ہو سکتے۔"

"یہ کیسے کہہ دیا تم نے؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اس لیے کہ آج کے دن یہاں آنے والے تمام مہمان رات بجے سے پہلے نہیں آ سکتے۔"

"بھئی، ہم اس قصبے سے نہیں، دارالحکومت سے آئے ہیں۔"

"اس صورت میں بھی آپ کو پونے دس بجے تک کا وقت کسی ہو گزارنا پڑے گا۔ یہاں مہمانوں کا داخلہ ٹھیک دس بجے شروع ہوگا۔ اس نہیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"کیا آپ کو معلوم نہیں، آج یہاں موت کی دعوت دی جا رہی ہے؟"

"یہ تو معلوم ہے۔"

"تو پھر آپ پہلی مرتبہ شریک ہو رہے ہوں گے، اس لیے لاعلمی میں چلے ۔" ملازم بولا۔

"بالکل یہی بات ہے۔" انہوں نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر مہربانی فرما کر واپس چلے جائیں اور رات کو دس بجے سے چند منٹ جائیے گا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی چھوٹا دروازہ بند ہو گیا۔ انہوں نے بوکھلا کر ایک ے کی طرف دیکھا۔

"عجیب قصبہ ہے یہ۔" محمود بولا۔

"قصبہ نہیں، لوگ۔ تمہیں یہ کہنا چاہیے تھا، عجیب لوگ ہیں یہ۔" فاروق ۔

"اچھا ماسٹر صاحب۔" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اب کیا کیا جائے؟" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"کرنا کیا ہے بھئی اس کی ہدایت کے مطابق کسی ہوٹل میں ہی وقت گزارنا ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

واپس مڑے، ٹیکسی جا چکی تھی۔ حویلی قصبے کے ایک سرے پر واقع تھی۔ دور دور تک کوئی ٹیکسی بھی اب نظر نہیں آ رہی تھی۔ لہٰذا انہوں نے پیدل چلنا کر دیا۔ اچانک جنگل میں سے درختوں کے ایک جھنڈ کے پیچھے سے ہلکی سی آواز ی:

"ادھر آ جائیے۔"

انہوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر محتاط انداز میں کے قدم جھنڈ کی طرف اٹھنے لگے۔ ابھی جھنڈ کے قریب پہنچے ہی تھے کہ وہی

پراسرار آواز پھر سنائی دی۔

"بس یہیں رک جائیے، اس سے آگے نہ بڑھیں۔"

ان کی حیرت میں اور اضافہ ہو گیا، آواز پھر سنائی دی:

"آپ کے یہاں موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو میرا خط مل گیا تھا۔ آپ تشریف لائے بہت بہت شکریہ۔"

اب تک وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکے تھے کہ بولنے والا مرد ہے یا عورت آواز مردانہ بھی تھی اور زنانہ بھی۔

"آپ آخر کون ہیں اور اس قدر راز داری سے کام کیوں لے رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مجبوری ہے۔ میں خود کو چھپانے پر مجبور ہوں۔ گاڑی کے آنے کا وقت مجھے معلوم تھا، اس لیے اندازے کے مطابق میں نے یہاں پہنچ جانے کا فیصلہ کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ کی حویلی میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ واپسی کے لیے وقت یہاں سے کوئی ٹیکسی بھی نہیں ملے گی۔ اس لیے میں نے آپ کو روکنے کے لیے یہ جگہ پسند کی۔ آپ کو بھی پسند آئی ہوگی۔"

"ہاں بہت۔" فاروق نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"یہ آپ کے بیٹے فاروق کی آواز ہے، میرا اندازہ درست ہے نا۔"

"جی ہاں، بہت کچھ سے بھی زیادہ۔ دیکھیے، آہستہ آہستہ آگے کھسکنے کی کوشش نہ کیجیے۔ آپ مجھے دیکھ نہیں سکیں گے۔ دراصل میں۔ میں ایک......"

اس نے الفاظ درمیان میں ہی چھوڑ دیے۔ ان کی بے چینی میں اضافہ ہو گیا۔

"آپ کہتے کہتے رک کیوں گئے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس لیے کہ آپ لوگ ڈر نہ جائیں۔"

"اگر آپ ہمارے بارے بہت کچھ جانتے ہیں تو یہ کیوں نہیں جانتے کہ ہم اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔"

"معلوم ہے، یہ بات اچھی طرح معلوم ہے مجھے۔ لیکن اس کے باوجود میرا خیال ہے کہ آپ ڈر جائیں گے۔"

"دیکھیے جناب، ہم نہیں جانتے۔ آپ عورت ہیں یا مرد۔ یا کیا ہیں، لیکن ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم آپ سے نہیں ڈریں گے، بلکہ وعدہ بھی کرتے ہیں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"اچھا تو پھر سنیے، آپ نے میرے خط کے الفاظ کو غور سے پڑھا ہوگا، لیکن آپ سمجھ کچھ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ موت کی دعوت سے کیا مطلب؟ جاگیردار کیا کھیل کھیلنا چاہتا ہے۔ یہ باتیں تو خیر آپ کو حویلی میں داخل ہونے کے بعد ہی معلوم ہوں گی۔ میرے بارے میں جان لیجیے کہ میں ایک روح ہوں۔"

"ر ر ر روح، ارے باپ رے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔ سڑک کی طرف بے تحاشا دوڑ پڑا۔

محمود اور فرزانہ کے اوپر کے سانس اوپر نیچے کے نیچے رہ گئے: البتہ انسپکٹر جمشید کے سکون اور اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ اسی طرح کھڑے جھنڈ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

روح صاحبہ

"تت، تو کیا وہ خط تم نے لکھا تھا؟" فرزانہ نے ہکلا کر کہا۔

"ہاں، میں نے۔ تمہارے بھائی کو کیا ہوا۔ میں نے تو سنا تھا۔ تم بہت بہادر لوگ ہو۔" روح نے ہنس کر کہا۔

"وہ ہماری نسبت ذرا بزدل واقع ہوا ہے۔ فکر نہ کرو، جب وہ اپنے ساتھ ہمیں نہیں دیکھے گا تو واپس لوٹ آئے گا۔" محمود بولا۔

"لیکن روحیں خط کس طرح لکھ سکتی ہیں؟" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"خط کیا، وہ تو سب کچھ کر سکتی ہیں۔ بس میں نے آپ کو یہی بتانے کے لیے بلایا تھا، ٹھیک پونے دس بجے یہاں پہنچ جانا، تا کہ دعوت میں شریک ہو سکو اور موت کی اس دعوت کو روک سکو۔"

"لیکن اگر موت کی یہ دعوت ہر سال دی جاتی ہے تو پولیس اسے کیوں نہیں روکتی؟" انسپکٹر جمشید نے سوال اٹھایا۔

"پولیس کو تو اس دعوت میں شریک کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے آفیسر آتے ہیں۔"

"تب پھر، یہ دعوت موت کی دعوت کس طرح ہوئی؟"

"یہ آپ کو دس بجے معلوم ہو جائے گا۔ فاروق ابھی تک واپس نہیں آیا۔"

"وہ آتا ہی ہوگا۔ تم نے اپنا نام نہیں بتایا؟"

"میرا نام راجکماری کملا ہے۔" اس نے کھنکھناتی آواز میں کہا اور وہ چونک

"راج کماری کملا، کیا تم ہندو ہو۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، میں ہندو مذہب سے تعلق رکھتی تھی۔ لیکن پھر میں جاگیردار ب کی موت کی دعوت کی بھینٹ چڑھ گئی۔ اس نے مجھے موت کی دعوت کے میں مروا ڈالا۔ اور اب وہ ایک بار پھر وہی کھیل کھیلنے والا ہے۔"

"کیا اب وہ کسی اور کو مروانا چاہتا ہے؟" محمود نے بوکھلا کر پوچھا۔

"ہاں، اسی لیے۔ ارے، میں......"

آواز آنا بند ہو گئی۔ تینوں نے چونک کر جھنڈ کی طرف بغور دیکھا اور پھر ڑھے۔ قریب پہنچ کر انہوں نے دیکھا، جھنڈ میں کوئی نہیں تھا۔ ابھی جنگل میں ری نہیں تھی کہ انہیں کچھ نظر نہ آئے۔ انہوں نے جھنڈ سے کسی کو نکل کر جاتے یکھا تھا۔

"روح صاحبہ، آپ کہاں چلی گئیں؟" محمود بلند آواز میں بولا۔ لیکن روح ف سے کوئی جواب نہ ملا۔

پھر وہ اور آگے بڑھے اور جھنڈ میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے جھنڈ کا چپا الا، لیکن کہیں کسی کا نشان نظر نہیں آیا۔ قدموں کے نشانات بھی نظر نہیں

"یا اللہ رحم، کیا ہم واقعی کسی روح کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔" فرزانہ نے ہو کر کہا۔

''کیسی باتیں کرتی ہو۔ بھلا روح کو ہمیں یہاں بلانے کی کیا ضرورت
تھی۔ وہ اگر خط لکھ سکتی ہے تو اور بھی بہت کچھ کر سکتی ہے۔'' محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔
''اور فاروق کو تو دیکھو، کتنا بزدل ثابت ہوا۔ ہمیں بھی روح کے سامنے
شرمندہ ہونے پر مجبور کر دیا۔'' فرزانہ جلے کٹے انداز میں بولی۔
''واقعی، اس سے اتنی بزدلی کی امید نہیں تھی۔'' محمود نے اس کی تائید کی
اور انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ تو عجیب سے انداز میں مسکرا رہے تھے۔
''تو پھر مجھ سے کسی قدر بزدلی کی امید تھی؟'' فاروق کی آواز سن کر وہ
چونک اٹھے، لیکن آواز پیچھے سے نہیں، آگے سے آئی تھی۔ انہوں نے آنکھیں پھاڑ
پھاڑ کر دیکھا۔ فاروق جھنڈ کے عین درمیان میں کھڑا تھا۔
''ہائیں، تم یہاں کس طرح پہنچ گئے۔''
''چل کر۔ میں اس لیے بھاگا تھا کہ چکر کاٹ کر جھنڈ تک آؤں گا اور
دیکھوں گا کہ روح صاحبہ کہاں سے بول رہی ہیں۔ لیکن جوں ہی میں جھنڈ میں داخل
ہوا، وہ بھاگ نکلیں۔'' فاروق نے شریر انداز میں کہا۔
''بھاگ نکلیں؟ تو کیا تم نے اسے بھاگتے دیکھا ہے؟'' انسپکٹر جمشید حیران
ہو کر بولے۔
''اسی لیے تو چکر کاٹ کر یہاں آیا تھا کہ اسے دیکھ سکوں۔ میرا خیال تھا کہ
وہ بہت خوب صورت ہوگی، لیکن وہ تو کالی بھجنگ تھی۔''
''کیا کہا، روح کالی بھجنگ تھی۔ کہیں روح بھی کالی ہوتی ہیں۔'' فرزانہ
نے آنکھیں نکالیں۔
''تم کس طرح کہہ سکتی ہو کہ روحیں کالی نہیں ہوتیں۔'' جواب میں محمود
بھی اسے گھورا۔

''اس لیے کہ روح سے بھلا رنگ کا کیا تعلق؟'' فرزانہ نے مضبوط لہجے
کہا۔
''فرزانہ کا خیال ٹھیک ہے۔ روحیں تو ہمیں نظر آ ہی نہیں سکتیں۔''
ر جمشید بولے۔
''تو ابا جان، کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے
ا ہے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔
''ضرور دیکھا ہوگا۔ میں کب کہتا ہوں نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے
س نے بالکل سیاہ لباس اپنے اوپر منڈھ رکھا ہو، لیکن وہ روح نہیں ہو سکتی۔ وہ کوئی
ت ہوگی۔''
''میں کیا کہہ سکتا ہوں، بہرحال میں نے سیاہ رنگ کی عورت نما چیز کو دیکھا
فاروق نے کہا۔
''اچھا یہ بتاؤ، وہ کس طرف گئی ہے۔''
''وہ جھنڈ کے درمیان میں کھڑی تھی اور کھڑے کھڑے ہی زمین
س گئی۔ اس نے شاید میری موجودگی محسوس کر لی تھی۔''
''زمین میں دھنس گئی، یار کیوں مذاق کرتے ہو۔''
''ہر وقت مذاق کرنا میری عادت ہی سہی، لیکن یقین کرو، میں اس وقت
صد بھی مذاق کے موڈ میں نہیں۔'' فاروق نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔
''لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی عورت کھڑے کھڑے زمین میں دھنس
۔'' فرزانہ بولی۔
''تو کیا تمہارے خیال میں کوئی عورت بیٹھ کر زمین میں دھنس سکتی ہے؟''
منہ بنایا۔

"تو پھر وہ روح ہی رہی ہوگی۔" فاروق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"ہٹو، میں دیکھتا ہوں۔ مجھے بتاؤ، تم نے کس جگہ اسے دھنستے دیکھا ہے؟"

انسپکٹر جمشید آگے بڑھے۔

فاروق نے جس جگہ اشارا کیا، وہاں خودرو جھاڑیاں موجود تھیں۔ ان سے سوندھی سوندھی سی بو اٹھ رہی تھی۔ انہوں نے پہلے تو بغور ان کا جائزہ لیا اور پھر انہیں دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر جو اوپر اٹھایا تو چاروں حیران رہ گئے۔ جھاڑیاں آسانی سے اوپر اٹھ گئی تھیں۔ اور ان کے سامنے ایک اتنا بڑا سوراخ تھا، جس میں ایک آدمی اتر سکتا تھا۔

"ارے، باپ رے، یہ تو سرنگ معلوم ہوتی ہے۔"

"معلوم ہوتی نہیں، ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے، پھر وہ سرنگ میں اتر گئے۔

"اچھا۔" وہ باہر نکل آئے۔ کوٹ اتار کر فرزانہ کو دیا اور پھر نیچے اتر ے، پھر ان کی آواز سنائی دی:

"اوہو، اندر سے تو یہ سرنگ کافی بڑی اور کشادہ ہے۔ آ جاؤ تم لوگ بھی، کپڑے خراب ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

اور وہ تینوں بھی آگے پیچھے سرنگ میں آ گئے۔ انسپکٹر جمشید جیب سے ٹارچ نکال چکے تھے۔ ٹارچ کی روشنی میں وہ آ۔ . . ھے۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس چکر میں پڑ گئے ہیں۔

"یہ روح ہمیں کہیں پھنسوا نہ دے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"اللہ مالک ہے۔" محمود نے لمبا سانس کھینچا۔

سرنگ زیادہ لمبی ثابت نہیں ہوئی۔ دو منٹ تک چلنے کے بعد انہیں سیڑھی

ھیاں اوپر جاتی نظر آئیں۔ اوپر والی سیڑھی کے بعد انہیں لکڑی کا ایک تختہ نظر آیا۔ ا اوپر اٹھانے کے لیے جو انہوں نے زور لگایا تو معلوم ہوا کہ وہ اوپر سے بند کر دیا گیا

"روح صاحبہ تو بہت چالاک نکلیں۔ دروازہ اوپر سے بند کر دیا۔"

"اگر وہ ایسا نہ کرتی تو ہم اس تک نہ پہنچ جاتے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو کیا یہ سرنگ حویلی سے نکلتی ہے؟"

"ہم نے جس رخ سے سرنگ میں سفر کیا ہے، اس رخ پر حویلی کے سوا کوئی ت نہیں ہے، لہٰذا یہی کہا جا سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ پھر واپس مڑتے ے انہوں نے کہا۔

"آؤ واپس چلیں۔"

"اب آپ کا اس روح کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ابھی تک میں کوئی خیال قائم نہیں کر سکا۔ خیال قائم کرنے میں ابھی کچھ لگے گا۔ حویلی کے اندر جانے کے بعد ہو سکتا ہے، کچھ اندازہ لگانے میں کامیاب اں، لہٰذا صبر کرو۔"

"صبر تو کرنے کے ہم عادی ہیں ابا جان، ویسے بھی اللہ تعالیٰ صبر کرنے ے ساتھ ہیں۔" محمود بولا۔

وہ سرنگ سے باہر نکل کر پھر سڑک کی طرف چل پڑے۔ سڑک پر پہنچ کر نے دیکھا، پولیس کی ایک جیب اسی وقت حویلی کے دروازے پر رکی تھی۔

"یہ پولیس یہاں وقت سے پہلے کس طرح پہنچ گئی؟" فرزانہ بڑبڑائی۔

"آؤ، درختوں کی اوٹ سے دیکھتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے حویلی کے ے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

جلد ہی وہ جنگل میں حویلی کے سامنے موجود تھے۔ پولیس والے جیپ سے اتر کر اب دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ پھر انہوں نے چھوٹا دروازہ کھلتے دیکھا اور ملازم نے پولیس کو دیکھ کر حویلی کا بڑا دروازہ کھول دیا۔ پولیس اندر داخل ہوگئی۔ جیپ باہر کھڑی رہ گئی۔

"یہ چکر کیا ہے، بھئی؟" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"باقی لوگوں کو اندر جانے کی اجازت نہیں اور پولیس کو اجازت ہے۔ یہ جاگیردار صاحب کہیں پولیس کے ساتھ مل کر کوئی جرم تو نہیں کر رہے۔ کہیں اسی لیے تو روح نے ہمیں نہیں بلایا کہ پولیس تو کچھ کرے گی نہیں۔" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"مجھے ایک بات نے اور پریشان کر رکھا ہے۔" فاروق بول پڑا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہیں بھی کسی بات نے پریشان کر رکھا ہے۔" محمود خوش ہو کر بولا۔

"بھئی، پہلے پوچھ تو لو کہ کس بات نے پریشان کر رکھا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا موت کی دعوت میں لوگ دعوت ناموں کے بغیر ہی آتے ہیں۔ ہمیں کوئی نہیں ٹوکے گا۔"

"یہ سوال تو خیر میرے ذہن میں بھی گونجا تھا، لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ دعوت موت کی ہے۔ بغیر دعوت کے کوئی کہاں آنے لگا۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"اب یہ تو پونے دس بجے ہی معلوم ہوگا کہ ہمارے اندر داخل ہونے میں کوئی رکاوٹ پیش آتی ہے یا نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"آؤ پھر کسی ہوٹل تک چلیں۔"

اور وہ قصبے کی آبادی کی طرف چل پڑے۔ آدھ گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد انہیں آبادی کے آثار نظر آئے، پھر کچھ اور آگے چلنے پر ایک چھوٹا سا ہوٹل نظر آیا، وہ اس میں داخل ہوگئے اور ایک کمرہ کرائے پر لے کر اس میں آ گئے، جلد ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو بیرا نظر آیا۔

"کوئی چیز چاہیے جناب؟"

"ہاں، سب سے پہلے تو ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"ہم تم سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتے ہیں۔ فکر نہ کرو، تمہیں ٹپ بھی دیں گے، بولو، کیا تم ہمارے سوالوں کے جواب دو گے۔"

"جی ہاں، کیوں نہیں جناب، گاہکوں کی خدمت کرنا تو ہمارا فرض ہے۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔

"تو پھر اندر آ جاؤ، باہر کیوں کھڑے ہو۔"

وہ اندر آ گیا۔ بوڑھا سا آدمی تھا۔ پہلے تو انہوں نے اسے نظر بھر کر دیکھا، پھر بولے:

"اس قصبے میں رہتے کتنا عرصہ ہو گیا؟"

"پیدا ہی یہاں ہوا تھا۔"

"بہت خوب، جاگیردار کے متعلق کیا جانتے ہو؟"

"بہت ظالم آدمی ہے۔" اس نے ایک دم کہا۔

"کیسے؟" انہوں نے پوچھا۔

"لوگ اسے خونی قاتل اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہتے ہیں، لیکن پولیس نے آج تک اسے کسی الزام میں گرفتار نہیں کیا۔"

"گویا پولیس کو اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ملا۔"

"جی یہ بات نہیں۔ پولیس کو اس سے بھاری رشوت ملتی ہے، اس لیے وہ اسے گرفتار نہیں کرتی۔" اس نے کہا۔

"کیا اس قصبے میں کوئی روح بھی رہتی ہے؟"

"ہاں، ایک روح کو جنگل میں بھٹکتے اکثر دیکھا ہے۔ لوگ ڈر کر اس کے نزدیک نہیں جاتے۔ وہ بالکل سیاہ رنگ کی ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کوئی بھٹکتی ہوئی روح ہے۔"

"یہ معلوم نہیں کہ وہ کس کی روح ہے۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی نہیں، لیکن آپ روح کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں۔" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"اس لیے کہ ہم ابھی ابھی اس روح سے ملاقات کر کے آرہے ہیں۔

"کیا؟" وہ چلا اٹھا، پھر تیزی سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ اس کا رنگ انہوں نے آن کی آن میں سفید پڑتے دیکھا تھا۔

"ارے ارے، کہاں بھاگے جا رہے ہو بھئی، ٹھہرو۔" انسپکٹر جمشید چلا اٹھے۔ مگر وہ تو اتنی دیر میں غائب ہو چکا تھا۔

"ڈر گیا شاید۔" فاروق بولا۔

"ہاں، جیسے تم ڈر گئے تھے۔ پتا ہے، روح تمہارا مذاق اڑا رہی تھی۔" فرزانہ نے چوٹ کی۔

"اور پھر مجھ سے ڈر کر خود بھاگ گئی۔" فاروق ہنسا۔

"اس بیرے کو نیچے سے جا کر لانا چاہیے۔ آخر وہ اتنا خوف زدہ کیوں ہو گیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"شاید وہ کہیں ہی روم میں چھپ بیٹھا ہے۔" محمود نے کہا۔

"تم تینوں یہیں ٹھہرو، میں اسے لے کر ابھی آتا ہوں۔"

"جی اچھا۔" تینوں ایک ساتھ بولے۔

ان کو گئے تین منٹ گزر گئے، لیکن ان کی واپسی نہ ہوئی، تو فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا:

"حیرت ہے، ابا جان کہاں رہ گئے؟"

"بھئی، بیرے کو اوپر لانے میں مشکل پیش آرہی ہوگی۔ وہ آنے پر تیار نہیں ہو رہا ہوگا۔" محمود بولا۔

"اسے بلا کر لانا اتنا بھی ضروری نہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"تو جا کر ابا جان کو بلا لاؤ۔" فاروق نے بھی منہ بنایا۔

"ہاں، اب یہی کرنا ہوگا۔" یہ کہہ کر وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور پھر باہر نکل گئی۔ ہوٹل صرف دو منزلہ تھا۔ اور انہیں کمرہ دوسری منزل پر ملا تھا۔

کوئی دو منٹ بعد فرزانہ کی واپسی ہوئی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ آتے ہی اس نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"اب، ابا جان تو کہیں بھی نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب؟" دونوں اچھلے۔ عین اسی وقت ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔ انداز ان کے والد کا نہیں تھا۔

☆☆☆

تعاقب اور واپسی

انسپکٹر جمشید نے نیچے اتر کر اس بیرے کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تو وہ بیرونی دروازے سے باہر نکلتا نظر آیا۔ وہ اس کے پیچھے لپکے، لیکن جب ہوٹل سے باہر نکلے تو اسے ایک ٹیکسی میں سوار ہوتے دیکھا۔ انہیں بہت حیرت ہوئی۔ انہوں نے بھی ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑائیں اور جلد ہی انہیں ٹیکسی مل گئی۔

"اس ٹیکسی کے پیچھے چلو، دیکھو وہ نکل نہ جائے۔"

"فکر نہ کریں۔" ڈرائیور بولا اور گاڑی پوری رفتار سے چھوڑ دی۔

دوسری گاڑی بھی تیز رفتار پر جا رہی تھی۔ ان کی حیرت میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ ادھر درمیانی فاصلہ کسی صورت کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ جلدی انہوں نے محسوس کر لیا کہ ان کا ڈرائیور اگلے ڈرائیور سے زیادہ ماہر نہیں تھا اور پھر یہ بات اس وقت اور واضح ہو گئی، جب اچانک درمیانی فاصلہ بڑھنے لگا۔

"کیا کر رہے ہو بھئی، وہ نکلا جا رہا ہے۔"

"اس کی گاڑی نئی ہے جناب، جب کہ میری گاڑی پرانی ہے۔" ڈرائیور بے بسی کے انداز میں بولا۔

"اچھا تو پھر مجھے گاڑی چلانے دو۔ میں دیکھتا ہوں۔ وہ کیسے نکلتا ہے۔"

"آپ۔ آپ گاڑی چلائیں گے؟"

"ہاں، میرا خیال ہے، میں ایک ماہر ڈرائیور ہوں۔"

"تو پھر آجائیے۔" یہ کہہ کر ڈرائیور نے بریک لگائے اور کار سڑک کے ...ے روک لی۔ انسپکٹر جمشید اتر کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھے اور اب جو انہوں نے دیکھا تو اگلی ٹیکسی کو غائب پایا۔

"لو بھئی، وہ کس طرف مڑ گیا۔" انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

"میں نے اسے بائیں طرف مڑتے دیکھا ہے۔" ڈرائیور نے جلدی سے

انہوں نے گاڑی پوری رفتار سے چھوڑ دی۔ آگے چل کر ایک سڑک بائیں مڑتی نظر آئی۔ انہوں نے گاڑی اس طرف موڑ دی، لیکن یہ دیکھ کر انہیں بہت ...ی کہ ٹیکسی دور دور تک نظر نہیں آ رہی تھی۔

"اس سڑک پر کئی اور سڑکیں نکلتی ہیں، نہ جانے وہ کس سڑک پر مڑ گیا

"میں اگر یہاں انجان نہ ہوتا تو وہ نکل نہیں سکتا تھا۔ خیر، کوئی بات نہیں۔" انہوں نے کہا اور گاڑی آگے بڑھاتے چلے گئے۔ ادھر ادھر کی سڑکوں پر بھی نظریں ...ے تھے۔ آخر واپس مڑے اور ہوٹل کی طرف چل پڑے۔

"مجھے بہت افسوس ہے جناب، کیا اس ٹیکسی میں آپ کا کوئی عزیز تھا۔"

"نہیں، یہاں کا رہنے والا ہی ایک آدمی تھا۔ مجھے اس سے ایک کام تھا۔ ... یہاں جاگیردار صاحب کی موت کی دعوت میں شرکت کرنے آئے ہیں۔ ...تا سکتے ہیں، جاگیردار صاحب کس قسم کے آدمی ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"ایک دم ظالم۔" اس نے کہا۔

"آخر کیسے، انہوں نے کیا ظلم کیا ہے؟" انہوں نے حیران ہو کر پوچھا

"پتا نہیں، وہ اس قصبے کے ظالم ترین آدمی مشہور ہیں۔ لوگ انہیں
اور قاتل خیال کرتے ہیں۔"

"اور آپ اس روح کے بارے میں کیا جانتے ہیں جو یہاں کے
میں بھٹکتی رہتی ہے۔"

"ہاں، اس کے بارے میں بھی اکثر سننے میں آتا ہے۔ بہت سے
نے اسے دیکھا بھی ہے، لیکن مجھے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ آپ تو یہاں کے
والے ہی نہیں، کرید کرید کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"اس لیے کہ روح نے مجھ سے باتیں کی ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے
کر کہا۔

"کیا؟" ڈرائیور خوف زدہ انداز میں بولا۔ پھر اس نے یک دم
روک دی اور چیخ کر بولا۔

"فوراً میری گاڑی سے اتر جائیے۔"

"ارے ارے، بھئی۔ ہوا کیا ہے؟" وہ بوکھلا کر بولے۔

"میں کہتا ہوں، بس آپ اُتر جائیے۔"

"اوہو، کچھ پتا بھی تو چلے۔"

"دیکھیے، آپ اترتے ہیں یا نہیں۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"نہیں اترتا۔"

"اچھی بات ہے، نہ اتریے۔" یہ کہہ کر وہ خود نیچے اترا اور ایک
دوڑتا چلا گیا، پھر سڑک سے اُتر کر ایک گلی میں گھستا نظر آیا۔ انسپکٹر جمشید کی حیر
پوچھنا۔ یہی بات جب انہوں نے ہوٹل کے بیرے کو بتائی تھی تو وہ بھی ان کے

بھاگا تھا اور ایسا بھاگا تھا کہ ہوٹل سے ہی جاتا نظر آیا تھا اور اب ٹیکسی ڈرائیور
چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا۔ انہوں نے کچھ سوچا اور پھر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر
رف چل پڑے۔ ایک چوراہے پر انہیں ایک سارجنٹ نے رکنے کا اشارا

"کیا مصیبت ہے؟" وہ بڑبڑائے۔ وہ گاڑی ایک طرف کر کے روک

"لائسنس دکھائیے ٹیکسی کا۔"

"میرے پاس لائسنس نہیں ہے، کیونکہ میں ٹیکسی ڈرائیور نہیں ہوں۔"
سکرا کر کہا۔

"آپ ٹیکسی ڈرائیور نہیں ہیں اور ٹیکسی چلا رہے ہیں۔ یہ کیا بات ہوئی۔"
ران ہو کر بولا۔

"بات اس طرح ہوئی کہ میں اس ٹیکسی میں سفر کر رہا تھا، اچانک اس کا
چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ اب میں کیا کرتا۔ میں نے سوچا، ٹیکسی خود ہی ڈرائیو
ہوٹل تک لے جاتا ہوں، جس میں میں ٹھہرا ہوا ہوں، ڈرائیور آ کر لے

"لیکن وہ بھاگ کیوں نکلا؟"

"میں نے اس سے چند ایک سوال کیے تھے، پھر اس نے بھی مجھ سے ایک
ب میں نے اس کے سوال کا جواب دیا تو وہ بھاگ نکلا۔"

"کیا مطلب، آخر وہ سوال کیا تھا جو اس نے کیا تھا؟"

"دراصل میں اس سے اس قصبے میں بھٹکنے والی روح کے بارے میں
تھا۔ میں دار الحکومت سے آیا ہوں۔ اس نے روح کے بارے میں

بتاتے ہوئے یہ پوچھ لیا کہ میں اس کے بارے میں سوالات کیوں کر رہا ہو
میں نے جو بات تھی، وہ اسے بتا دی۔"

"کیا بات تھی؟" سارجنٹ نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے پوچھا۔

"دراصل روح مجھ سے اور میرے بچوں سے ملاقات کر چکی ہے۔"

"کیا؟" سارجنٹ کی چیخ بہت بلند تھی اور پھر وہ بھی ان کے پاس

کھسکتا نظر آیا۔

"ارے ارے، آپ کو کیا ہوا، سنیے تو۔"

لیکن اس نے ایک نہ سنی اور تیزی سے ان سے دور ہٹنے لگا۔ انہو
دل ہی دل میں لاحول ولا قوۃ پڑھا اور ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ ٹیکسی انہو
ہوٹل کے سامنے کھڑی کی اور خود اوپر پہنچے۔ کمرے کا دروازہ انہیں بند نظ
انہوں نے دستک دی۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ ہینڈل گھمانے پر پتا چلا، در
میں تالا لگا ہوا تھا۔ انہیں بہت حیرت ہوئی کہ تینوں کہاں چلے گئے، پھر وہ نیچے
اور کاؤنٹر کی طرف بڑھے۔

"اوپر والی منزل کے کمرہ نمبر انیس میں میں اپنے تینوں بچوں کو
ابھی آدھ گھنٹا پہلے گیا تھا، آپ بتا سکتے ہیں وہ کہاں گئے ہیں؟"

"ایک منٹ جناب، میں رجسٹر دیکھ کر بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس
کھولا اور پھر چونک کر بولا:

"جی، آپ نے کمرہ نمبر ۱۹ بتایا، وہ تو کمرہ چھوڑ کر جا چکے ہیں۔"

"جی کیا فرمایا، کمرہ چھوڑ کر جا چکے ہیں؟" انہوں نے حیران ہو کر

"جی ہاں۔" وہ بولا۔

"کمرہ ابھی تک خالی ہے، کرائے پر تو نہیں چڑھا۔"

"جی نہیں۔" اس نے کہا۔

"تب یہ مجھے دوبارہ کرائے پر دے دیں۔"

"افسوس، آپ کو کمرہ نہیں دیا جا سکتا۔" اس نے کہا، انہیں اور بھی حیرت

"آخر کیوں؟" وہ چلائے۔

"آہستہ بولیے، میں دل کا مریض ہوں۔ منیجر صاحب کا حکم یہی ہے کہ
ان کو کمرہ دوبارہ نہ دیا جائے۔"

"یہ شرط صرف اسی کمرے کے لیے ہے یا ہوٹل کے ہر کمرے کے لیے۔"
نے پوچھا۔

"آپ کو ہوٹل کا کوئی کمرہ بھی نہیں دیا جا سکتا۔"

"منیجر صاحب کہاں ہیں؟"

"وہ گھر جا چکے ہیں۔ اب صبح مل سکیں گے۔"

"آپ یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ میرے بچے کہاں گئے ہیں؟" انہوں نے

"کیوں نہیں، وہ جاگیردار کی حویلی کی طرف جاتے نظر آئے تھے، بلکہ
یں ٹیکسی ڈرائیور سے یہ کہتے بھی سنا تھا کہ انہیں حویلی تک جانا ہے۔ ٹیکسی
یں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔"

"اس اطلاع کے لیے بہت بہت شکریہ۔ کم از کم آپ نے اتنا تعاون تو

انسپکٹر جمشید نے پر خلوص انداز میں کہا۔ کاؤنٹر کلرک ان کے لہجے سے
ے بغیر نہ رہ سکا۔ فوراً بولا:

"سنیے جناب، میں نہیں جانتا، منیجر صاحب نے آپ لوگوں سے کمرہ
کیوں خالی کرایا ہے اور یہ ہدایت کیوں دی ہے کہ آپ کو کمرہ نہ دیا جائے۔ آج
پہلے کبھی کسی گاہک سے ایسا سلوک نہیں کیا گیا۔" اس کے لہجے میں افسوس تھا۔
"کوئی بات نہیں۔ ویسے آپ اتنا تو بتا سکتے ہیں، وہ بوڑھا بیرا کہاں گیا،
ہمارے کمرے سے آرڈر لینے گیا تھا۔"
"مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ بدحواسی کے عالم میں نیچے اترتا نظر آیا
اور منیجر کے کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔ فوراً ہی وہاں سے نکل کر باہر چلا گیا تھا۔
بھی اس کے پیچھے جاتے نظر آئے تھے۔ آخر یہ کیا معاملہ ہے۔"
"میں آپ کو کیا بتاؤں، بس یوں سمجھ لیں کہ کچھ نہیں بتا سکتا۔" یہ کہہ کر
باہر نکل آئے۔
اب وہ بھی ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر حویلی کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ قصبہ
قصبے کے لوگ ان کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ حیرت تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔
حویلی کے دروازے پر پہنچ کر اترے، بل ادا کیا، دیکھا تو حویلی کا دروازہ اب بھی
تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ محمود، فاروق اور فرزانہ اندر تو داخل ہو نہیں سکتے تھے، کیو
ابھی دس نہیں بجے تھے۔ اچانک انہیں ایک خیال آیا۔ وہ جنگل میں اس جھنڈ کی
مڑے۔
فوراً ہی انہیں فاروق اپنی طرف آتا نظر آیا۔ وہ انہیں ہاتھ سے اپنی
آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔
"تو تم اس جھنڈ میں بیٹھے ہو۔"
"اور کیا کرتے ابا جان، یہ قصبہ تو کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے۔" ہم
فاروق بولا۔

"ہاں، ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" انہوں نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔ اور
ساتھ جھنڈ کی طرف چل پڑے۔
"تو میرے نکلتے ہی منیجر نے تمہیں کمرہ خالی کرنے کا حکم دے دیا۔" وہ

"جی ہاں، ہم نے بہت کہا، کم از کم ہمارے والد کو تو آ لینے دیں۔ لیکن اس
ایک نہ سُنی۔ آخر ہمیں سامان اٹھا کر یہاں آنا پڑا، کیونکہ ہم جانتے تھے۔
آ ئیں گے۔ یوں بھی ہم نے ٹیکسی ڈرائیور ہوٹل کے ہال سے پکڑ لیا تھا۔
کلرک سن لے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔" فاروق نے بتایا۔
"یہ تم نے عقل مندی کی۔" وہ بولے۔
وہ جھنڈ تک پہنچ گئے۔ یہاں محمود اور فرزانہ سوٹ کیس پر بیٹھے تھے۔
"آپ کے ساتھ کیا رہا۔ وہ بوڑھا ملا یا نہیں۔" محمود نے پوچھا۔
"نہیں، حالات اس قدر عجیب و غریب ہیں کہ بیان نہیں کر سکتا۔"
"ایسا نہ کہیے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔
"کیا مطلب؟" انسپکٹر چونک کر بولے۔
"اگر آپ بیان نہیں کر سکیں گے تو ہمیں کس طرح معلوم ہوں گے۔" اس
وہ مسکرا دیے، پھر تعاقب اور واپسی کی تفصیل سنا دی۔
تینوں کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ منہ کھلے کے
کھلے۔

☆☆☆

دعوت کا بل

کئی سیکنڈ تک مکمل خاموشی طاری رہی، پھر فاروق نے ڈری ڈری آواز میں کہا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے ہم کسی آسیبی چکر میں پھنس گئے ہیں۔"

"آسیبی میں نہیں، روحانی میں کہو۔" محمود بولا۔

"روح نے اگر ہم سے باتیں کر لی ہیں تو اس سے قصبے والے کیوں ڈرتے ہیں اور کوئی ہمیں وجہ کیوں نہیں بتاتا۔" فرزانہ بے چین تھی۔

"ٹھہرو، میرے ذہن میں ایک ترکیب آتی ہے۔ ابھی موت کی دعوت شروع ہونے میں وقت ہے۔ ہم اپنا سامان یہیں چھوڑ کر قصبے کی طرف چلتے ہیں، جوں ہی کوئی راہگیر ملا۔ ہم اسے پکڑ کر یہی سوال کریں گے۔ اگر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو بھاگنے نہیں دیں گے، جب تک کہ وہ بتا نہ دے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ترکیب تو مزے دار ہے۔" فاروق بولا۔

"تو چاٹ لو اسے۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں ترکیبیں چاٹنے کا ماہر نہیں۔ یہ کام تم ہی کو مبارک۔" فاروق بولا۔

وہ سامان وہیں چھوڑ کر چل پڑے۔ جلد ہی انہیں ایک راہگیر مل گیا۔ اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔

"آپ اسی قصبے کے رہنے والے ہیں؟"

"ہاں بالکل، لیکن تم لوگوں نے میرا راستہ کیوں روکا ہے۔ تم لوگ ڈاکو تو نہیں۔"

"نہیں، آپ فکر نہ کریں۔ ہم دارالحکومت سے آئے ہوئے شریف لوگ ہیں اور آپ سے چند باتیں پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"ضرور پوچھیے۔" اس نے مطمئن ہو کر کہا۔

"جاگیردار کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"بہت ظالم اور جابر آدمی ہے، بلکہ خونی اور قاتل بھی۔" اس نے کپکپا کر کہا۔

"اس کے ظالم ہونے کا کوئی ثبوت بھی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہی تو مزے کی بات ہے کہ اس کے خلاف آج تک کوئی ثبوت نہیں مل سکا، ورنہ پولیس اسے پکڑ نہ لیتی اور اب تو سنا ہے، پولیس بھی اس کے ساتھ ہے، اس کی رقمیں اینٹھتی ہے۔" اس نے کہا۔

"اور یہ قصبے کی روح کا کیا چکر ہے۔"

"وہ، وہ بس ایک روح ہے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"اسے آج تک کسی نے دیکھا بھی ہے؟"

"ہاں، بہت سے لوگوں نے، عام طور پر وہ جاگیردار کی حویلی کے اس جنگل میں بھٹکتی پھرتی ہے۔"

"اور اس کے بارے میں کیا کچھ سنا ہے؟"

"سنا ہے، اس کا رنگ بالکل کالا ہے۔ وہ بہت ڈراؤنی ہے۔" اس نے کہا،

پھر چونک کر بولا:

"لیکن آپ کو روح کے بارے میں کس طرح معلوم ہوا۔ آپ یہ سب سوالات کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ انہیں بھی اس کی طرف سے اسی سوال کا انتظار تھا۔

"دراصل وہ روح تھوڑی دیر پہلے ہی ہم سے باتیں کر چکی ہے۔"

"کیا؟" وہ چیخ کر بولا اور پھر جانے کے لیے قدم اٹھائے۔

"ذرا ٹھہریے، ہمارے ایک دو سوالوں کے جواب اور دیتے جائیے۔" انسپکٹر جمشید ہاتھ اٹھا کر بولے۔

"نن نہیں۔ مجھے جانے دیں۔ مجھے بہت ضروری کام ہے۔" یہ کہہ کر اس نے ان کے برابر سے نکل جانے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے اسے بازو سے پکڑ لیا اور بولے:

"جب تک آپ جواب نہیں دیں گے، ہم آپ کو نہیں چھوڑیں گے۔"

"کک، کیا مطلب؟"

"ہم جسے بھی یہ بات بتاتے ہیں کہ روح نے ہم سے باتیں کی ہیں۔ وہ ہمارے پاس سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جس ہوٹل میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے، ہمیں اس ہوٹل سے بھی نکال دیا گیا، کیونکہ ہم نے ہوٹل کے بیرے کو یہ بات بتا دی تھی۔ اب آپ بھی بھاگ جانا چاہتے ہیں۔ آخر یہ چکر کیا ہے، جلدی بتائیے۔"

"چک۔ کر۔ ہاں، مجھے چکر آ رہا ہے۔ ارے ارے، میں، میں....."

اور وہ بے ہوش ہو کر گرنے لگا۔ مگر انسپکٹر جمشید نے اسے گرنے سے بچا لیا۔ اسے ہلا جلا کر دیکھا، تو وہ واقعی بے ہوش ہو چکا تھا۔ زمین پر لٹا کر انہوں نے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی، لیکن وہ ہوش میں نہ آیا۔

"وحشت تیرے کی، عجیب قصبہ ہے یہ۔ عجیب لوگ ہیں قصبے کے۔ عجیب ہے اس قصبے کی۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"آج تو تم بالکل میرے انداز میں زبان چلا رہے ہو، خیر تو ہے۔" فاروق بولا۔

"اب ہم اس کا کیا کریں؟" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"ایک طرف کر کے لٹا دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر تک ہوش میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ہوش میں آ گیا تو ٹھیک ہے، ورنہ ہم اس کے پاس سے ہٹ [illegible] کے۔ یہ خوف سے بے ہوش ہوا ہے، خود بخود ہوش میں آ جائے گا۔"

انہوں نے اسے ہوش میں لانے کی بہت کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ آخر اس کے پاس سے ہٹ کر پھر جھنڈ کی طرف چل پڑے۔ انسپکٹر جمشید کی ساری ترکیب بُری طرح ناکام ہو چکی تھی۔

☆☆

"یہ قصبہ کہیں ہمیں پاگل نہ کر دے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"خدا اپنا رحم فرمائے۔ میرا تو پاگل ہونے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔" [illegible]لا۔ انسپکٹر جمشید بے ساختہ مسکرا دیے۔

"وہ۔ روح نے اپنا کیا نام بتایا تھا۔" محمود سوچ میں گم لہجے میں بولا۔ ایسا [illegible]تا تھا جیسے اس نے ان دونوں کے جملے سنے ہی نہ ہوں۔

"شاید راج کماری کملا بتایا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ ہندو مذہب سے تعلق [illegible]ے۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"تب تو وہ ضرور روح ہی ہے۔" محمود بولا۔

"یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو؟" فاروق نے اسے گھورا۔

"ہندو روحوں کی داستانیں بہت سُننے میں آتی ہیں۔"

"چھوڑو، وہ صرف داستانیں ہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ویسے ہمیں یہ تو معلوم کرنا چاہیے کہ یہ راج کماری کملا کون تھی؟" محمود نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"ہاں، واقعی۔ ہمیں قصبے کے کسی بوڑھے سے یہ بات پوچھنی چاہیے تھی، کیوں ابا جان؟"

"بات ٹھیک ہے اور ہم یہ بات روح کے چکر میں بھول گئے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو کیوں نہ کسی اور راہگیر سے یہ سوال کریں۔"

"ہاں آؤ، شاید اب تک اسے بھی ہوش آ گیا ہو۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ وقت بہت سست رفتاری سے گزرتا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ اس جگہ آئے، جہاں اسے لٹا کر گئے تھے، وہ نظر نہ آیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ ہوش میں آتے ہی وہ اٹھ کر بھاگ نکلا تھا۔ وہ ایک بار پھر قصبے کی طرف قدم اٹھانے لگے۔

"آخر اس جاگیردار کو اتنی دور حویلی بنانے کی کیا ضرورت تھی۔" فرزانہ نے بھنائی ہوئی آواز میں کہا۔

"حویلی اس نے تو بنوائی نہیں ہوگی۔ اس کے باپ دادا کی ہوگی۔" محمود بولا۔

پندرہ منٹ بعد انہیں ایک بوڑھا مل ہی گیا۔ وہ جنگل میں ایک جھونپڑی کے دروازے پر بیٹھا تھا۔

"کیوں بابا، کیا آپ اسی قصبے میں پیدا ہوئے تھے؟" محمود نے آگے

ر پوچھا۔ انسپکٹر جمشید نے ہی اسے اشارا کیا تھا کہ بات کرے۔

"ہاں بیٹا، یہیں پیدا ہوا تھا اور یہیں مر جاؤں گا۔" اُس نے سرد آہ بھری۔

"آپ شاید اکیلے ہی ہیں۔"

"اس دنیا میں ہر آدمی اکیلا ہی دنیا سے جاتا ہے۔" اس نے پہلے سے بھی لمبی آہ بھری۔

"ہاں، بات تو آپ کی بالکل ٹھیک ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ جاگیردار کس قسم کا آدمی ہے؟"

"اس کے بارے میں مشہور یہی ہے کہ وہ بہت ظالم آدمی ہے۔" اس نے

"گویا یہ ضروری نہیں کہ وہ ظالم ہو بھی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھیں تو وہ ظالم ہی ہوگا، کوئی اس کے بارے میں یہی کہتا ہے۔"

"آپ تو بہت بوڑھے ہیں۔ آپ کو تو ذاتی طور پر بہت کچھ معلوم ہونا جاگیردار آپ سے زیادہ عمر کا تو نہیں ہوگا۔" انسپکٹر جمشید نے سوال کیا۔

"نہیں، وہ پچاس سال سے زیادہ عمر کا نہیں ہے، جب کہ میں ستر سال کا ن میں نے ہمیشہ اپنے کھیت میں ہل چلایا اور روزی پیدا کی۔ اِدھر اُدھر کی کانوں کو بند رکھا۔ کبھی کسی کے معاملے میں ٹانگ نہیں اڑائی، نہ دوسروں ننے کی کوشش کی، اس لیے بھلا میں آپ کو کیا بتا سکتا ہوں۔"

"اچھا، یہ راج کماری کملا کون تھی؟"

"راج کماری کملا۔ میں نے یہ نام پہلی مرتبہ سنا ہے۔" اس نے حیران نہوں نے مایوسانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر کچھ سوچ کر

انسپکٹر جمشید بولے:

"بابا، ایک دن سبھی کو مر جانا ہے۔ آپ کافی بوڑھے ہو چکے ہیں، موت سے تو کیا ڈرتے ہوں گے۔"

"نہیں، مجھے موت سے کوئی ڈر نہیں لگتا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"حویلی کے پاس بھٹکنے والی روح کے بارے میں بھی کچھ بتا سکتے ہیں یا نہیں؟"

"اسے تو خیر میں نے خود کئی بار دیکھا ہے۔"

"اوہ، وہ کیسی ہے؟"

"بہت خوفناک، کالی کلوٹی۔" بوڑھا کانپ کر بولا۔

"ہوں، آپ کو ایک بات بتائیں بابا۔" فاروق نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کہا۔

"ضرور، ضرور۔ تم لوگ مجھے بہت اچھے لگ رہے ہو۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"بہت بہت شکریہ، ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم نے بھی اس روح کو دیکھا ہے۔" فاروق نے یک دم بات کہہ دینا مناسب نہ سمجھا۔

"ارے اچھا۔" بوڑھا چونک کر بولا۔

"ہاں، بلکہ روح نے تو ہم سے باتیں بھی کی ہیں۔"

"کیا؟" بوڑھے کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں، پھر وہ تیزی سے ا[illegible] اور درختوں کی طرف بھاگا۔ انسپکٹر جمشید نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

"آپ تو بہت بہادر ہیں۔ موت سے نہیں ڈرتے، پھر کیا بات ہے بھاگے کیوں جا رہے ہیں، مہربانی فرما کر ہمیں بتائیے۔ اگر روح نے ہم سے باتیں کی ہیں تو اس میں خوف زدہ ہونے والی کیا بات ہے؟"

"روح، روح، روح۔" وہ ہکلانے لگا۔

"ہاں ہاں، بتائیے، ڈریے نہیں۔"

"وہ، جس سے باتیں کرتی ہے....."

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔ انہوں نے بوکھلا کر اس کی نبض ٹٹولی۔ دل کی دھڑکن دیکھی اور پھر بولے۔

"خدا کا شکر ہے، مرا نہیں۔ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔ میرا خیال ہے، اب ہمیں یہ سوال کسی سے نہیں پوچھنا چاہیے۔ ہم تیل دیکھیں گے اور تیل کی دھار دیکھیں گے۔ ارے، حویلی کا دروازہ کھلنے کا وقت ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ دروازہ کھلے، ہمیں جھنڈ تک پہنچ جانا چاہیے۔"

انہوں نے بوڑھے کو جھونپڑی کے اندر لے جا کر لٹا دیا اور خود ایک بار پھر حویلی کی طرف چل پڑے۔ اب سڑک آباد نظر آ رہی تھی۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے کئی کاریں گزر گئیں، گویا موت کی دعوت کے مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔

"کیا حویلی میں داخلے کے لیے کوئی دعوت نامہ تو نہیں ہوتا ہوگا۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"فکر نہ کرو، اگر دعوت نامے کی ضرورت پڑی تو ہم وہ بھی حاصل کر لیں گے، لیکن میرا خیال ہے، ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہاں صرف خاص خاص لوگ ہی آتے ہوں گے۔ عام لوگ آنے کی جرأت نہیں کر سکتے ہوں گے۔"

"ہوں، خیر دیکھا جائے گا۔"

وہ جھنڈ میں پہنچ کر حویلی کے دروازے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ دروازہ یہاں سے صاف نظر آتا تھا۔ اب پورا دروازہ کھل چکا تھا۔ سڑک پر

کھڑی کی جانے والی کاروں کی قطار لمبی ہوتی چلی جارہی تھی۔لوگ کاروں سے اُتر کر دروازے کی طرف پیدل آرہے تھے۔

"میرا خیال ہے،اب ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔دروازے پر کوئی نگران یا استقبال کرنے والا موجود نہیں ہے۔ہم دوسرے مہمانوں میں شامل ہو کر اندر پہنچ سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر چلیے،اللہ کا نام لے کر۔" محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

وہ اٹھ کر سڑک کی طرف آئے اور پھر موقع پا کر سڑک پر اس وقت پہنچے، جب انہیں جنگل سے نکل کر سڑک پر آتے کوئی نہ دیکھ سکا۔وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگے۔اسی وقت ایک کار پیچھے آ کر رکی اور اس میں سے ایک موٹے قد کا آدمی اُترا۔ وہ اس سے پہلے اندر داخل ہونا چاہتے تھے، اس لیے رفتار اور کم کر دی، پھر جب وہ آگے نکل گیا تو اس کے پیچھے حویلی میں داخل ہوئے اندر داخل ہوتے ہی انہیں یوں محسوس ہوا، جیسے وہ حویلی نہ ہو کوئی قلعہ ہو۔اندر موت کا سناٹا طاری تھا اور ان کے علاوہ کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔وہ موٹے کے پیچھے ایک روش پر چلنے لگے۔روش پر سرخ بجری بچھائی گئی تھی۔بجری ان کے پیروں تلے آواز پیدا کر رہی تھی اور اس سناٹے میں یہ آواز بہت ہی ہولناک لگ رہی تھی۔فاروق اور فرزانہ کو خوف سا محسوس ہونے لگا۔ انہیں یوں لگا جیسے وہ کسی آسیبی قلعے میں گھس آئے ہوں۔آخر موٹا آدمی ایک برآمدے میں داخل ہوا۔اب اس کے قدموں کی گونج نے ہل چل سی مچا دی۔وہ بھی برآمدے میں داخل ہوئے۔اب قدموں کا شور اور بڑھ گیا۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی صدیوں پرانے مقبرے میں چل رہے ہوں اور ان کے چلنے سے بے شمار روح چیخ چلا رہی ہوں۔اب تو محمود کو بھی اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔اس نے گھبرا کر اپنے والدہ کی طرف دیکھا۔وہ ان سے آگے چل رہے تھے۔ان کی چال

ابھی گھبراہٹ نہیں ٹپک رہی تھی۔ یہ دیکھ کر ان کی ڈھارس بندھی۔اسی وقت ی ایک موڑ گھوم گیا اور پھر ایک دروازے میں داخل ہو گیا۔انہوں نے بھی دیر ب نہ سمجھا اور کمرے میں داخل ہو گئے۔

انہوں نے دیکھا، یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا۔اس کی چھت بھی بے تحاشا ۔اتنی اونچی کہ اسے دیکھنے کے لیے منہ پوری طرح اونچا کرنا پڑتا تھا۔دیوار و ساتھ کرسیاں بچھی تھیں۔ہال میں مکمل خاموشی تھی۔کوئی بھی کسی سے بات ر ہا تھا۔موٹا بھی ایک کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔اس کے ساتھ والی کرسیوں پر وہ بھی ۔ماحول حد درجے پر اسراریت لیے ہوئے تھا۔وہ اپنے دل کی دھڑکنیں ں رہے تھے۔تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص اندر داخل ہوا اور ان کے ساتھ والی بیٹھ گیا۔کرسیاں پُر ہوتی جارہی تھیں اور ان پر ایک عجیب سی گھبراہٹ طاری ں ایک دھڑکا سا لگا تھا۔اور پھر تمام کرسیاں پُر ہو گئیں۔اس کے ساتھ ہی اس ے دروازے کے بالکل سامنے والی دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ کھلا اور قامت کا ایک انسان اندر داخل ہوا۔اس کی انگارہ سی آنکھوں میں حد ت ناک چمک تھی۔انہوں نے اتنا لمبا اور صحت مند آدمی شاید پہلے کم ہی دھر تو وہ چھوٹے دروازے سے اندر داخل ہوا اور مہمانوں کے لیے کھولے ے سے چار مہمان اندر داخل ہوئے اور یہ دیکھ کر ٹھٹک گئے کہ کمرے میں الی نہیں تھی۔فوراً ہی باقی تمام مہمانوں نے بھی یہ بات محسوس کر لی۔ان ں کی ایک لہر دوڑ گئی۔طویل قد و قامت کے آدمی نے بھی یہ بات فوراً لہ آخر میں آنے والے چار آدمیوں کے لیے کمرے میں کوئی کرسی خالی

یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" اس کی دھاڑتی آواز گونجی۔ایک ایک لفظ اس نے

چبا چبا کر اور رک رک کر کہا تھا، پھر بولا:

"جتنے مہمانوں کو آنا ہوتا ہے، اتنے ہی مہمانوں کے لیے یہاں کر
بچھائی جاتی ہیں اور اس کے بعد مہمانوں کے آگے کھانا رکھ دیا جاتا ہے، لیکن آج
مہمان کس طرح بچ گئے۔ کرسیاں تو بالکل پوری رکھی گئی تھیں۔ اس کا مطلب ہے
آدمی بن بلائے چلے آئے ہیں۔ وہ، کون، ہیں؟"

اس نے آخری تین لفظ۔ رک رک کر اور چبا چبا کر ادا کیے۔ ان الفا
عجیب سی گونج پیدا کی۔

"وہ، ہم، ہیں۔" فاروق نے بلا سوچے سمجھے اٹھ کر کہا۔

محمود اور فرزانہ نے تلملا کر اس کی طرف دیکھا، لیکن انسپکٹر جمشی
چہرے پر ایک دل کش مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

"لیکن تم تو صرف ایک ہو اور وہ بھی ایک لڑکے۔" لمبے آدمی نے
ہو کر کہا۔ دوسروں کی نظریں بھی اس پر جم گئیں۔

"میرے ساتھ یہ بھی ہیں۔ کھڑے ہو جائیں آپ بھی۔" فاروق
کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بہت بہتر۔" انسپکٹر جمشید بولے اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"اور تم نے بن بلائے چلے آنے کی کوشش کس طرح کی؟"

"ہم نے آپ کی اس دعوت کی بہت شہرت سنی تھی۔ ہمارا بھی جی
دعوت اڑا کر دیکھیں۔ ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہاں صرف وہ لوگ آتے ہیں
دعوت دی جاتی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اب تو تم آ ہی گئے ہو، لہٰذا دعوت کھا کر ہی جا سکو گے۔" لمبے آ
خشک آواز میں کہا، پھر شاہانہ انداز میں تالی بجائی۔ فوراً ہی ایک اور چھوٹا درواز

والی دیوار میں کھلا اور دو ملازم اندر داخل ہوئے۔

"آج چار مہمان بن بلائے آ گئے ہیں۔ چار کرسیاں اور لے آؤ۔"

"بہت بہتر جناب۔" انہوں نے جھک کر کہا اور اسی دروازے سے واپس

"تو آپ ہی جاگیر دار ہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں، لیکن آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کس طرح پہنچ گئے؟" اس
یں بلا کی کاٹ تھی۔

"ہم دارالحکومت سے آئے ہیں۔ آپ کی دعوت کے بارے میں سنا تو
کے لیے بے چین ہو گئے۔" وہ بولے۔

"اور آتے ہوئے ان بچوں کو بھی لے آئے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں

"ہاں، میں جہاں بھی جاتا ہوں، یہ بھی میرے ساتھ جاتے ہیں۔"

اسی وقت چار ملازم چار کرسیاں اور چار میزیں لے کر اندر داخل ہوئے اور
ساتھ بچھا کر واپس چلے گئے۔ بعد میں آنے والے ان کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"اس سے پہلے کہ دعوت شروع ہو، آپ لوگ دعوت کا بل ادا کر دیں۔"

"کیوں نہیں جاگیر دار صاحب، کیوں نہیں۔"

انہوں نے دیکھا، سب مہمان جیب سے سو سو روپے کے نوٹوں کی گڈیاں
تھے۔ وہ جوں کے توں بیٹھے رہے۔ باقی تمام نے گڈیاں نکال نکال کر
ں میزوں پر رکھ دیں۔

"تم چاروں کی میزیں ابھی تک خالی ہیں۔"

"ہم نے آج تک نہیں سنا کہ دعوت بھی دعوت کا بل لے کر کھلائی جاتی

ہے اور پھر ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ایک آدمی کو کتنا بل ادا کرنا پڑتا ہے۔"

"پانچ ہزار روپے فی آدمی۔ یہ دعوت سال میں صرف ایک بار دی جاتی ہے۔"

"اف خدا، اتنی مہنگی دعوت۔" فاروق بول اٹھا۔

"پانچ پانچ ہزار روپے نکال کر میزوں پر رکھ دو۔"

"افسوس، ہمارے پاس اتنے پیسے کہاں۔"

"تب پھر تم دعوت نہیں اڑا سکو گے۔"

"اچھا تو پھر ہمیں اجازت دیجیے۔"

"ابھی نہیں۔ پہلے یہ سب لوگ دعوت کھائیں گے اور تم ان کا منہ دیکھو گے۔ پھر سب مہمان یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔ اس کے بعد تم جا سکو گے۔ بن بلائے آنے کی تمہیں کچھ تو سزا ملنی چاہیے۔"

"یہ تو بہت ہی نرم سزا ہے۔ حیرت ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کس بات پر حیرت ہے؟"

"آپ تو لوگوں میں بہت ظالم اور جابر مشہور ہیں۔"

"میں دراصل بدنام ہوں اور بدنام بد سے برا ہوتا ہے۔ مہربانی کر کے اب خاموش رہو۔"

اسی وقت وہی چھوٹا دروازہ کھلا، جس میں سے جاگیردار اندر آیا تھا اور انہوں نے ایک نوجوان عورت کو اندر آتے دیکھا۔ اس کے جسم پر شاہانہ لباس تھا، لیکن وہ عورت ہلدی کی طرح زرد نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں گہری اداسی تھی۔

☆☆☆

یہ تو وہی ہیں

"آؤ بیگم، تم یہ جان کر خوش ہو گی کہ اس مرتبہ ہم دسویں موت کی دعوت ہے ہیں، گویا یہ سلسلہ دس سال سے جاری ہے۔ تم اپنا کام شروع کر دو، تاکہ ہم ن اڑا سکیں۔"

"بہت اچھا، میں حاضر ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ میزوں کی طرف بڑھی۔ اس کے پیچھے دو خادم بھی کمرے میں ہوئے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھ میں پلاسٹک کا ایک بہت بڑا تھیلا تھا۔ انہوں ں تھیلے کا منہ کھول رکھا تھا۔ جاگیردار کی بیگم نے نوٹوں کی گڈیاں اٹھا اٹھا کر اس یں ڈالنا شروع کر دیں۔ سب لوگ خاموشی سے اس کام کو ہوتے دیکھتے رہے۔ ت چھوٹا دروازہ ایک بار پھر کھلا اور جاگیردار کی بیوی سے ملتی جلتی شکل کی ایک ر داخل ہوئی۔ اس کی آنکھیں بھی دکھ اور غم میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"کول، تم نے آنے میں بہت دیر لگا دی۔ یہ کچھ اچھی بات نہیں۔"

"میں۔ میں معافی چاہتی ہوں۔" اس نے ہکلا کر کہا۔

"چلو بیٹھ جاؤ، بس دعوت شروع ہوا ہی چاہتی ہے۔" جاگیردار نے کہا اور ا۔ مہمانوں میں اور بھی عورتیں شامل تھیں۔

آخر بیگم جاگیردار کا کام ختم ہوا۔ ملازم تھیلا چھوٹے دروازے سے لے
گئے۔ بیگم دوسری عورت کومل کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"اگرچہ میں ہر سال دعوت کی تفصیل سناتا ہوں، لیکن چونکہ ہر سال کچھ
نئے مہمان بھی شامل ہو جاتے ہیں، اس لیے ہر بار دہرائے بغیر کام نہیں چلتا۔ غور سے
سنیے، تمام میزوں پر کھانے کی صرف ایک ایک پلیٹ رکھی جائے گی۔ ان میں سے
صرف ایک پلیٹ میں کھانا زہر آلود ہوگا۔ باقی تمام پلیٹوں میں کھانا بالکل ٹھیک ہوگا۔
آج فرنی کی پلیٹیں پیش کی جائیں گی۔ زہر کس پلیٹ میں ہے، یہ صرف مجھے معلوم
ہے۔ پلیٹوں کے نیچے نمبر لکھے ہیں۔

پلیٹیں ایک سرے سے شروع نہیں کی جائیں گی۔ آپ میں سے کوئی بھی
اٹھ کر فرمائش کرسکتا ہے کہ پلیٹیں اس سے شروع کی جائیں۔ اس طرح کچھ نہیں کہا
جاسکتا کہ زہر آلود پلیٹ کس کے حصے میں آتی ہے، لیکن زہر آلود پلیٹ جس کے حصے
میں بھی آئے گی۔ وہ تمام حاضرین کو چالیس چالیس ہزار روپے ادا کرے گا ان سب
لوگوں نے پانچ پانچ ہزار روپے مجھے ادا کیے ہیں۔ وہ اس دعوت کی فیس کے طور
وصول کیے گئے ہیں، گویا ہر شخص پینتیس پینتیس ہزار روپے منافع میں رہے گا،
جس شخص کے حصے میں زہریلی پلیٹ آئے گی، وہ لاکھوں روپے کے نقصان میں رہے
گا۔ یہی موت کی دعوت ہے۔ میں نے اس دعوت کو موت کی دعوت کا نام دے
ہے۔ واضح رہے کہ خود میں اس کھیل میں شریک نہیں ہوتا، تاکہ مجھ پر شک نہ
جائے۔ ہارنے والا اسی جگہ سب لوگوں کی پینتیس پینتیس روپے کا چیک کاٹ کر
گا۔ اس کے بعد سب لوگ فرنی کھائیں گے۔ ہارنے والے کو نئی پلیٹ پیش کی جا
گی اور اس کے بعد دعوت ختم ہو جائے گی۔

"اف خدا، یہ تو سراسر جوا ہے۔" فرزانہ نے سرگوشی کی۔

"ہاں، دولت مندوں کا جوا۔ جیسے لوگ ریس کھیلتے ہیں۔ یا سٹہ لگاتے ہیں،
یہاں فرق یہ ہے کہ ہارتا صرف ایک ہے، باقی سب جیتتے ہیں۔ اسی لیے یہ
تعداد میں یہاں آ جمع ہوتے ہیں۔ حیرت ہے، پولیس جاگیردار کو اس جوئے
ازت کس طرح دے دیتی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے بھی دبی آواز میں کہا۔

اسی وقت انہوں نے دیکھا۔ پلیٹیں ایک بڑی سی ٹرالی میں رکھ کر اندر لائی
ہیں۔

"ہاں تو کس صاحب سے شروع کی جائیں پلیٹیں۔" جاگیردار نے بلند
یں کہا۔

"مجھ سے۔ لیکن میری ایک تجویز بھی ہے۔" وہ موٹا آدمی اٹھ کر بولا جو ان
ی اندر داخل ہوا تھا۔

"ضرور ضرور۔ میں ہر ایک کی تجویز سنا کرتا ہوں۔"

"میں پلیٹ اپنے ہاتھ سے اٹھاؤں گا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں، کیونکہ نمبر پلیٹوں کے نیچے ہیں اور میرے سوا کسی
م نہیں کہ زہر والی پلیٹ کا نمبر کیا ہے اور میں اس کھیل میں شریک نہیں ہوتا۔
مجھے تو اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں کہ سبھی اپنی اپنی پلیٹیں خود اٹھالیں۔"
لا۔

"یہ تو بہت ہی اچھی ترکیب ہے۔" کئی آوازیں ابھریں، پھر موٹے نے
پلیٹ اٹھائی اور اسے اپنی میز پر رکھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی
یک کر کے اٹھنے لگے اور ایک ایک پلیٹ اٹھانے لگے۔

"کومل، کیا تم پلیٹ نہیں اٹھاؤ گی۔" جاگیردار نے اس عورت کی طرف
ی داخل ہوئی تھی۔

"ضرور، کیوں نہیں۔" اس نے اداس لہجے میں کہا۔

"اور بیگم تم؟"

"میں بھی پلیٹ اٹھاؤں گی، ضرور اٹھاؤں گی۔ اگر میں یا کومل زہر
پلیٹ اٹھالائیں تو آپ بہت نقصان میں رہیں گے۔"

"پروا نہیں۔ میرے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ یہ ہر سال پینتیس
پینتیس ہزار روپے جیتتے ہیں، جب کہ مجھے ہر سال پانچ لاکھ روپے مل جاتے ہیں
پھر میری جاگیریں کچھ کم تو نہیں، لہٰذا تم فکر نہ کرو۔ چلو کومل تم بھی پلیٹ اٹھاؤ۔"

"شش، شکریہ۔" دونوں ہکلائیں اور پھر ٹرالی سے پلیٹیں اٹھا کر
آ گئیں۔ انہوں نے دیکھا، ان کے ہاتھ تھر تھر کانپ رہے تھے۔ دونوں پر بے تحا
گھبراہٹ طاری تھی۔

وہ چاروں خاموشی سے اس ساری کارروائی کو دیکھ رہے تھے۔ اور دم بخ
بیٹھے تھے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے لاکھوں روپے کا جوا کھیلا جا رہا تھا، جو بالکل غی
قانونی تھا، لیکن وہ بے بس تھے۔ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ہاں باہر نکل کر وہ بہت
کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

ٹرالی میں پلیٹیں ختم ہو گئیں تو ملازم اور لے آئے۔ یہاں تک کہ سب لوگو
تک ایک ایک پلیٹ پہنچ گئی۔ بس وہ چاروں بغیر پلیٹوں کے رہ گئے۔

"تمام حضرات کو پلیٹیں مل چکی ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں زہر والی پلیٹ
نمبر بتاؤں، آپ لوگ مجھے یہ بتا دیں کہ آپ کے بنکوں میں چالیس لاکھ روپے کی
موجود ہے یا نہیں، کیوں کہ کمرے میں تقریباً سو مہمان موجود ہیں۔ چالیس چالی
ہزار دینے کی صورت میں سو آدمیوں کے چالیس لاکھ بنیں گے۔ یہاں موجود حضرا
میں سے اگر کسی کے اکاؤنٹ میں اتنے پیسے نہیں ہیں تو وہ اس کھیل سے دست بر

ہے۔"

"کوئی کچھ نہ بولا، جس کا مطلب یہ تھا کہ ان سب کے پاس اتنے روپے

"ٹھیک ہے۔ اب میں اعلان کرتا ہوں، دل تھام کر بیٹھیے، لیکن اس سے
آپ میں سے ہر ایک اپنی اپنی پلیٹ اپنے اپنے ہاتھوں میں تھام لے۔ کہیں
نے والا پلیٹ سے پلیٹ بدلنے کی کوشش نہ کر بیٹھے۔ ہاں تو سنیں، زہریلی پلیٹ کا
چونتیس ہے۔ چونتیس نمبر کی پلیٹ آپ میں سے کس کے پاس ہے۔ وہ خود بخود
کھڑا ہو جائے۔"

کمرے میں موجود تمام لوگوں نے اپنی اپنی پلیٹ اٹھا کر اس کے نچلے حصے
نمبر پڑھا اور پھر ان میں سے ایک کے ہاتھ سے پلیٹ چھوٹ کر فرش پر گر پڑی۔
گر گئی۔ وہ شخص دل پر ہاتھ رکھ کر آگے کو جھک گیا۔

"ارے ارے، سیٹھ مرلی داس، تم اتنے کمزور دل تھے تو اس مقابلے میں
کے لیے کیوں آئے تھے۔" با... نے ہنس کر کہا۔

"تم... کمزور دل نہیں ہوں، لیکن شاید مجھے دل کا دورہ پڑا تھا۔" مرلی
نے کہا۔

اس پر کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔

"سو چیک کاٹنے کے لیے تیار ہو جائیے۔ باقی حضرات فرنی سے شوق
اور ہاں، سیٹھ مرلی داس کے لیے زہر سے پاک فرنی پیش کی جائے۔"

"مجھے نہیں چاہیے فرنی۔" مرلی داس نے ڈوبتی آواز میں کہا۔

"ارے ارے، دیکھو، کہیں چل نہ دینا۔ پہلے چیک لکھ دو۔" ایک مہمان
نے کہا۔

اس پر لوگ پھر زور سے ہنسے۔ آخر تین منٹ بعد مرلی داس کی حالت
سنبھل گئی اور وہ چیک لکھنے لگا۔ باقی لوگ فرنی کھانے لگے۔ انہوں نے دیکھا،
جاگیردار کی بیگم نے جوں ہی فرنی کھانے کے لیے چمچ اٹھایا۔ کومل کا ہاتھ بے دھیانی
میں اس کی پلیٹ سے ٹکرا گیا۔ پلیٹ فرش پر گر پڑی۔

"یہ، یہ کیا ہوا؟" جاگیردار چونک کر بولا۔

"مم، میرا ہاتھ ان کی پلیٹ سے لگ گیا، میں معافی چاہتی ہوں باجی۔"
کومل نے لرزتی آواز میں کہا۔

"ارے میری اچھی بہن، پھر کیا ہوا، اور فرنی آ جائے گی۔" بیگم نے
جلدی سے کہا۔

"آپ میری پلیٹ لے لیجیے۔" یہ کہہ کر کومل نے اپنی پلیٹ اٹھا کر اس
کے سامنے رکھ دی۔

اسی وقت انہوں نے ایک ملازم کو بغلی دروازے سے اندر آتے دیکھا۔
اس کی بغل میں بلی تھی۔ اندر آتے ہی اس نے بلی کو فرش پر چھوڑ دیا۔ بلی فرش پر گری
فرنی کی طرف لپکی، لیکن وہ سیٹھ مرلی داس والی پلیٹ کی بجائے جاگیردار کی بیوی والی
پلیٹ پر رک گئی تھی، کیونکہ اس کے راستے میں پہلے وہی پلیٹ آئی تھی۔

"کالو، اسے ہٹا کر ادھر لے جاؤ۔ آج مرلی داس ہارے ہیں بیگم نہیں،
ان کی پلیٹ تو کومل کا ہاتھ لگنے سے گری ہے۔"

"جی اچھا۔" کالو نے کہا اور بلی کو پھر گود میں اٹھا کر مرلی داس والی پلیٹ
پر چھوڑ دیا۔ بلی فرنی چاٹنے لگی۔

اچانک اس کے حلق سے ایک خوف ناک غراہٹ نکلی اور وہ فرش پر
تڑپنے لگی۔

☆☆

"یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ مرلی داس کی پلیٹ واقعی زہریلی تھی۔"
...نے بلند آواز میں کہا۔

سب نے خوف زدہ نظروں سے بلی کو دیکھا۔ مرلی داس نے ڈرے
...از میں اس پر ایک نظر ڈالی اور پھر چیک لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ اسے چیک
...تقریباً آدھ گھنٹا لگا۔ اس دوران سب لوگ اپنی اپنی فرنی کھا چکے تھے۔ بیگم
...نے البتہ فرنی نہیں کھائی تھی، کیونکہ اس کی پلیٹ گر گئی تھی۔ ملازم نے دوسری
...کے سامنے لا کر رکھی، لیکن اس نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا،
...دار مرلی داس کی طرف متوجہ تھا، جوں ہی اس نے اپنا کام مکمل کیا۔ جاگیردار
...لو آگے بڑھا اور ایک ایک چیک سب میں تقسیم کر دیا۔

"مم، میں بالکل ڈوب گیا جاگیردار نون خان۔" مرلی داس نے تھرتھر
...ز میں کہا۔

"کیوں بھئی، یہی چالیس لاکھ تھے تمہارے پاس۔" جاگیردار ہنسا۔

"پانچ دس لاکھ اگر اور ہیں بھی تو ان سے کیا بنتا ہے۔ چالیس ہزار کا لالچ
...تھا۔ نو سال سے میں جیتتا چلا آ رہا تھا، گویا میں نے نو سال میں تین لاکھ
...جیتے اور ہار کتنے گیا یک دم، چالیس لاکھ، اُف۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"حوصلہ کرو مرلی داس، حوصلہ۔"

...چیک لینے کے بعد سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک ایک کر کے
...نے لگے۔ انہوں نے پانچ پانچ ہزار روپے خرچ کر کے پینتیس پینتیس ہزار
...تھے۔ وہ خوش خوش جا رہے تھے۔ سب سے آخر میں مرلی داس باہر نکلا۔

"اب آپ ہمیں بھی اجازت دیجیے۔" انسپکٹر جمشید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کالو، ہمارے ہمدردوں کو بلا لاؤ۔ انہیں بھی ان کا صلہ مل جانا چاہیے۔"

اس نے ان کا جملہ جیسے سنا ہی نہیں۔

"جی بہت بہتر۔" اس نے کہا اور چھوٹے دروازے سے باہر نکل گیا۔

"آپ نے سنا نہیں شاید۔ ہم بھی اجازت چاہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"سنا ہے بھئی، سنا ہے۔ یہاں سے رخصت ہونے سے پہلے تم لوگوں کو یہ بتانا ہوگا کہ تم ہو کون، یہاں کس طرح آئے؟ موت کی اس دعوت سے صرف خاص خاص آدمی واقف ہیں۔ قصبے کے لوگوں کو یہ تو معلوم ہے کہ میں ہر سال اپنے دوستوں کو موت کی دعوت دیتا ہوں، لیکن انہیں یہ نہیں معلوم کہ دعوت دی کیسے جاتی ہے۔ پھر تمہیں کس طرح معلوم ہو گیا۔ یہاں اگر کوئی نیا آدمی آتا بھی ہے تو کوئی پرانا آدمی ہی اسے ساتھ لاتا ہے۔ راز داری شرط ہے۔ ہر کسی کو اس دعوت کا معاملہ راز میں رکھنا پڑتا ہے۔ ہارنے والا بھی باہر جا کر منہ نہیں کھولتا۔ اگر یہ زبان کھولیں گے یا عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو بھی کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکیں گے۔ میرے خلاف پہلے ہی بے شمار الزامات لگائے جاتے ہیں، لیکن آج تک ثابت کوئی نہیں کر سکا۔ تم نے بھی یہاں جو کچھ دیکھا ہے، باہر جا کر ثابت نہیں کر سکتے۔ تم صرف اتنا بتا دو کہ ہو کون؟ اس کے بعد جا سکتے ہو۔"

"ہم انسان ہیں، دارالحکومت سے آئے ہیں۔ کسی نے بتایا تھا کہ آپ ہر سال نو مئی کی رات دس بجے موت کی دعوت دیتے ہیں۔ بس ہمیں بھی شوق چرایا۔ دراصل ہم ایسا عجیب نام سن کر بہت حیران ہوئے تھے اور جاننا چاہتے تھے کہ یہ دعوت دی کس طرح جاتی ہے، لہٰذا اب آپ، میں اجازت دیجیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اچھا خیر، تم لوگ جا سکتے ہو، لیکن آئندہ اس طرف کا رخ نہ کرنا۔"

جاگیردار نے امید کے خلاف انہیں جانے کی اجازت دی۔ انہیں بہت حیرت ہوئی، وہ دروازے کی طرف بڑھے۔ عین اسی وقت دائیں دیوار والا دروازہ کھلا اور پولیس کے چند آفیسر اندر داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے ایک بوڑھا آدمی بھی داخل ہوا۔ جوں ہی اس بوڑھے کی نظر ان پر پڑی، وہ چلا اٹھا:

"ارے، یہ تو وہی ہیں۔"

بوڑھے کے جملے نے سبھی کو چونکا دیا۔ وہ بھی حیرت زدہ انداز میں مڑے۔ انہوں نے دیکھا، ہوٹل والا بیرا ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"کیا مطلب؟ کون ہیں یہ؟"

"یہ آج ہوٹل میں قصبے کی روح کے بارے میں پوچھتے پھر رہے تھے۔"

"اوہ۔" جاگیردار نے حیران ہو کر کہا: "تم نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی۔" اس کی آواز میں گرج تھی۔

"جی، جی، وہ۔ میں....." بوڑھا ہکلا کر رہ گیا۔

"میں عرض کرتا ہوں کہ اس نے کیوں نہیں بتایا۔ دراصل روح نے ہم سے باتیں کی تھیں۔"

"نہیں۔" جاگیردار چلا اٹھا۔

"جی ہاں، یہی حقیقت ہے۔"

"فضلو، تم تفصیل سے بتاؤ۔ یہ لوگ کیا باتیں تم سے پوچھ رہے تھے؟" جاگیردار نے بوڑھے سے کہا۔

اس نے تفصیل سنا دی۔

"اور تم نے مجھے یہ بات نہیں بتائی۔ جانتے ہو فضلو، اس کی کیا سزا ہے۔"

"مم، معاف کر دیجیے سرکار، غغ، غلطی ہو گئی۔" اس نے تھر تھراتی آواز میں

کہا۔

"لیکن تمہارے کچھ نہ جتانے پر یہ سوالات تو انہوں نے اور لوگوں سے
کیے ہوں گے۔ پھر کیا روح نے انہیں چھوڑ دیا؟" جاگیردار حیران ہو کر بولا۔

"جی پتا نہیں، کم از کم میں تو ابھی تک محفوظ ہوں۔" بوڑھے نے ڈرے
ڈرے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب، کیا روح ایسے آدمیوں کو ہلاک کر دیتی ہے، جو روح
باتیں کرنے والوں کی باتوں کا جواب دیتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ روح میری سمجھ میں نہیں آئی انسپکٹر صاحب، آپ بھی اس کا کچھ نہ
بگاڑ سکے۔" جاگیردار نے برا سا منہ بنا کر ایک پولیس افسر کو مخاطب کیا۔

"کسی نہ کسی روز تو مجھے چڑھ ہی جائے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"آخر روح کا چکر کیا ہے؟" محمود نے بے چین ہو کر کہا۔

"ارے ہاں، انسپکٹر صاحب، ان لوگوں کا کیا کریں۔" جاگیردار
چونک کر پوچھا۔

"کیا مطلب؟ یہ کون لوگ ہیں۔" انسپکٹر نے انہیں گھورا۔

"پتا نہیں، کہتے ہیں دارالحکومت سے آئے ہیں، وہ بھی موت کی دعوت
میں شرکت کرنے اور پلے نہیں تھے پانچ پانچ ہزار بھی۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جانے دیجیے، یہ آپ کا کیا بگاڑ لیں گے۔" انسپکٹر نے لاپروائی سے کہا۔

"ٹھیک ہے، جاؤ بھئی۔ تم لوگ بھی کیا یاد کرو گے۔"

"بہت بہت شکریہ جناب، ویسے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ روح جو
سے باتیں کرے، لوگ اس سے ڈرتے کیوں ہیں۔"

"باہر جا کر لوگوں سے پوچھ لینا، ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے"

جاگیردار نے کہا۔

انہوں نے جاگیردار، اس کی بیوی، نوجوان عورت کومل، ملازمین اور
پولیس والوں پر ایک نظر ڈالی اور دروازے کی طرف بڑھے۔ انسپکٹر جمشید نے انہیں
آگے چلنے کا اشارہ کیا تھا۔ تینوں ان کے آگے آگے چل رہے تھے۔ اچانک انہوں
نے دونوں ہاتھوں سے ان تینوں کو ایک ساتھ دھکا دیا۔ وہ منہ کے بل گرے۔
انسپکٹر جمشید بھی بالکل ان کے ساتھ گرے تھے۔ ساتھ ہی گولیاں چلنے کے دھماکے
کمرے میں گونج اٹھے۔ انسپکٹر جمشید نے ایک لوٹ لگائی اور اس دوران اپنا پستول
نکالتے ہی انہوں نے چار فائر کیے۔ چار چیخیں بلند ہوئیں اور چار پستول فرش پر
گرے۔

"خبردار، کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ تم لوگ اپنے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"
انسپکٹر جمشید غرائے۔

کمرے میں موجود لوگوں کی حیرت کا کیا پوچھنا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر
انہیں اس طرح دیکھ رہے تھے، جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہوں، پھر ان کے ہاتھ
اوپر اٹھتے چلے گئے۔ محمود اور فاروق آگے بڑھے اور فرش پر گرے پستول سمیٹ کر
پیچھے ہٹ آئے۔ اب ان تینوں کے ہاتھوں میں بھی ایک ایک پستول نظر آیا۔

"اب تم لوگوں کے پاس کافی وقت نکل آئے گا۔ ہماری باتوں کا جواب
دینے کے لیے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اور جاگیردار کا منہ غصے سے سرخ نظر آنے لگا۔ پولیس والوں کے چہرے
اترے ہوئے تھے، اگر کسی چہرے پر غصہ نہیں تھا تو جاگیردار کی بیوی اور اس کی بہن کومل کے
چہرے پر۔

☆☆☆

مرلی داس

چند لمحے تک سب خاموش رہے۔ آخر جاگیردار نے خوف ناک آواز سے نکالی:

"میری حویلی میں مجھ پر زندگی میں پہلی مرتبہ کسی نے پستول تانے جرأت کی ہے اور وہ بھی قانون کے محافظوں کی موجودگی میں۔ آپ دیکھ رہے ڈی ایس پی صاحب۔"

"ہاں، دیکھ رہا ہوں۔" ڈی ایس پی نے غرا کر کہا پھر ان کی طرف مڑا: "میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ پستول گرا دو، ورنہ تم لوگوں کا انجام بھیانک ہوگا۔"

"لیکن چند سیکنڈ پہلے ہم پر جب چار عدد گولیاں چلائی گئیں، اس وقت آپ نے جاگیردار صاحب کو کچھ نہیں کہا تھا، بلکہ ان میں سے دو گولیاں تو آپ آدمیوں نے ہی چلائی تھیں۔ ایک جاگیردار صاحب نے اور چوتھی کالو نامی ملا نے۔ یہ کس قانون کے تحت کیا گیا تھا۔"

"تم لوگ حویلی میں بغیر اجازت اندر داخل ہوئے تھے اور لوٹ مار چاہتے تھے، لہٰذا تم پر گولی چلانا قانون کے عین مطابق تھا۔" ڈی ایس پی بولا۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ یہ ہوئی نا پولیس والوں کی بات۔ اچھا اب ذرا مجھے جاگیردار سے باتیں کر لینے دیں۔ ہاں جاگیردار صاحب، یہ روح کا کیا چکر ہے؟"

"مجھے ابھی تک نظر نہیں آئی، ورنہ میں کب کا اسے گولیوں سے چھلنی کر چکا تا۔" جاگیردار نے دانت پیسے۔

"میں نے یہ پوچھا ہے کہ چکر کیا ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔ ہوگی کوئی بھٹکتی روح۔"

"لیکن جس سے وہ روح باتیں کر لیتی ہے۔ لوگ اس سے خوف کیوں کھاتے ہیں۔"

"میں نہیں جانتا۔ یوں بھی میں تمہاری باتوں کے جواب کیوں دوں۔"

"اچھا خیر، ہم چلتے ہیں۔ بہت جلد پھر آئیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ حیران رہ گئے۔ کیونکہ اس وقت یہاں سے نکلنے کی تک ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی، لیکن یہ ان کے والد کا فیصلہ تھا۔ وہ دم کس مار سکتے تھے۔

"آؤ بھئی چلیں۔"

یہ کہہ کر وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگے۔

"تم لوگ اس قصبے سے زندہ نہیں جا سکو گے، اسے لکھ لو۔"

"افسوس، میرا قلم گھر رہ گیا، ورنہ ضرور لکھ لیتا۔" فاروق نے سرد آہ بھری۔

"اور تمہاری بوٹیاں کتے نوچیں گے۔"

"گویا اب آپ موت کی دعوت کی بجائے کتوں کی دعوت کریں گے۔" نے حیران ہو کر کہا۔

پھر جوں ہی وہ دروازے سے نکلے۔ انسپکٹر جمشید نے بلا کی رفتار سے

دروازہ بند کر دیا اور ساتھ ہی باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

"جلدی کرو، دوسرے دروازے سے نکل کر ہمارے پیچھے آنے میں انہیں
دیر نہیں لگے گی۔"

وہ بے تحاشا بھاگتے ہوئے حویلی کے بڑے دروازے سے باہر نکل گ
اور پھر انسپکٹر جمشید کا رخ سڑک کی بجائے اس جھنڈ کی طرف ہو گیا۔

"یہ۔ یہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"سڑک پر دوڑ کر ہم ان سے بچ نہیں سکتے۔"

"لیکن ابا جان، ہمارے پاس چار پستول ہیں، بلکہ ایک آپ کے پاس
پستول بھی ہے، گویا پانچ ہو گئے۔ حویلی میں اتنے آدمی موجود نہیں ہیں کہ ہم ان
مقابلہ نہ کر سکیں۔" محمود نے دوڑتے دوڑتے اعتراض کیا۔

"مقابلے کی صورت میں کیا ہوگا، ایک پارٹی کو شکست۔ اور کئی آ
مارے جائیں گے۔ جب کہ میں چاہتا ہوں، مجرموں کو زندہ گرفتار کیا جائے، تا ک
کو عبرت حاصل ہو۔" انہوں نے کہا۔

اور اس وقت تک وہ جھنڈ تک پہنچ گئے۔

"آؤ جلدی کرو، ہمیں سرنگ میں گھسنا ہے۔"

"کہیں سرنگ ہمارا مقبرہ نہ بن جائے۔"

"بے فکر رہو، اس سرنگ سے جاگیردار یا اس کا کوئی آدمی واقف
نہیں ہو سکتا، اگر ہوتا تو وہ کبھی کا اس روح کو ختم کر دیتا۔"

"جی، کیا روح کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں کیوں نہیں، اس روح کو تو بہت آسانی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔"
بولے۔

"اور اسی وقت انہوں نے بے شمار دوڑتے قدموں کی آوازیں سنی۔ وہ جلدی
رنگ میں گھس گئے اور جھاڑیاں اوپر کر لیں۔ پستول انہوں نے ہاتھوں میں لے
دوڑتے قدموں کی آوازیں سڑک کی طرف چلی گئیں، گویا وہ انہیں سڑک پر
پھر رہے تھے۔ اس کے بعد آوازیں جنگل میں بھی سنائی دیں۔

"ہم کیوں نہ ایک بار پھر اس دروازے کو دیکھ لیں۔" ایسے میں فاروق

"دروازے کو، تمہارا مطلب ہے سرنگ کے دروازے کو؟"

"ہاں، شاید روح نے اسے کھول دیا ہو۔"

"بات تو خیر ٹھیک ہے۔ آؤ چلیں۔"

وہ سرنگ میں چلنے لگے، آخر دروازے تک پہنچ گئے۔ دروازے پر زور
صندوق کے ڈھکنے کی طرح اوپر اٹھتا چلا گیا۔

"فاروق کا اندازہ درست نکلا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے سرگوشی

"اوپر آ کر انہوں نے دیکھا، وہ ایک شاہانہ طرز پر سجے ہوئے کمرے میں
گ کے دروازے پر فرش کی رنگت کے مطابق پلستر کیا گیا تھا اور اسے رکھ
بعد فرش میں جھری بھی نظر نہیں آتی تھی۔ یہ کام کسی اچھے کاریگر کا تھا۔ ایک
ھا سا ضرور تھا جہاں ہاتھ ڈال کر دروازہ اوپر اٹھایا جا سکتا تھا۔ اس جگہ بس
جیسے فرش ٹوٹ گیا ہو۔

"حیرت ہے، پہلے جب ہم نے اسے کھولنے کے لیے زور لگایا تھا، تو یہ
یں اٹھا تھا، جب کہ اس میں کوئی تالا وغیرہ بھی نہیں لگ سکتا۔" محمود
بات سن کر انہوں نے پورے کمرے پر نظر دوڑائی۔ دروازے کے ساتھ

ہی ایک بھاری میز رکھی نظر آئی۔ انہوں نے جوا سے تھوڑا سا اوپر اٹھا کر دیکھا تو معلوم
ہوا میز ان کی امیدوں سے کہیں زیادہ وزنی ہے۔

"اس وقت یہ میز دروازے پر موجود تھی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہوں، لیکن اب روح صاحب نے میز ہٹا کیوں دی؟" فرزانہ بولی۔

"تا کہ ہم جاگیردار کے آدمیوں سے بچنے کے لیے یہاں آ جائیں۔"
محمود نے جواب دیا۔

"میرے ذہن میں پھر وہی سوال گونج رہا ہے، جس شخص سے روح بات
کر لیتی ہے، لوگ اس سے خوف زدہ کیوں ہو جاتے ہیں۔ اوہ....." فرزانہ کہتے ک
چونک اٹھی۔

"یہ چونکا کس سلسلے میں گیا ہے؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا: "کیا ذہ
میں آ گئی ہے؟"

"نہیں، ہم لوگوں سے غلط طریقے سے سوال کرتے رہے ہیں۔ س
کرنے کا درست طریقہ ابھی میری سمجھ میں آیا ہے۔"

"ظاہر ہے، طریقہ تمہاری سمجھ میں ہی آ سکتا تھا۔"

"خاموش، کوئی کمرے کی طرف آ رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے فاروق
منہ پر ہاتھ رکھ دیا، پھر وہ کمرے کے ایک دروازے کے پردے کے پیچھے چھپ
لیکن پھر قدموں کی آواز آگے بڑھ گئی اور انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔

کمرے میں ایک شاندار مسہری بچھی تھی۔ الماریوں میں زنانہ لباس
رہے تھے۔ ایک بھینی بھینی خوشبو پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

"مم، مجھے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے، جیسے کوئی ہمیں دیکھ رہا
فرزانہ نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"وہی روح ہوگی۔ اور ہمیں یہاں کون دیکھے گا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ
پھر قدرے اونچی آواز میں کہا۔

"روح صاحب، اگر آپ آس پاس موجود ہیں تو مہربانی فرما کر سامنے
یں، تا کہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ آپ کیا چاہتی ہیں، اور یہ چکر کیا ہے۔"

روح کی طرف سے انہیں کوئی جواب نہ ملا، پھر کچھ دیر بعد ان کا یہ احساس
تم ہو گیا کہ کوئی انہیں گھور رہا ہے۔ آخر کافی دیر بعد انسپکٹر جمشید بولے۔

"میرا خیال ہے، ہمیں تلاش کرنے والے اب مایوس ہو کر واپس حویلی
ل ہو چکے ہوں گے، لہٰذا اب ہمیں چلنا چاہیے۔"

"کہاں چلنا چاہیے؟"

"قصبے، تا کہ فرزانہ لوگوں سے درست طریقے سے سوال کر سکے۔"
شید مسکرائے۔

اور پھر انہوں نے دروازہ اوپر اٹھایا اور نیچے اترنے لگے۔ سرنگ میں سے
ف انسپکٹر جمشید باہر نکلے۔ انہوں نے اردگرد کا جائزہ لیا اور پھر دبی آواز میں

"آ جاؤ بھئی، مطلع صاف ہے۔"

باہر نکل کر انہوں نے سڑک کا رخ نہیں کیا۔ جنگل میں سے ہی جنگل کے
تھ آگے بڑھنے لگے۔ اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے۔ ہو کا عالم تھا اور
رخ کر رہے تھے۔

☆☆

قصبے کی حدود میں داخل ہوتے ہی انہیں ایک چوکیدار کی بلند آواز سنائی

''خبردار، جاگتے رہنا۔''

وہ اسی آواز کی طرف چل پڑے۔ چوکیدار کی لاٹھی کی ٹھک ٹھک ان کے دلوں میں دھمک پیدا کرنے لگی۔

''آپ کو چوکیدار سے کیا کام ہے؟ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

''رات تو کہیں گزارنا ہی ہوگی۔ ویسے تو ہمارے لیے روح نے اپنا کمر کھول دیا تھا اور ہم اس میں بھی آرام کر سکتے تھے۔ لیکن وہاں ہم بے فکر نہیں رہ سکتے تھے۔''

اتنے میں چوکیدار کی ٹھک ٹھک نزدیک آ گئی۔ چوکیدار انہیں دیکھ کر ٹھٹکا۔

''خبردار، کون ہو تم لوگ، جہاں ہو، وہیں ٹھہرو۔'' اس نے گرجدار آوا میں کہا۔ اور جلدی جلدی ان کی طرف بڑھنے لگا۔ نزدیک پہنچ کر تیز نظروں سے گھو اور پھر بولا:

''کیا بات ہے، تم رات کے بارہ بجے کہاں آوارہ گردی کرتے پھر رہے ہو۔''

''ہم یہاں نووارد ہیں۔ سیٹھ مرلی داس کا گھر ڈھونڈتے پھر رہے ہیں کیا آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں؟''

''سیٹھ مرلی داس، ہاں کیوں نہیں۔ وہ تو یہاں سے نزدیک ہی رہتا لیکن تم لوگ کوئی چور ڈاکو بھی تو ہو سکتے ہو اور میرے ذریعے سے اس کا گھر کر کے سے لوٹ لینا چاہتے ہو گے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم آپ کے سامنے دستک دے کر انہیں درواز بلائیں گے اور پھر اگر اس نے ہمیں پہچان لیا تو ٹھیک، ورنہ ہم واپس چلے جا گے۔'' وہ بولے۔

''کہاں چلے جاؤ گے؟'' چوکیدار بولا۔

''جہاں سے آئے ہیں یعنی دارالحکومت۔''

اچھا چلو، میں یہاں سے راستہ تمہیں بتاؤں گا۔''

وہ ان کے ساتھ چلنے لگا۔ یہاں تک کہ حویلی نما ایک مکان کے دروازے لاٹھی سے دستک دیتے ہوئے چلایا:

''سیٹھ مرلی داس صاحب، آپ کے مہمان آئے ہیں۔''

اس کی آواز گونج کر رہ گئی، پھر قدموں کی آواز سنائی دی اور دروازہ کھلا۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا نام و نشان تک نہیں تھا، گویا وہ جاگ رہا تھا۔

''سیٹھ صاحب، آپ کے مہمان، آپ کی حویلی کا راستہ تلاش کرتے تھے، بے چارے۔'' چوکیدار بولا۔

''میرے مہمان، لیکن میں تو انہیں نہیں جانتا۔''

''کیا کہا، نہیں جانتے۔ میں تو پہلے ہی سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ ضرور چور یا ۔'' یہ کہہ کر چوکیدار نے لاٹھی سر سے بلند کر لی۔

''ٹھہرو بھئی، ابھی کیا جلدی ہے۔ ہم بھاگے تو نہیں جا رہے۔ لاٹھی کا لیجیے گا۔ پہلے ہم مرلی داس سے بات تو کر لیں۔'' انسپکٹر جمشید نے ہاتھ اٹھا کر واز میں کہا، پھر مرلی داس کی طرف مڑے۔

''مرلی داس صاحب، آج ہم لوگ جاگیردار کی موت کی دعوت میں تھے۔ وہاں جو کچھ ہوا، ہمیں اچھی طرح معلوم ہے اور اسی سلسلے میں ہم آپ ئے ہیں، اب کہیے ہم آپ کے مہمان ہیں یا نہیں۔''

''اوہ، تو یہ بات ہے۔ پھر تو ٹھیک ہے۔ آیئے، تشریف آیئے۔ چوکیدار، ؤ۔''

"اچھا جناب۔" اس نے کہا اور لاٹھی زمین پر مارتا چلا گیا۔

سیٹھ مرلی داس انہیں لے کر اندر آیا۔ ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد بولا:

"میں حیران ہوں کہ آپ میرے پاس کیوں آئے ہیں۔ مجھے یاد آ گیا ہے، میں نے آپ لوگوں کو وہاں دیکھا تھا۔ آپ وہی ہیں نا، جنہوں نے سوت کی دعوت میں حصہ نہیں لیا تھا۔"

"ہاں، آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے، ہم بالکل وہی ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"خیر فرمایئے، آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"ہم آپ کو آپ کی رقم واپس دلانا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ۔ یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جاگیردار کے ہاں ہارنے والا کبھی بھی اپنی رقم واپس نہیں پا سکتا۔"

"لیکن اس بار ایسا ہوگا، ٹھہریئے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے جیب سے ایک کاغذ نکالا۔ اس پر چند الفاظ لکھے او[ر کا]غذ مرلی داس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے:

"اس کاغذ پر اپنے وہ دستخط کر دیجیے جو آپ چیکوں پر کرتے ہیں۔"

مرلی داس نے حیرت زدہ انداز میں کاغذ لے کر پڑھا۔ اس پر لکھا تھا: رات مجھ سے کچھ لوگوں نے زبردستی چالیس چالیس ہزار روپے کے چیکوں پر دستخط کرا لیے۔ مہربانی فرما کر کل کی تاریخ میں جاری ہونے والا کوئی چیک بھی کیش نہ کیا جائے۔ میں معاملہ پولیس کے ہاتھ میں بھی دے رہا ہوں۔"

"یہ۔ بھلا اس سے کیا ہوگا۔"

"آپ کا بنک چیک کیش نہیں کرے گا۔" وہ بولے۔

"یہ تو خیر ٹھیک ہے، لیکن جاگیردار کی دعوت میں شریک ہونے والے سب [لوگ] اس کی حویلی میں جا چکے ہیں گے اور جاگیردار مجھے پکڑ بلوائے گا۔"

"پکڑ تو تب بلوائے گا نا، جب آپ یہاں موجود ہوں گے۔" وہ [مس]کرائے۔

"کیا مطلب؟ میں یہاں کیوں نہیں ہوں گا۔"

"رات کے دو بجے ایک گاڑی دارالحکومت جاتی ہے۔ میں آپ کو اپنے [گھ]ر کا پتا دے دیتا ہوں۔ آپ سیدھے وہاں جائیں۔ کوئی آپ کے بارے میں [کچھ] بھی نہیں سکے گا کہ آپ کہاں ہیں۔ اس طرح آپ کے چالیس لاکھ روپے صاف [بچ] جائیں گے۔"

"لیکن بھلا میں کب تک وہاں چھپا رہوں گا۔" مرلی داس نے پریشان [ہو ک]ر کہا۔

"جاگیردار کے ظلم کا سورج اب عنقریب غروب ہونے والا ہے۔ اس میں [زیادہ سے زیادہ] آدھ دن سے زیادہ نہیں لگے گا۔"

"اچھا، نہ جانے کیوں میرا دل آپ کی باتیں مان لینے پر مجبور کر رہا ہے۔" [اس] نے کہا۔

"اسی میں آپ کی بہتری ہے، یہ لیجیے میرا پتا۔" انہوں نے کاغذ پر جمشید [لکھ] کر نیچے اپنا پتا لکھ دیا۔ ادھر مرلی داس نے اس تحریر پر دستخط کر دیے۔

"اب آپ چلنے کی تیاری کر لیں۔ ہم خود آپ کو گاڑی میں بٹھا کر آئیں [گے، ل]یکن اس سے پہلے آپ کو ہمارے چند سوالات کے جواب بھی دینا ہوں گے۔"

"تو پھر آپ میرے ساتھ میرے کمرے تک چلیے۔ آپ سوالات کرتے

رہے گا۔ میں تیاری کرنے کے ساتھ ساتھ جواب دیتا رہوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ آپ کے ساتھ یہاں اور کون کون رہتا ہے؟"

"کوئی بھی نہیں۔ میری بیوی فوت ہو چکی ہے۔ اس کے صرف ایک لڑکا ہوا تھا۔ وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک سے باہر گیا تھا، پھر لوٹ کر نہیں آیا۔ وہیں کا ہو کر رہ گیا، باپ کو پوچھتا بھی نہیں۔"

"اوہ۔ یہ سن کر بہت افسوس ہوا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

مرلی داس انہیں اپنے کمرے میں لے آیا اور سفر کی تیاری کرنے لگا۔

"یہ روح کا کیا چکر ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پہلا سوال کیا۔

"میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ بالکل سیاہ رنگ کی اور بدصورت ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے دیکھا بھی ہے۔ وہ قسمیں کھا کر بتاتے ہیں۔ عام طور پر وہ جاگیردار کی حویلی کے آس پاس رہتی ہے۔"

"ہوں، اگر روح کسی سے باتیں کر لیتی ہے تو لوگ اس سے کیوں ڈرتے ہیں؟" فرزانہ نے اپنے والد کا اشارہ ملنے پر سوال کیا اور ان کا سوال سن کر حیران رہ گئے، کیونکہ اس طرح واقعی دوسرا جواب دینے کی بجائے بھاگنے کی ضرورت محسوس نہیں کر سکتا تھا۔

"دراصل یہ روح ابھی چار پانچ سال سے نظر آنے لگی ہے۔ اس سے پہلے کبھی کسی کو نظر نہیں آئی تھی، نہ کسی نے اس کے بارے میں کوئی ذکر سنا تھا۔ ایک بار روح نے ایک شخص سے باتیں کر ڈالیں۔ اسے یہ بھی بتا دیا کہ وہ کس کی روح ہے۔ یعنی اپنا نام تک بتا دیا۔ جاگیردار کے بارے میں بھی کچھ باتیں بتائیں۔ وہ باتیں کیا تھیں، یہ مجھے معلوم نہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ دوسرے دن جب اس آدمی نے اپنے

ں سے ذکر کیا کہ روح نے اس سے باتیں کی ہیں اور یہ یہ باتیں کی ہیں تو اسی شخص اور اس کے دوست غائب ہو گئے اور ایسے غائب ہوئے کہ آج تک مل سکے۔ لوگوں کا خیال ہے، روح نے انہیں مار ڈالا۔ اس وقت سے لوگ روح نیں کرنے سے بہت ڈرتے ہیں، بلکہ اگر کوئی یہ کہہ بیٹھے کہ روح نے اس سے ں ہیں تو فوراً اس کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔"

"اوہ، تو یہ بات تھی۔" انسپکٹر جمشید نے طویل سانس لیا۔

"لیکن آپ یہ سب باتیں کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"بس یوں ہی، اچھا یہ بتائیے۔ راجکماری کملا کون تھی؟"

"جاگیردار کی پہلی بیوی۔" اس نے بتایا۔

"کیا وہ مر گئی ہے؟"

"ہاں، لوگوں کا خیال ہے کہ جاگیردار نے اسے مروا ڈالا تھا۔" مرلی داس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"میں آپ کا خیال جاننا چاہتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے ان کی آنکھوں

"ہم، میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"خیال ہے یا آپ کو یقین بھی ہے؟" انسپکٹر جمشید کریدنے کے انداز میں

"ہاں، مجھے یقین ہے۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"تو یہ کیوں نہیں کہتے، راج کماری کملا نے آپ کی آنکھوں کے سامنے دم انسپکٹر جمشید ایک دم بولے۔

"یہ، یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟" مرلی داس تھرا اٹھا۔

"یہ میرا اندازہ ہے اور میرا اندازہ بہت کم غلط ثابت ہوتا ہے۔ آپ کی گاڑی کا وقت قریب آرہا ہے۔ ابھی ہمیں اسٹیشن بھی پہنچنا ہے۔ آپ مجھ پر بھروسا کریں اور اس شہر سے رخصت ہو جائیں۔ دوسری صورت میں آپ کو اپنی جان یا چالیس لاکھ روپے سے ہاتھ دھونا پڑیں گے، کیونکہ جب بنک چیک کیش نہیں کرے گا تو لوگ جاگیردار کے پاس جائیں گے اور وہ آپ کو پکڑ بلوائے گا، جو جو نہ ہو جائے وہ کم ہے۔"

"ہاں، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ بس میں ابھی تیار ہوا جاتا ہوں۔" اس نے تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔

انسپکٹر جمشید مرلی داس کے کمرے کا جائزہ لینے لگے، جبکہ محمود، فاروق اور فرزانہ سوچ میں گم تھے۔ مرلی داس کے کمرے میں بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ آتش دان پر مورتیاں بھی رکھی تھیں۔ ایک فریم میں تین بہت ہی خوبصورت بچیاں مسکرا رہی تھیں وہ اتنی خوب صورت تھیں کہ انسپکٹر جمشید انہیں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے اور انہیں پتا بھی نہ چلا کہ کب مرلی داس جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

☆☆☆

چوکور خلا

دوسرے دن نو بجنے میں ایک منٹ پر وہ مرلی داس کے بنک کے ...زے پر پہنچ گئے۔ اندر داخل ہونے کے بعد وہ سیدھے منیجر کی میز پر پہنچے۔ منیجر ...تھا۔

"سیٹھ مرلی داس کا اکاؤنٹ آپ کے بنک میں ہے۔ ٹھیک ہے نا۔" ...جمشید نے دل کش آواز میں کہا۔

"جی ہاں فرمائیے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" اس نے ان کی آواز ...تاثر ہو کر کہا۔

"یہ ان کا ایک رقعہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔"

انہوں نے وہ کاغذ منیجر کے سامنے رکھ دیا، جس پر انہوں نے خود الفاظ لکھ ...لی داس کے دستخط کرائے تھے۔ منیجر نے اس رقعے کے الفاظ حیرت زدہ انداز ...ھے، پھر بولا:

"اتنے بہت سے آدمیوں نے ان سے دستخط کس طرح لے لیے؟"

"جی میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میرا کام تو ان کا پیغام پہنچانا تھا۔" انسپکٹر جمشید

"وہ خود کہاں ہیں؟"

"ان لوگوں کے خوف سے روپوش ہو گئے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ ان کی ہدایت کے مطابق کوئی چیک کیش نہیں کیا جائے گا۔ آپ نے بروقت اطلاع دے کر اچھا کیا۔"

"بہت بہت شکریہ، آؤ بھئی چلیں۔"

وہ بینک سے باہر نکل آئے۔ اسی وقت انہوں نے دو آدمیوں کو کار سے اترتے دیکھا، ان میں ایک وہی موٹا تھا جو ان کے آگے حویلی میں داخل ہوا تھا۔ دوسرا شاید اس کا ملازم تھا۔ ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔

"لو بھئی، ذرا تماشا بھی دیکھتے چلیں۔ لیکن یہاں سے ذرا ہٹ کر۔" انسپکٹر جمشید بولے اور وہ سڑک کے دوسری طرف اوٹ میں ہو کر کھڑے ہو گئے۔ جلد ہی موٹا اور اس کا ملازم باہر آتے نظر آئے موٹے کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔ پھر وہ کار میں بیٹھے اور ایک سمت میں روانہ ہو گئے۔

انہوں نے بھی ایک ٹیکسی پکڑی اور اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ فوراً انہوں نے محسوس کر لیا کہ موٹے کی کار کا رخ جاگیردار کی حویلی کی طرف ہی ہے۔

"رفتار کم رکھو بھئی، اب ہمیں اس کے تعاقب کی ضرورت نہیں۔" انہوں نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔

"تو پھر کس طرف چلوں؟"

"چلتے تو اسی سمت میں رہو۔" وہ بولے۔

رفتار کم ہونے کی وجہ سے موٹے کی کار جلد ہی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

"ہمیں جاگیردار کی حویلی تک جانا ہے۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ حویلی سے ذرا فاصلے پر اتر رہے تھے۔ بل ادا کرنے کے بعد وہ آگے بڑھے اور ٹیکسی واپس قصبے کی طرف مڑی۔ انہوں نے دور سے ہی موٹے کی کار حویلی کے باہر کھڑی دیکھ لی۔

"آؤ بھئی، ہم اپنے جھنڈ میں چلیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

جھنڈ میں ان کا سامان جوں کا توں موجود تھا، البتہ اس پر ایک کاغذ چپکا نظر آیا۔ اس پر لکھا تھا:

"آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔ کل اتنا اچھا موقع کیوں ضائع کر دیا۔ آخر ہم کب تک ظلم کی چکی میں پستے رہیں گے۔ جلد از جلد قدم اٹھائیں۔ اب ظلم کی انتہا ہو چکی ہے۔"

فقط۔ قصبے کی روح"

"آؤ بھئی، سرنگ کے ذریعے حویلی میں داخل ہو جائیں، تاکہ جو ہونا ہے، جلد ہو جائے۔"

"جی بہتر۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا اور پھر سرنگ میں داخل ہو گئے۔ دروازہ اوپر اٹھانے میں انہیں کوئی دقت نہ ہوئی۔ اسے دوسری طرف الٹتے ہوئے وہ کمرے میں داخل ہوئے اور پھر دھک سے رہ گئے۔ کمرے میں کالو، دوسرا ملازم اور جاگیردار پستول تانے دیوار سے لگے کھڑے تھے۔

"آج ہم نے اس روح کا راز حل کر لیا ہے۔" انہوں نے جاگیردار کی طنز بھری آواز سنی۔

☆☆

وہ دم بخود رہ گئے۔ نظریں ان لوگوں پر جم گئیں۔

"بھئی ٹکر ٹکر کیا دیکھ رہے ہو۔ ہاتھ اوپر اٹھا دو نا، پھر ہم تمہاری دوست

روح سے بھی ملواتے ہیں۔"

"لیجیے جناب، اٹھا دیے ہاتھ۔" فاروق شوخ آواز میں بولا۔

"تمہارے بچ کر نکل جانے کے انداز سے میں سمجھ گیا تھا کہ تم ایک بار پھر آؤ گے۔ وہ تو اتفاق سے میرے آدمی تمہیں تلاش کرتے اس جھنڈ تک پہنچ گئے اور اس وقت انہوں نے روح کو زمین میں دھنس کر غائب ہوتے دیکھ لیا۔ وہ تمہیں پیغام دینے سرنگ سے نکلی تھی۔ پیغام چھوڑ کر واپس ہو رہی تھی کہ میرے آدمیوں نے دیکھ لیا۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے جھاڑیاں ہٹا کر دیکھا تو سرنگ نظر آ گئی۔ انہوں نے فوراً مجھے اطلاع دی۔ اس طرح میں نے وہ پیغام پڑھا، پھر اس کمرے تک پہنچا اور معلوم ہو گیا کہ روح کا رول دراصل کون ادا کرتا رہا ہے۔ اس روح نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔ خیر آج کے بعد وہ مجھے کبھی پریشان نہیں کرے گی۔ چلو آؤ، روح سے ملوا دوں تمہیں۔"

وہ ان کے آگے چلنے لگے۔ جو کچھ ہوا تھا، اس کی انہیں ایک فیصد بھی امید نہیں تھی۔ مختلف راہداریوں سے گزرتے وہ ایک کمرے تک پہنچے۔ دروازہ بند تھا۔ جاگیردار کے اشارے پر دروازہ کھولا گیا، پھر جوں ہی وہ اندر داخل ہوئے، دھک سے رہ گئے، کومل، یعنی جاگیردار کی بیگم کی چھوٹی بہن کمرے کی چھت سے لٹکی ہوئی تھی۔ جس رسی سے اسے باندھا گیا تھا۔ وہ رسی لوہے کے ایک کنڈے سے بندھی تھی۔ رسی اس کے دونوں پیروں کو ملا کر ٹخنوں پر باندھی گئی تھی اور اس قدر کس کر باندھی گئی تھی کہ ٹخنوں سے خون بہہ رہا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں جاگیردار کی بیگم بیٹھی سسک رہی تھی۔

"یہ ہے وہ روح، جس نے میری راتوں کی نیند اڑا رکھی تھی۔" جاگیردار نے نفرت سے بھرپور آواز میں کہا اور کومل کی سسکیاں اور کراہیں اور تیز ہو گئیں۔

"مہربانی فرما کر اسے کھول دو اور اطمینان سے بات کرو کہ معاملہ کیا [illegible]" انسپکٹر جمشید نے اسے مشورہ دیا۔

"اسے کھول دوں، جو میری اس قصبے میں سب سے بڑی دشمن ہے۔ ٹھہرو، میں اپنا ایک اور کمال دکھا دوں۔" یہ کہہ کر وہ دیوار کے پاس گیا اور سوئچ بورڈ پر لگا [illegible]ل سا بٹن دبا دیا۔"

انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کو یوں لگا جیسے زمین ان کے پیروں [illegible]ے نکل گئی ہو۔ دوسرا احساس انہیں یہ تھا کہ وہ کسی اندھے کنویں میں گرتے [illegible]یں۔ دوسرے ہی لمحے وہ دھڑام سے گرے۔ گرتے ہی انہیں اندازہ ہو گیا [illegible]ہ فرش پر گرے ہیں، پانی میں نہیں۔ سنبھلنے کے فوراً بعد انہوں نے نظریں اوپر [illegible]و جاگیردار کا قہقہہ سنائی دیا اور یہ آواز اس چوکور خلا سے آ رہی تھی، جس میں [illegible]نیچے گرے تھے۔ دراصل بٹن کے دبتے ہی جس جگہ وہ کھڑے تھے، اس جگہ کا [illegible]ڈھکنے کی طرح نیچے گر گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ نیچے چلے آئے تھے۔

قہقہہ ختم ہوتے ہی انہوں نے جاگیردار کو کہتے سنا:

"اب تم یہاں رہو۔ اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی خلا بند ہو گیا اور ان کے چاروں طرف گھپ اندھیرا [illegible]ساتھ ہی بدبو سے انہیں اپنے دماغ پھٹتے محسوس ہوئے۔

"اف خدا، یہ کتنی خوفناک بُو ہے۔"

[illegible] گوشت کے گلنے سڑنے کی بو محسوس ہوئی ہے۔" انسپکٹر جمشید پریشان ہو کر [illegible]ہوں نے جلدی سے اپنی جیب سے پنسل ٹارچ نکال کر روشنی کی۔ دوسرے [illegible]، فاروق اور فرزانہ گھٹے گھٹے انداز میں چیخ اٹھے۔ انسپکٹر جمشید بھی فوراً کر[illegible]

وہ ایک تہہ خانہ تھا اور اس میں کئی انسانی لاشے پڑے گل سڑ رہے تھے
تو ڈھانچوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ عین اسی وقت انہیں ایک طرف کسی چیز کے
کا احساس ہوا۔ انہوں نے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس کیے۔ ٹارچ کا رخ
ادھر کیا تو ایک ادھ موئے آدمی کو سینے کے بل ہاتھوں کے زور سے اپنی طرف
پایا۔

"تم، تم کون ہو؟"

"تمہاری طرح کا ایک مظلوم۔ جاگیردار کے ظلم کا تو نہ جانے ا
کتنے لوگ نشانہ بن چکے ہیں۔"

"تم نے کیا کیا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ میں نے روح کی باتوں میں آ کر جاگیردار کے
لوگوں میں باتیں کی تھیں۔ ان سب کا قصور صرف یہ تھا کہ انہوں نے روح کی
سن کر دوسروں میں جاگیردار کو ظالم مشہور کرنا شروع کر دیا تھا، لیکن مجھے اور
معلوم نہیں تھا کہ جاگیردار نے قصبے میں اپنے جاسوس بھی چھوڑ رکھے ہیں۔
جاسوس ہوٹلوں میں بیرے ہیں یا بازاروں میں بھکاری بنے بیٹھے رہتے ہیں
ہی وہ کسی کو جاگیردار کے خلاف باتیں کرتے سنتے ہیں، جا کر اسے اطلاع د
ہیں اور پھر باتیں کرنے والے غائب ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ لوگ اب ایسے
کے سائے سے بھی دور بھاگتے ہیں، جن سے روح باتیں کر لیتی ہے۔" اس
مشکل سے یہ الفاظ ادا کیے۔

"ابا جان، میرا دم گھٹ رہا ہے۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"فکر نہ کرو، تھوڑی دیر بعد تم چاروں بھی اس بُو کے عادی ہو جاؤ
خوفناک ہنسی ہنسا۔

"محمود، اپنا چاقو نکالو ۔۔۔ لے دے کے ہمارے پاس ایک چاقو ہی ہے۔"
انسپکٹر جمشید بولے۔

"کک، کیا مطلب؟" ادھ موئے نے بوکھلا کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں، چاقو تمہارے لیے نہیں، یہاں سے نکلنے کے لیے نکالا
ہے۔" فاروق بولا۔

"ناممکن۔ تم لوگ یہاں سے نہیں نکل سکتے۔"

"کیوں، اس تہہ خانے سے نکلنے کا کوئی راستہ تو ہوگا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا
اور جلدی جلدی ٹارچ کی روشنی میں چاروں طرف کا جائزہ لینے لگے۔ ساتھ ہی

"مجھے فکر ہے تو یہ کہ کہیں ٹارچ کے سیل نہ ختم ہو جائیں۔ اندھیرے میں
کچھ نہ کر سکیں۔ چلو، تم تینوں بھی دیواروں کو ٹٹولو۔ کہیں نہ کہیں دروازہ ضرور
اور اسے کھولنے کے لیے کوئی نہ کوئی بٹن بھی ضرور ہونا چاہیے۔ بالکل ویسا
جیسا ہم نے بورڈ پر دیکھا ہے۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" محمود نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

ان پر جوش طاری ہو گیا۔ وہ تیزی سے ہاتھ پیر چلانے لگے۔ بدبو نے ان
کا دم گھٹا رکھا تھا۔ اندر سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں پھولتے جا رہے
محسوس کر رہے تھے کہ اگر چند منٹ کے اندر اندر دروازہ اور بٹن تلاش کر کے
ان کی ٹانگوں میں کھڑے [illegible] کی سکت بھی نہیں رہ جائے گی۔

"تم۔ تم لوگ پاگل تو نہیں ہو۔" ادھ موا آدمی بولا۔

"نہیں بھئی، اتفاق سے ہم پاگل نہیں ہیں۔" فاروق بولا۔

"فاروق، اپنا کام کرو۔ یہ خود تو مر رہا ہے۔ ہمیں بھی لے ڈوبے گا۔"

انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ ان کے ہاتھ دیواروں کو ٹٹولتے رہے۔ تو
آگے بڑھتے رہے۔ دم گھٹتا رہا اور پھر اچانک انسپکٹر جمشید کی آواز ان کے کانوں سے
ٹکرائی:

"ارے یہ رہا بٹن۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے دیوار میں ایک دروازہ کھلتے دیکھا۔
ہوا کا جھونکا ان کے چہرے سے ٹکرایا اور وہ دروازے کی طرف لپکے۔ ادھ موا آدمی
دروازے کی طرف رینگنے لگا۔ اس کے چہرے پر اب حیرت کا ایک عجیب سماں تھا۔

باہر نکل کر انہوں نے لمبے لمبے سانس لیے اور پھر اپنے ارد گرد دیکھا
حویلی میں ہی تھے۔ چار دیواری کے بعد اندرونی دیوار میں یہ دروازہ کھلا تھا۔

"آؤ بھئی، ذرا جاگیردار صاحب سے دو دو باتیں کر لیں۔ بے چاری
کا برا حال ہوگا۔"

انہوں نے چکر کاٹا اور حویلی کے سامنے والے حصے کی طرف آ
بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا اور کالو دروازے پر موجود تھا۔ لیکن اس کا منہ دوسری ط
تھا۔ اس لیے وہ انہیں نہ دیکھ سکا۔ اسی وقت انہوں نے ایک تیز آواز سنی۔

"کہاں ہیں جاگیردار صاحب، مرلی داس نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔
کوئی چیک کیش نہیں ہو سکا۔"

"اندر چلے جائیے جناب، آپ کی طرح اور لوگ بھی شکایت لے کر
ہیں۔ میں ابھی مرلی داس کو لے کر حاضر ہوتا ہوں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی کال
نکلتا نظر آیا۔ شاید وہ آنے والے کو دیکھ کر دروازے پر رک گیا تھا۔ کالو کے
انہیں ایک شخص غصے میں بھرا ہوا اندر داخل ہوتا نظر آیا اور سیدھا اندر چلا گیا۔

"آؤ بھئی، اب وقت ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور آگے بڑھے۔
ے میں قدم رکھتے ہی انہیں ایک کمرے میں سے تیز تیز لہجے میں باتیں کرنے
واز سنائی دی۔ وہ آگے بڑھے، اسی وقت جاگیردار کی آواز گونجی:

"آپ لوگ فکر نہ کریں۔ میں مرلی داس کی کھال کھنچوا دوں گا۔ آج تک
یں ہوا۔ اس دعوت میں شریک ہونے والوں میں سے کبھی کسی نے دھوکا نہیں

"میرا خیال ہے، کومل اور بیگم جاگیردار یہاں نہیں ہو سکتیں۔ وہ اسی کمرے
ں گی۔ ہمیں پہلے وہ کمرہ تلاش کرنا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔ وہ
وں دوسری طرف مڑ گئے۔ ایک ایک کمرے کے پاس سے سن گن لیتے آگے
گے۔ آخر ایک کمرے سے انہیں کراہوں اور سسکیوں کی آواز سنائی دی۔

"بس وہ یہی کمرہ ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔ دروازہ پر دباؤ ڈالا،
تو اندر سے بند تھا۔ آخر انہوں نے دستک دی۔

"کون؟" اندر سے پوچھا گیا۔

"دروازہ کھولو۔" انہوں نے جاگیردار کی آواز حلق سے نکالی۔ لہجہ اکھڑا سا

دروازہ فوراً ہی کھل گیا اور وہ آندھی اور طوفان کی طرح اندر داخل ہوئے۔
بوڑھا ملازم انہیں دیکھ کر اچھل پڑا۔ یہ وہی بوڑھا تھا جو ان سے باتیں
بھاگ نکلا تھا، اور جس کا تعاقب انسپکٹر جمشید نے کرنے کی کوشش کی تھی۔

"تم، تم لوگ، باہر کس طرح آ گئے؟" اس نے ہکلا کر کہا۔

"اللہ تعالیٰ لے آیا۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

اب انہوں نے کمرے پر نظر ڈالی۔ منظر جوں کا توں تھا۔ یعنی کومل اسی

طرح لٹک رہی تھی اور بیگم جاگیردار اسی جگہ بیٹھی رو رہی تھی۔

"جلدی بتاؤ، اوپر جانے کا راستہ کس طرف ہے تاکہ اوپر سے اس کو کھو... جاسکے۔" انسپکٹر جمشید نے بوڑھے سے کہا۔

"اس کمرے کے باہر سے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"محمود، فاروق تم اوپر جاؤ اور آہستہ آہستہ اسے نیچے آنے دو۔" انہوں نے حکم دیا۔

"جی بہتر۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا اور کمرے سے نکل گئے۔

اسی وقت بوڑھے نے کمرے کے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی ا... ایسا اس نے انسپکٹر جمشید کو غافل خیال کر کے کیا تھا، لیکن وہ غافل نہیں تھے۔ یہ اور با... ہے کہ انہوں نے اس کے چھلانگ لگانے کے باوجود اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ دوسرے ہی لمحے فرزانہ کی ٹانگ اس کی ٹانگوں میں اڑی اور دھڑام سے منہ کے بل گرا۔

"بھئی بے کار کوشش نہ کرو، چوٹ کھاؤ گے جیکی۔" انسپکٹر جمشید مسکرا... بولے۔

"جی جیکی، اس نے اپنا نام جیکی تو نہیں بتایا تھا۔" فرزانہ حیران ہو کر بولی تھی۔

"اس نے تو اپنا نام کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ یہ تو میں نے ہی دریافت ہے۔" وہ بولے۔

"وہ کیسے؟" فرزانہ کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"اس کی ڈاڑھی بے شک اصلی ہے، لیکن صرف ڈاڑھی چہرے کے نقش... کو مکمل طور پر نہیں چھپا سکتی۔ میں نے اسے ہوٹل میں ہی پہچان لیا تھا۔ یہ ایک مش... جواری ہے اور پولیس سے بھاگا ہوا۔ شاید دس گیارہ سال پہلے دارالحکومت سے...

...ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ سیدھا یہاں آیا اور جاگیردار کے پاس ملازم ہو گیا۔ ...نے میں موت کی دعوت شروع کی گئی۔ جیکی، اس جوئے کا مشورہ کہیں تم نے ہی ...دار کو نہیں دیا تھا۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"ہاں، یہی بات ہے۔" جیکی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن آپ... میں اب تک آپ کو پہچان نہیں سکا۔"

"اگر پہچان لیتے جیکی تو اس طرح بھاگنے کی کوشش نہ کرتے۔ میری بیٹی ...میں نہ بھی ہوتی، تب بھی تم کمرے سے نہیں نکل سکتے تھے۔"

"آپ۔ آپ۔" وہ ہکلایا۔

"مون لائٹ، نائٹ کلب کی وہ رات یاد کرو جیکی، جب میں نے تمہیں ...ے جواریوں کو گرفتار کرایا تھا، لیکن پھر تم پولیس کی گرفت سے بھاگ...

"اوہ، آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

اسی وقت اوپر سے آواز آئی:

"ہم نے رسی کھول لی ہے ابا جان اور نیچے کھسکا رہے ہیں۔" ...تھی۔ شاید محمود نے منڈیرے سے سر جھکا کر جملہ کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید کونل کی طرف بڑھے اور...

"فرزانہ، تم جیکی کا خیال رکھنا۔"

"جی اچھا۔"

...ل نیچے آنے لگی۔ انسپکٹر جمشید نے اسے تھامنے کے لیے ہا... ...نے اس موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرزانہ پر ایک چھلا

لگائی۔ اس کا ارادہ تھا، اسے گراتا ہوا کمرے سے نکل جائے گا، لیکن فرزانہ اس کی
لپیٹ میں نہ آسکی، البتہ وہ خود اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ ایک بار پھر وہ اوندھے منہ گرا۔
"ویری گڈ فرزانہ، دراصل جیکی تم سے واقف نہیں۔ یہ دس سال سے اس
حویلی کا غلام بن کر رہ رہا ہے۔ بیرونی دنیا سے بالکل کٹ چکا ہے، ورنہ اسے تمہارے
بارے میں اچھی طرح معلوم ہوتا اور سوچ سمجھ کر حملہ آور ہوتا۔ اب یہ اور بات ہے کہ
سوچ سمجھ کر حملہ کر کے بھی نقصان میں رہتا۔" انسپکٹر جمشید نے شوخ آواز میں کہا۔
اور فرزانہ مسکرانے لگی۔ پھر کومل کو فرش پر لٹا کر رسی اس کے ٹخنوں سے کال
دی گئی۔ وہ نیم بے ہوش تھی۔ انسپکٹر جمشید نے اسی رسی سے جیکی کو باندھ دیا۔ پھر انہوں
نے کومل کو ہلایا جلایا، اور بولے:
"ہیلو کومل، اچھی روح۔ اب ہوش میں آ جاؤ۔ دیکھو تمہارا مشن کامیابی
کی حد پر ہے۔ جلد ہی جاگیردار تمہارے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا ہو گا۔
اللہ میں نہ جانے کیا جادو تھا۔ کومل نے چونک کر آنکھیں کھول دیں
اور خوشی سے لہجے میں کہا:

"بس، بس تم اتنا کرو کہ اس کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے
جاؤ، ہم ابھی آ رہے ہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو ساتھ لیا اور
کمرے کی طرف بڑھے، جس میں اس وقت جاگیردار اور اس کے جواری
موجود تھے۔
"جان، کیوں نہ ہم ان جواریوں کے واپس جانے کا انتظار کریں۔
کے بعد تو ہمیں صرف جاگیردار اور اس کے ملازموں سے نپٹنا ہو گا۔" فرزانہ نے
پیش کی۔

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔" انہوں نے کہا۔
وہ اس کمرے کے دروازے کی طرف جانے کی بجائے دوسری طرف
گئے۔ یہاں تک کہ دوسری طرف ایک کھڑکی کے پاس پہنچ گئے۔ اسی وقت
انہوں نے کالو کی آواز سنی:
"مرلی داس غائب ہے سرکار، اس کا کوئی پتا نہیں۔"
"وہ کہیں چھپ گیا ہو گا، لیکن بچ کر کہاں جائے گا۔ جاؤ کالو، اسے پورے
حویلی میں تلاش کرو اور میرے پاس لے آؤ۔ باقی سب ملازموں کو بھی لے جاؤ۔ تم
جاؤ دوستو، ایک دو دن تک مرلی داس اپنے بینک منیجر کو لکھ کر دے گا کہ وہ تمام
کر دیے جائیں۔"
"اچھی بات ہے۔"
انہوں نے قدموں کی آوازیں سنیں۔ اب وہ بھی دروازے کی طرف کھسکے
لوگوں کے جانے کے بعد جاگیردار بھی باہر نکلا اور اس کمرے کی طرف
اس میں کومل کو الٹا لٹکایا گیا تھا۔ اس وقت اس کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ کالو
اور سب ملازم تو مرلی داس کی تلاش میں جا چکے تھے۔
"تم تینوں اس کے پیچھے دبے پاؤں چلو، میں ذرا ایک فون کر کے آتا
ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اس کمرے میں گھس گئے، جس میں ابھی وہ سب لوگ موجود تھے۔
فون موجود تھا۔ انہوں نے جلدی جلدی فون کیا اور خود بھی اس کمرے کی طرف
بڑھے۔ جس وقت وہ ان تینوں کے پاس پہنچے، جاگیردار کمرے کے بند دروازے پر
کھڑا دستک دے رہا تھا۔ دروازہ فوراً ہی کھل گیا اور پھر انہوں نے کومل کے حلق سے نکلنے والی

ادھر جاگیردار نے بھی بوکھلا کر کومل کو دیکھا:

"تم۔تم آزاد کس طرح ہو گئیں؟"

"یہ سب اللہ کی مہربانی ہے۔ وہ لوگوں کے ظلم کی رسّی کو دراز تو ہو
ہے، لیکن آخر ایک دن رسی کاٹ ہی دیتا ہے۔ سو اس نے تمہاری رسّی بھی کاٹ
بات تو ہے صرف اتنی۔ اب اگر تم تفصیل بھی جاننا چاہتے ہو تو میں اس خدمت
لیے بھی تیار ہوں۔"

جاگیردار بوکھلا کر مڑا اور پھر اس کی آنکھیں حیرت اور خوف کی زیاد
پھیلتی چلی گئیں۔

☆☆☆

کون؟

"جیکی، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟" جاگیردار نے بوکھلا کر کہا۔

"اس نے آپ کی آواز حلق سے نکال کر مجھے دروازہ کھولنے کا حکم دیا تھا
سرکار، اس لیے میں دھوکا کھا گیا۔"

"لیکن اس نے تم پر قابو کیسے پالیا، تم تو بہترین لڑاکا ہو۔" جاگیردار بولا۔

"ارے بھئی جاگیردار صاحب، اس پر میں نے قابو نہیں پایا۔ میری بیٹی
نے پایا ہے۔ یقین نہیں تو پوچھ لو اپنے جیکی سے۔ اس جیکی نے جس نے تمہیں جوئے
کا ایک نیا راستہ سکھایا تھا۔ جوا تو تم اور تمہارے دوست پہلے بھی یہاں کھیلتے تھے، لیکن
اس میں تم کچھ زیادہ جیت میں نہیں رہتے تھے، بلکہ کبھی کبھار ہار بھی جاتے ہو گے۔ پھر
جیکی تمہارے ملازموں میں داخل ہوا اور اس نے تمہیں موت کی دعوت سمجھائی۔ کیوں
ٹھیک ہے نا؟"

"یہ۔ یہ کون ہے جیکی؟"

"چھوڑیے جاگیردار صاحب، ناموں میں کیا رکھا ہے۔ آپ تو صرف یہ
یئے کہ بے چاری کومل کا کیا قصور تھا۔"

"قصور، اسے تو بھیڑیوں کے آگے ڈال دینا چاہیے۔" جاگیردار غرایا۔

"لیکن اس قصبے میں آپ بھیڑیے کہاں سے لائیں گے اور پھر آپ کے ہوتے بھیڑیوں کی ضرورت بھی کیا ہے۔" انہوں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جیکی، تم....."

اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر ڈی ایس پی اور دوسرے پولیس والے اندر داخل ہوئے۔

"بہت اچھے ڈی ایس پی صاحب، بہت اچھے موقعے پر آئے۔" جاگیردار مسرت سے بھرپور لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب جاگیردار صاحب؟" ڈی ایس پی نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ کس بات کا مطلب پوچھ رہے ہیں؟" اس نے کہا۔

آپ نے یہ کیوں کہا کہ ہم بہت اچھے موقعے پر آئے جب کہ ہمیں آپ نے ہی فون کر کے بلایا ہے۔" ڈی ایس پی حیرت سے بھرپور لہجے میں بولا

"میں نے، نہیں تو۔" جاگیردار کے منہ سے نکلا، پھر اس کی حیرت سے لبریز آنکھیں انسپکٹر جمشید پر جم گئیں۔

"آپ نے نہیں بلایا۔ آواز تو بالکل آپ کی تھی۔"

"میں سمجھ گیا۔ میری آواز کی نقل یہ شخص پہلے بھی اتار چکا ہے۔"

"کون؟" ڈی ایس پی کے منہ سے نکلا، پھر اس کی نظریں ان پر جم گئیں۔

"اوہو، یہ تو وہی لوگ ہیں۔ آخر یہ کون ہیں، اور چکر کیا ہے؟"

انہیں گرفتار کر لیجیے۔ یہ مجھے ہلاک کرنے کی نیت سے حویلی میں داخل ہوئے تھے۔"

"ہاں، کر لیجیے ہمیں گرفتار۔ ہم بے چارے تو پیدا ہی گرفتار ہونے کے لیے ہوئے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بات ابھی تک میرے پلے نہیں پڑی، اور یہ تمہارا ملازم کیوں بندھا پڑا ہے۔"

"اسے بھی انہی لوگوں نے باندھا ہے۔ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں، انہیں گرفتار کر لیں۔"

"ان کی طرف سے بے فکر رہیں۔ یہ اب بھاگ کر کہاں جائیں گے۔" ڈی ایس پی بولا۔

"ٹھیک ہے، اب میں بتاتا ہوں، چکر کیا ہے۔" جاگیردار بولا۔ پھر اس نے سب پر ایک نظر ڈالی اور چونک کر کہا:

"ارے مگر، آپ کب تک کھڑے رہیں گے۔ آئیے آپ لوگ تشریف رکھیے۔"

کمرے میں کرسیاں بھی موجود تھیں، وہ ان پر بیٹھ گئے۔ انہیں بیٹھنے کے لیے نہیں کہا گیا۔ کول بھی ایک طرف کھڑی رہی۔ جاگیردار کی بیگم بے چاری ابھی تک اسی کونے میں سکڑی سمٹی بیٹھی تھی۔

ایک کانسٹیبل نے آگے بڑھ کر جیکی کو کھول دیا۔ انسپکٹر جمشید خاموشی سے یہ کارروائی دیکھتے رہے، پھر جاگیردار نے ڈی ایس پی سے کہا۔

"جناب، آپ اس روح کے بارے میں تو سنتے ہی رہے ہوں گے؟"

"ہاں، کیوں۔ روح کا یہاں کیا ذکر۔" ڈی ایس پی چونک کر بولا۔

"وہ روح میری بیگم کی چھوٹی بہن کول تھی۔"

"کیا، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"وہی، جو حقیقت ہے۔ سنیے، اس نے سالوں سے روح کا سوانگ رچا رکھا تھا۔ رات کے وقت یہ حویلی سے نکل کر جنگل میں چلی جاتی اور روح بن کر جنگل

میں پھرا کرتی۔ لوگ اس سے ڈرا کرتے۔ کچھ دیر لوگ جو نہ ڈرتے، ان سے یہ باتیں شروع کر دیتی تھی اور اسے میرے ظلم کی جھوٹی کہانیاں سنایا کرتی تھی۔ وہ آدمی یہ کہانیاں دوسروں تک پہنچا دیتا۔ اس طرح میں قصبے میں ظالم اور خونی بنتا چلا گیا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں، میں کس حد تک ظالم ہوں۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ آپ تو بہت اچھے آدمی ہیں۔" ڈی ایس پی نے فوراً کہا۔

"تو جناب، یہ یہی کچھ کرتی رہی۔ ان لوگوں سے بھی اسے باتیں کرنے کا اتفاق ہوا۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے موت کی دعوت میں شرکت کی۔ مجھے تو ان کی موجودگی اسی وقت کھٹک گئی تھی، پھر یہ آپ کے سامنے حویلی سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ میرے ملازموں نے انہیں جنگل میں تلاش کرنا شروع کیا اور اسی تلاش کے نتیجے میں انہیں وہ راستہ مل گیا، جس سے روح حویلی سے جاتی اور حویلی میں آتی تھی۔"

"کیا مطلب؟" ڈی ایس پی چونک کر بولا۔ اس پر جاگیردار نے سرنگ کے بارے میں اسے بتایا۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کی حویلی میں سے ایک سرنگ نکلتی ہو اور آپ کو معلوم تک نہ ہو۔" ڈی ایس پی کے لہجے میں بلا کی حیرت در آئی۔

"یہ حویلی میرے باپ نے کسی نواب سے خریدی تھی۔ فروخت کرتے وقت شاید وہ سرنگ کے بارے میں بتانا بھول گیا، یا میرا باپ مجھے بتانا بھول گیا۔ جو کچھ بھی ہے، مجھے اس سرنگ کے بارے میں قطعاً معلوم نہیں تھا۔ اب یہ ایک حیرت انگیز اتفاق تھا کہ سرنگ کا راستہ کومل کے کمرے سے نکلتا تھا اور اسے کسی طرح وہ راستہ مل گیا۔ یہیں سے اس نے مجھے بدنام کرنے کے لیے روح کا سوانگ رچانے کا پروگرام بنایا۔

"لیکن کیوں؟ اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کوئی چھوٹی بہن اپنی
ی بہن کے خاوند کو اس طرح بدنام نہیں کرتی۔"

"میں خود حیران ہوں کہ اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ذرا آپ ہی
یے اس سے۔" جاگیردار نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کومل کو گھورا۔

"میں جاگیردار کے ظلم کا پردہ چاک کرنا چاہتی تھی۔ یہ وہ شخص ہے، جس
اپنی پہلی بیوی کو موت کی دعوت میں زہریلی پلیٹ کے ذریعے ہلاک کر دیا تھا اور
ں نے میری بڑی بہن سے شادی رچا لی۔ آج پھر اس کا پروگرام وہی کھیل کھیلنے کا
کن میں اس کے پہلے کھیل کو بھانپ چکی تھی۔ اس وقت مجھے بعد میں اندازہ ہوا
رنہ میں اس غریب کو بھی اس ظالم کے ہاتھوں مرنے نہ دیتی۔ اپنی بیوی کے
کے بعد اس نے دکھاوے کے دو چار آنسو بہاتے ہوئے کہا تھا کہ شاید غلطی
ہر کا کوئی قطرہ اس پلیٹ میں بھی گر گیا ہے، جس سے میری پیاری بیوی مر گئی۔
کچھ ہی دنوں بعد اس نے میری بہن سے شادی کر لی۔" کومل کہتی چلی جا رہی
انسپکٹر جمشید نے سوال کر ڈالا۔

"اور پہلی بیوی کا نام کیا تھا؟"

"راج کماری کملا۔" اس نے کہا، پھر بولی:

"میں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر جاگیردار سے مجھے
لیے نفرت ہو گئی۔ میں نے راج کماری کملا کا انتقام لینے کے لیے روح کا
یا۔ سرنگ واقعی مجھے کچھ عرصہ پہلے ہی ملی تھی، چنانچہ میرے لیے اور بھی
ی ہو گئی۔ میں یہ چاہتی تھی کہ جاگیردار کو اپنی بیوی کے قتل کی سزا ملے اور پھر
میں بڑی ہو گئی۔ دعوت سے پہلے ہی میں نے جاگیردار کو کچھ بدلا بدلا سا
بہت گھبرا گئی تھی۔ مجھے خوف محسوس ہونے لگا۔ ادھر میری باجی نے بھی مجھ

سے کئی بار کہا کہ جاگیردار کچھ بدل سا گیا ہے اور پھر میں نے موت کی دعوت
موقعے پر احتیاطاً اپنی باجی کی پلیٹ گرا دی۔ میرا خیال تھا جاگیردار پہلی بیوی کی طرح
زہر دے کر مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ پلیٹ کے گرنے پر جاگیردار نے مجھے
نظروں سے گھورا، اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ باجی کی پلیٹ واقعی زہر آلود تھی
میں نے ان لوگوں کی مدد لینے کا پروگرام بنایا اور انہیں پیغام دینے جھنڈ میں چلی گئی
وہاں جاگیردار کے آدمی ان لوگوں کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ نتیجہ یہ کہ انہیں ا
کا پتا چل گیا اور میں پکڑی گئی۔ انہوں نے مجھے الٹا لٹکا دیا۔ پھر یہ لوگ سرنگ
راستے اندر آئے اور پکڑے گئے، کیوں کہ میں ان سے پہلے ہی پکڑی جا چکی تھی
یہ کل کہانی۔" یہاں تک کہہ کر کومل خاموش ہو گئی۔

"آپ کا اس کہانی کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ڈی ایس پی بولا۔
جاگیردار سے پوچھا۔

"مجھے اپنی بیوی کو زہر دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، نہ ہی دوسری
کو۔ آخر میں ایسا کیوں کرتا۔"

"میں کہہ چکی ہوں، آپ مجھ سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن مسلمان
وقت میں دو سگی بہنیں اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ اس لیے پہلے پہلی بیوی کو
سے ہٹانا ضروری تھا اور پھر دوسری بیوی کو۔"

"کیا مطلب، کیا ان کی پہلی بیوی بھی تمہاری بہن تھی؟" ڈی ایس پی نے
چونک کر کہا۔

"ہاں، یہی تو اصل کہانی ہے۔ وہ ہماری بڑی بہن تھی۔"

"اوہ۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

☆☆

محمود، فاروق اور فرزانہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے والد کی
طرف دیکھا، مگر وہاں کسی حیرت کے آثار نظر نہ آئے۔ بلکہ ان کے چہرے پر تو ایک
پرسکون سی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

"کیوں جاگیردار صاحب، کیا یہ سچ ہے؟" کئی سیکنڈ کی خاموشی کے بعد
ڈی ایس پی کی آواز سنائی دی۔

"ہاں، میری پہلی بیوی ان کی بڑی بہن تھی، لیکن میں نے اسے جان بوجھ
کر نہیں مارا تھا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"جس طرح بڑی بہن کی موت واقع ہوئی۔ اسی طرح درمیانی بہن کی
موت واقع ہونے کو تھی۔ کیا یہ بات عجیب نہیں؟" کومل نے فوراً کہا۔

"یہ کس طرح ثابت ہو کہ بیگم کی پلیٹ واقعی زہر آلود تھی؟" ڈی ایس پی
بولا۔

"دعوت کے ہنگامے میں جاگیردار صاحب اس پلیٹ کی طرف توجہ دینا
بھول گئے تھے۔ میں نے وہ پلیٹ اپنے لباس میں چھپا لی تھی اور وہ میرے پاس اب
تک محفوظ ہے۔ یہ ابھی کل کی بات ہے۔ فرنی بالکل خشک نہیں ہوئی اور اس کا کافی
حصہ پلیٹ پر لگا ہوا ہے۔ آپ اس پلیٹ کی فرنی کا تجزیہ کرا سکتے ہیں۔"

"فضول باتیں نہ کرو، تم یہ اقرار کر چکی ہو کہ وہ روح تم ہی تھیں۔"
جاگیردار تلملا کر بولا۔

"ہاں، میں اقرار کر چکی ہوں تو پھر۔ اس سے کیا؟"

"اس سے یہ کہ تم نے قصبے کے لوگوں کو خوف زدہ کیا ہے، انہیں ڈرایا ہے،
تمہیں گرفتار کیا جاتا ہے۔" ڈی ایس پی بولا۔

"اور فرنی کی پلیٹ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" کومل بولی۔

''ہم اسے بھی چیک کریں گے۔ تم جا کر وہ پلیٹ ہمیں لا دو۔'' ڈی ایس پی فوراً بولا۔

''بہت اچھا۔'' یہ کہہ کر کومل کمرے سے جانے لگی۔

''ٹھہرو بھئی، ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ ابھی ہم نے تو کچھ کہا ہی نہیں۔'' انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔ کومل چونک کر رک گئی اور ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''ہمیں اگر مدد کے لیے بلایا تھا تو ہمارے مشورے کے بغیر تم کوئی قدم کس طرح اٹھا سکتی ہو۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''یہ کہ اب اس پلیٹ کے تجزیے کی کوئی ضرورت نہیں ہاں، یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ نے شادی تو سب سے بڑی بہن سے کی تھی، پھر باقی دو بہنیں آپ کے پاس کیوں رہتی تھیں۔''

''ان کا آگے پیچھے کوئی نہیں رہا تھا۔ اس لیے یہ اپنی بہن کے ساتھ ہی میرے ہاں آ گئی تھیں۔ اس وقت یہ چھوٹی تھیں۔''

''کیوں بھئی، تمہیں یاد ہے؟''

''جی ہاں، یاد ہے۔ ہمارا باپ بوڑھا سا آدمی تھا۔ ہماری بہن کی شادی جاگیردار سے کرتے وقت اس نے خود ہی کہہ دیا تھا کہ چھوٹی دو بہنوں کو یہ ساتھ لے جائیں اور یہ لے آئے تھے۔ کچھ دنوں بعد انہوں نے بتایا کہ ہمارا بوڑھا باپ ایک حادثے میں انتقال کر گیا ہے اور حادثہ اتنا زبردست ہوا ہے کہ کچھ بھی نہیں بچا، لہٰذا ہم رو دھو کر چپ ہو رہیں۔''

''اس وقت تم دونوں کی عمر کتنی تھی؟''

''چھ سال اور چار سال۔ باجی کی عمر البتہ پندرہ سال تھی۔ جب ان کی

ی۔''

''آخر تم یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہو۔ ڈی ایس پی صاحب، میرا خیال
ت اب آپ کے سامنے آ چکے ہیں۔ آپ بے شک فرنی کی وہ پلیٹ
لے جائیں اور اگر وہ زہریلی ثابت ہو تو میرے خلاف بھی کیس دائر
لوگوں کو گرفتار کر لیں۔ انہوں نے حویلی میں غیر قانونی طور پر داخل ہو کر
ش کی ہے۔''

ٹھیک ہے، یہی کرنا ہو گا۔'' یہ کہہ کر ڈی ایس پی نے کانسٹیبلوں کو اشارہ
جشید کی طرف بڑھے۔

ٹھہرو بھئی، ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ ابھی ہم نے تو کوئی بات بھی نہیں
پی صاحب نے جاگیردار کا بیان بھی سن لیا اور کومل صاحبہ کا بھی۔ کیا وہ
یں گے کہ ہم بھی اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکیں۔''

ضرور ضرور، کیوں نہیں، آپ بھی کہیے۔'' ڈی ایس پی کے لہجے میں گہرا

پھر سنیے۔'' انسپکٹر جمشید نے ڈرامائی انداز میں کہا اور مسکرا کر ان سب

ح نے یعنی کومل صاحبہ نے ہمیں خط لکھ کر دارالحکومت سے بلوایا تھا اور
ور صرف یہ تھی کہ روح بننے اور جاگیردار کو ظالم مشہور کر لینے کے بعد
میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔''

مطلب، تمہیں اس نے دارالحکومت سے بلوایا تھا۔'' ڈی ایس پی

اں، یہ خط دیکھیے۔''

انہوں نے جیب سے خط نکال کر ڈی ایس پی کی طرف بڑھا دیا
انہوں نے جیب میں ہی رہنے دیا تھا۔ ڈی ایس پی کے ساتھ جاگیردار بھی حیر
انداز میں خط پڑھنے لگا۔ آخر ڈی ایس پی بولا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم نے خط پڑھ لیا ہے۔ ہم حیران بھی ہوئے ہیں
نے خط لکھ کر تم لوگوں کو کیوں بلایا ہے۔ تم کون سار ستم زماں یا کوئی سور ما ہو
کر یہ جاگیردار کا تختہ الٹنا چاہتی تھی۔" ڈی ایس پی نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ تو بھی بہتر جانتی ہیں کہ ہمیں کیا سمجھتی ہیں۔ اس سے بحث نہیں
تو یہ ہے کہ جاگیردار صاحب نے کومل صاحب کو ابھی تھوڑی دیر پہلے تک ایک
باندھ کر الٹا کس قانون کے تحت لٹکایا ہوا تھا۔ انہیں ایسا کرنے کا کیا حق تھا۔ ا
نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ روح دراصل کومل صاحب ہیں تو انہیں چاہیے تھا کہ آپ
اور معاملہ آپ کے سامنے رکھتے۔ جب کہ اس وقت میں نے آپ کو فون کر
ہے۔ اگرچہ آواز حلق سے جاگیردار صاحب کی نکالی تھی۔"

"اس پر تو مجھے بھی حیرت ہے۔ آخر تم لوگ کون ہو اور ایسا کر
ضرورت تھی؟"

"ہم چاہتے ہیں، آپ جاگیردار کو گرفتار کر لیں۔"

"کیا مطلب، کیوں گرفتار کر لوں۔"

"اس لیے کہ اب ان کے ظلم کی رسی اور لمبی نہیں ہو سکتی۔" وہ بو
انسپکٹر جمشید کے ان الفاظ کے ساتھ ہی کمرے کے دروازے پر
دھڑام سے گرنے کی آواز سنائی دی۔ سب نے چونک کر دروازے کی طرف
وہاں وہی ادھ موا آدمی پڑا تھا، جس سے ان کی ملاقات اس حو
خانے میں ہوئی تھی۔

اللہ تیرا شکر ہے

"یہ۔ یہ کون ہے؟" ڈی ایس پی نے ہکلا کر کہا۔
"ان کے ظلم کا جیتا جاگتا ثبوت۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ اب فرنی کے
ضرورت نہیں۔ یہاں تو ظلم کے شاہکار موجود ہیں۔ ایک فرنی کی پلیٹ
نہ ہونے سے کیا فرق پڑ جائے گا۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔
کیا مطلب؟" ڈی ایس پی نے کہا۔
مطلب یہ کہ روح جن لوگوں کو جاگیردار کے ظلم کی کہانی سناتی تھی۔
اور آگے سننے والوں کو پکڑ کر اس حویلی کے تہہ خانے میں زندہ پھینکا
بے چارے اس اندھیرے اور بالکل بند تہہ خانے میں سسک
رگڑ رگڑ کر بھوکے پیاسے دم توڑ دیتے تھے۔ دم توڑنے والوں کو بھی اٹھا کر
پھینکا جاتا تھا، بلکہ ان کے مردہ جسم اسی تہہ خانے میں گلتے سڑتے رہتے
نے والے بے چارے اس بدبو کی تاب نہ لا کر ایک آدھ ہفتے کی بجائے
موت کا نوالہ بن جاتے تھے۔ اس تہہ خانے سے بچ کر نکل آنے والا
قسمت ہے۔ یا پھر ہم چاروں۔ اب آپ کیا کہتے ہیں۔ کیا اب بھی
گرفتار نہیں کریں گے؟"

"جاگیردار صاحب، کیا یہ سچ ہے؟" ڈی ایس پی نے بوکھلائے
لہجے میں کہا۔

"ہاں، یہ سچ ہے، تو پھر کیا ہوا۔ کیا آپ میرا ساتھ نہیں دیں گے
معاملے پر پردہ نہیں ڈالیں گے۔ میں آپ کی ہر ماہ باقاعدگی سے خدمت
ہوں۔ آپ کے ماتحت بھی ماہانہ وصول کرتے رہے ہیں۔" جاگیردار نے
میں کہا۔

"م۔ میں، میں......" ڈی ایس پی ہکلا کر رہ گیا۔

"جہاں تہہ خانے میں بہت سے لوگ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر چکے
یہ لوگ بھی مر جائیں گے۔ ہم اس مرتبہ دروازہ باہر سے بند کر دیں گے اور یہ
نہیں سکیں گے۔ ان کے بارے میں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔ میرے
وقت مرلی داس کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں۔ انہیں بھی معلوم نہیں ہو سکے
عدم موجودگی میں کیا ہوا ہے اور اس کا میں آپ کو بہت بھاری معاوضہ ادا
بولیے منظور ہے؟"

"کک، کتنا معاوضہ؟" ڈی ایس پی نے ہونٹوں پر زبان پھیر

"دس لاکھ روپے۔ کہیے، کافی ہیں؟"

"لیکن آپ کی بیگم، ان کی بہن اور جیکی کا کیا ہوگا۔ ان کانسٹیبلو
جو میرے ساتھ ہیں۔ کیا یہ سب لوگ معاملے کو راز رکھ سکتے ہیں۔"

"انہیں بھی زبان بند رکھنے کی قیمت ادا کر دی جائے گی۔ جیکی
نہ کریں، میرا خاص آدمی ہے، رہ گئی بیگم اور اس کی بہن۔ ان کا جرم پہلے ہی
ہے، لہٰذا یہ دونوں بھی ان چاروں کے ساتھ تہہ خانے میں جائیں گی۔" اس
دلی سے کہا۔ کومل اور بیگم جاگیردار کانپ اٹھیں۔

"جیکی، تم کیا کہتے ہو؟" ڈی ایس پی ان کی طرف مڑا۔ رسیاں کھلنے کے
بعد سے اب تک وہ فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ سر پر تھے۔

"اگر آپ اس شخص پر قابو پا سکتے ہیں تو میں ضرور آپ لوگوں کا ساتھ دوں
گا، لیکن میں جانتا ہوں، آپ اس شخص پر قابو نہیں پا سکتے۔ لہٰذا ہمیں سب کو جیل میں
جانا پڑے گا۔" جیکی نے اداس لہجے میں کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی جیکی، تم کیا کہہ رہے ہو۔" جاگیردار نے اسے کھا جانے
والی نظروں سے گھورا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں سرکار۔ آپ لوگ اس شخص پر قابو نہیں پا سکیں
گے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"کیا مطلب، آخر یہ کون ہے؟" ڈی ایس پی نے بوکھلا کر کہا۔

"میں کوئی بھی ہوں، آپ اپنی بات کیجیے۔ میرا ساتھ دیں گے یا جاگیردار
کا۔ جلد از جلد فیصلہ کر لیں، پھر آپ کو وقت نہیں ملے گا اور آپ ہاتھ ملتے رہ جائیں
گے۔"

"آپ۔ آپ کون ہیں؟" اس بار ڈی ایس پی کے لہجے میں کپکپی تھی۔

"یہ کوئی بھی کیوں نہ ہو ڈی ایس پی صاحب، آپ میرا ساتھ دے کر ہی
ے میں رہیں گے کسی کو کانوں کان بھی خبر نہیں ہوگی کہ یہاں کیا ہوا ہے۔"
یردار نے جلدی سے کہا۔

"لیکن آپ کا ملازم جیکی کیوں پریشان ہے۔"

"شاید اس کا دماغ چل گیا ہے۔"

"جب تک یہ معلوم نہیں ہو جاتا، یہ شخص کون ہے، اس وقت تک میں کچھ
کہہ سکتا۔" ڈی ایس پی نے کہا۔

''جیکی، اب تم بتا ہی دو، یہ کون ہے؟''
''ضرور، کیوں نہیں۔ یہ انسپکٹر جمشید ہے اور یہ تینوں اس کے بچے۔''
''نن نہیں۔'' ڈی ایس پی کے منہ سے چیخنے کے انداز میں نکلا۔
''انس... پکٹر جمشید۔'' جاگیردار کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔
''جی ہاں، اب کہیے، کیا خیال ہے۔'' جیکی نے طنز بھری آواز میں کہا۔
''جاگیردار صاحب، مجھے افسوس ہے۔ میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔''
''ڈی ایس پی صاحب، یہ آپ کہہ رہے ہیں؟''
''ہاں، اس لیے کہ ہماری کامیابی کا کوئی امکان نہیں رہ گیا۔'' اس نے کھوئی کھوئی آواز میں کہا۔
''یہ آپ کہہ رہے ہیں، جنہیں میں نے لاکھوں روپے کھلا دیے ہوں گے اب تک۔''
''ہاں، لیکن میں حیران ہوں، یہ لوگ یہاں کیسے پہنچ گئے اور پھر یہ تو اپنی اصلی شکل صورت میں بھی نہیں ہیں۔''
''ہمیں روح، یعنی کومل نے بلایا تھا اور یہ انہی کا مشورہ تھا کہ ہم میک اپ میں آئیں۔ ڈی ایس پی صاحب، اگر آپ نرم سزا کے خواہش مند ہیں تو آپ ان لوگوں کو فوراً گرفتار کر لیں۔ جاگیردار کے ملازم بھی آتے ہوں گے۔ انہیں بھی گرفتار کرنا ہے۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔
''جی بہتر۔'' اس نے کہا اور اپنے کانسٹیبلوں کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے جھجکتے انداز میں ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔
پھر تہہ خانہ کھولا گیا۔ بدبو کے خارج ہونے میں دو گھنٹے لگ گئے۔ اس سے پہلے کسی کانسٹیبل نے اندر جانے کی ہمت نہ کی اور جب وہ اندر داخل ہوئے تو ان

کی چیخیں نکل گئیں۔ انسانی جسم اندر پڑے گل سڑ رہے تھے اور کچھ ہڈیوں کے پنجر بن چکے تھے۔
شام کے وقت کالو اور اس کے ساتھی حویلی میں داخل ہوئے۔ ان کے چہروں پر ناکامی لکھی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ وہ بھونچکے رہ گئے۔
انسپکٹر جمشید دارالحکومت کے اعلیٰ افیسرز کو فون کر چکے تھے۔ رات سے پہلے وہ بھی پہنچ گئے۔ ڈی ایس پی اور اس کے ان ماتحتوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا جو رشوت لیتے رہے تھے، پھر جاگیردار کے موت کی دعوت کے مہمانوں کی گرفتاریاں شروع ہوئیں اس کام میں رات کے بارہ بج گئے اور وہ کومل اور اس کی بہن کو لے کر اسی ہوٹل پہنچے جہاں سے انہیں نکال دیا گیا تھا۔ اس وقت تک جاگیردار کی گرفتاری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ لہٰذا انہیں فوراً تین کمرے دے دیے گئے۔ صبح سے پہلے انسپکٹر جمشید واپس نہیں جانا چاہتے تھے۔
''اس کا مطلب یہ ہوا کہ روح صاحبہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئیں۔'' ایک کمرے میں سب کے بیٹھنے کے بعد فاروق نے کہا۔
''لیکن یہ کامیابی بہت خوف ناک کامیابی ہے۔ کومل کے روح بننے کے چکر میں بہت سے لوگ تہہ خانے میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے، لیکن اگر یہ نہ ہوتا تو جاگیردار اور نہ جانے کیا کچھ ظلم کرتا، خیر اللہ کو یہی منظور تھا۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔
''ہم نے کومل اور اس کی بہن سے چند باتیں نہیں پوچھیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو پوچھ لیں۔'' محمود بولا۔
''ضرور ضرور۔'' انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔
''کومل صاحبہ پہلی بات تو یہ بتائیے کہ آپ بدصورت روح کس طرح بن

جاتی تھیں؟"

"سیاہ لباس اوڑھ کر۔ سر سے لے کر پیروں تک اوڑھ لیتی تھی۔" اس نے بتایا۔

"اور سرنگ کا راستہ کیا واقعی آپ کو اتفاق سے مل گیا تھا۔"

"ہاں، دراصل بڑی باجی کی موت نے مجھے چونکا دیا تھا۔ میں نے صاف محسوس کر لیا تھا کہ جاگیردار نے انہیں جان بوجھ کر ہلاک کیا ہے۔ میں ہر وقت سوچوں میں گم رہنے لگی۔ ایسے میں ایک دن فرش میں مجھے وہ گڑھا نظر آ گیا۔ پہلے تو میں سوچتی رہی کہ یہ گڑھا کس طرح بن گیا، پھر جو اس میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو دروازہ اوپر اٹھ گیا۔ اس طرح تہہ خانہ دریافت ہوا اور میں نے روح کا روپ دھارنے کا تہیہ کر لیا۔ میں اپنا کمرہ اندر سے بند کر کے سرنگ کے راستے جنگل میں چلی جاتی تھی۔ اس طرح میں راج کماری کملا کی روح مشہور ہو گئی۔"

"آپ کی بہن راج کماری تھیں کیا؟" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"نہیں، باپ نے ان کا نام یہی رکھ دیا تھا۔"

"اب آپ دونوں کا کیا پروگرام ہے؟"

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا پروگرام ہونا چاہیے۔ ہم پڑھی لکھی ہیں۔ کہیں کوئی کام کاج تلاش کر لیں گی اور کرائے کی جگہ لے کر رہنے لگیں گی۔" بڑی بہن نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"بھئی تم دونوں اس بات کا کوئی فکر نہ کرو۔ میں نے سوچ لیا ہے۔" انسپکٹر جمشید معنی خیز لہجے میں بولے۔

"کیا مطلب، کیا سوچ لیا ہے۔"

"یہ کہ آپ دونوں ہمارے ساتھ رہیں گی، کیوں ابا جان، یہی نا۔" محمود

نے کہا۔

"نہیں بھئی، شاید یہ دونوں ہمارے ساتھ رہنا پسند نہ کریں، کیونکہ مذہب کے لحاظ سے ہندو ہیں۔ اس لیے میں نے ان کے بارے میں کچھ اور ہی سوچا ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"ذرا ہم بھی تو سنیں، کیا سوچا ہے۔" فاروق بولا۔

"اوہ، میں سمجھ گئی۔" فرزانہ چونک کر بولی۔

"کیا سمجھ گئی ہو، جلدی بتاؤ۔" محمود حیران ہو کر بولا۔

"کیوں بتاؤں، تم بھی سمجھ جاؤ۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"ہاں، ٹھیک تو ہے۔ تم پر سمجھ جانے کی پابندی تو نہیں ہے۔" فاروق نے شوخ انداز میں کہا۔ کومل اور اس کی بہن بے ساختہ مسکرانے لگیں۔

"ابا جان، ان کی سمجھ میں ذرا مشکل سے ہی آئے گا، لہٰذا میں بتائے دیتی ہوں۔ آپ انہیں مرلی داس کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں، تم نے ٹھیک سمجھا۔" وہ بولے۔

"دھت تیرے کی۔ یہ اور بھی غلط سوچ لے، ہو ہی نہیں سکتا۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"خیر تو ہے۔ تم نے ران پر ہاتھ نہیں مارا۔" فاروق ہنسا۔

"وہ میری طرف سے تم مارتے رہو۔" محمود جل کر بولا۔ ساتھ ہی چٹاخ کی آواز گونجی اور محمود تلملا اٹھا، کیوں کہ فاروق نے اس کا جملہ ختم ہوتے ہی زوردار ہاتھ اس کی ران پر جما دیا تھا۔

"یہ کیا کیا؟" محمود چیخا۔

"تم نے ہی تو کہا تھا، ران پر ہاتھ میری طرف سے تم مارتے رہو۔"

"تو میں نے تمہیں اپنی ران پر مارنے کے لیے کہا تھا، نہ کہ اپنی ران پر۔" محمود جھلا کر بولا۔

"اوہ، تب تو مجھ سے غلطی ہوئی۔ خیر بھئی معاف کردو۔" فاروق مسکرایا۔

"یہ مرلی داس کون ہے؟" کومل نے موقع پاکر پوچھا۔

"ایک ہندو۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"یہ تو خیر نام سے ہی ظاہر ہے۔" کومل مسکرائی۔

"تو آپ کس چیز سے ظاہر کرانا چاہتی ہیں؟" فاروق نے شوخ انداز میں کہا۔ اور وہ سب مسکرا دیے۔

"مرلی داس اس قصبے کا رہنے والا ایک ساہوکار ہے۔ اس بار موت کی دعوت میں وہی تو ہارا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے اسے بتایا۔

"اوہ، میں سمجھ گئی۔ تو آپ ہمیں اس کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں، میرا خیال ہے، آپ دونوں اس کی بیٹیاں بن کر بہت خوش رہیں گی۔"

"لیکن آپ ہمیں اپنے پاس ہی کیوں نہیں رکھ لیتے۔" کومل نے شکایت بھری آواز میں کہا۔

"حرج تو اس میں بھی کوئی نہیں، لیکن میرا گھرانا زبردست قسم کا مسلمان گھرانا ہے۔ تم دونوں کہیں یہ نہ محسوس کرنے لگو کہ ہم تمہیں زبردستی مسلمان کرنا چاہتے ہیں۔"

"گویا آپ یہ چاہتے ضرور ہیں کہ ہم مسلمان ہو جائیں۔" کومل نے ان کی طرف غور سے دیکھا۔

"ہاں، چاہتے تو ضرور ہیں، کیونکہ سچا مذہب یہی ہے۔ نجات کا راستہ یہی

ہے۔"

"تب پھر میں تو مسلمان ہونے کے لیے تیار ہوں۔ باجی کی میں بات نہیں کر سکتی۔"

"اتنا عرصہ ایک ظالم مسلمان کے ساتھ رہ کر مسلمان ہونے سے خوف محسوس ہوتا ہے، لیکن سوچتی ہوں، جن لوگوں نے اس سے نجات دلائی ہے، وہ بھی تو مسلمان ہیں، اس لیے میں بھی تمہارا ساتھ دوں گی۔" بڑی بہن بولی۔

"بھئی واہ، پھر تو مزا آ گیا۔ اب تم یوں کرو کہ پہلے وضو کرو۔ پاک صاف کپڑے پہنو، بلکہ غسل کر کے کپڑے پہن لو۔ اس کے بعد ہم تمہیں کلمہ پڑھائیں گے۔ محمود، تم انہیں وضو اور غسل کا طریقہ سمجھا دو۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

"جی بہت بہتر۔"

دوسرے دن وہ جہاز کے ذریعے دارالحکومت پہنچے۔ بیگم جمشید نے دروازے پر ان کا استقبال کیا۔ کومل اور اس کی بہن کو دیکھ کر انہوں نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"دیکھ کیا رہی ہو بیگم۔ یہ دونوں بہنیں ہیں۔ کل تک ہندو تھیں، الحمدللہ آج مسلمان ہیں۔ اور ہاں، میں نے ایک مہمان بھی تو تمہارے پاس بھیجا تھا۔"

"وہ اندر ہیں۔" بیگم جمشید بولیں۔

"آؤ بھئی، تمہیں مرلی داس سے ملاؤں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ اندر داخل ہوئے۔ مرلی داس مہمان خانے میں آرام کر رہا تھا۔ ان کے قدموں کی آواز سن کر اٹھ بیٹھا اور حیرت زدہ انداز میں کومل اور اس کی بڑی بہن کو دیکھنے لگا۔

"مرلی داس صاحب کیا دیکھ رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جاگیردار کا کیا بنا؟" مرلی داس چونک کر بولا۔

"گرفتار ہو چکا ہے۔ اس کے ظلم کی کہانی کل ختم ہو گئی۔"

"شکر ہے بھگوان کا۔" مرلی داس نے کہا اور پھر لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ ان کی طرف گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

"پتا نہیں کیا بات ہے۔ ان دونوں کی پیشانیوں پر عین درمیان میں تل کا نشان مجھے بے چین کیے دے رہا ہے۔"

"تو کیا تمہاری تیسری بچی کی پیشانی پر بھی تل کا بالکل ایسا ہی نشان اور بالکل اسی جگہ تھا؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ محمود، فاروق، فرزانہ اور بیگم جمشید کے ساتھ دونوں لڑکیاں بھی حیرت زدہ انداز میں انہیں گھورنے لگیں۔

"ہاں، بالکل ایسا ہی تل میری بچی کے بھی تھا لیکن، لیکن آپ نے یہ بات کس طرح کہہ دی۔"

"اس طرح کہ یہ دونوں آپ ہی کی بچیاں ہیں۔"

"کیا؟" سب کے سب چلا اُٹھے، سوائے بیگم جمشید کے، کیوں کہ انہیں سارے معاملے کا پتا نہیں تھا۔

"جی ہاں، میں نے انہیں پہلی مرتبہ موت کی دعوت کے دوران دیکھا تھا، پھر ہم آپ کے گھر سوالات کرنے کی غرض سے گئے، تو میں نے آپ کے کمرے میں تین بچیوں کی تصویر دیکھی۔ بچیاں بہت ہی خوب صورت تھیں اور ان تینوں کی پیشانیوں پر تل تھے۔ میں نے ان دونوں کی پیشانیوں پر تل غور سے دیکھے تھے۔ تصویر والی بچیوں کے نقوش ان دونوں کے نقوش سے بے تحاشا ملتے جلتے تھے۔ اگرچہ وہ تصویر بچپن کی تھی۔ جوانی کی شکل صورت میں بھی بچپن کے آثار صاف نظر آجایا

کرتے ہیں، لہٰذا میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ یہ دونوں ضرور آپ کی بچیاں ہیں، لیکن میں حیران ہوں، یہ تینوں جاگیردار تک کس طرح پہنچ گئیں اور ان کا کہنا تو یہ ہے کہ یہ کسی بوڑھے کے گھر میں پلی ہیں۔ وہاں سے جاگیردار انہیں اپنے گھر لے گیا تھا۔"

"میری بچیوں کو اغوا کیا گیا تھا۔" اس نے سرد آہ بھری۔ "جاگیردار کا میرے گھر آنا جانا تھا۔ اس نے بارہا ان بچیوں کو دیکھا تھا۔ بس اس نے اپنے کسی آدمی کے ذریعے اغوا کرالیا ہوگا اور ان کے بڑے ہونے پر انہیں اپنے گھر لے گیا ہوگا۔"

"ضرور یہی ہوا ہے۔ جب یہ اغوا ہوئیں، بڑی بیٹی کی عمر کیا تھی؟"

"تقریباً آٹھ سال۔"

"اسے تو اغوا کے بارے میں سب کچھ معلوم ہوگا؟"

"ہاں، لیکن جاگیردار نے اس پر کڑی نظر رکھوائی ہوگی، تاکہ وہ کسی کے سامنے زبان نہ کھول سکے اور پھر اس بے چاری کو زہر کے ذریعے ہلاک کر دیا۔ اس سال موت کی دعوت کے موقعے پر آپ کی دوسری بیٹی کو بھی زہر دے کر ہلاک کرنے کا پروگرام بنا چکا تھا، لیکن کومل کی عقل مندی نے انہیں بچالیا۔"

"بھگوان تیرا شکر ہے۔" مرلی داس نے اوپر نگاہ کی۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" لڑکیوں نے ایک ساتھ کہا۔

"یہ کیا، تم مسلمان کب سے ہو گئیں۔" مرلی داس دھک سے رہ گیا۔

"کل ہی ہوئی ہیں۔"

"آؤ میرے گلے لگ جاؤ۔"

وہ تیزی سے ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور پھر ملاپ کا ایک دردناک منظر نظر آیا۔

"چچا جی، آپ بھی اب......" کومل کہتے کہتے رک گئی۔

"ہاں ہاں، میں سمجھتا ہوں، تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ میں بھی مسلمان ہونے کے لیے تیار ہوں۔"

ان کے چہرے کھل اٹھے۔ اکٹھے تین غیر مسلموں کو مسلمان کرنے کا ثواب انہیں مل رہا تھا۔ وہ خوش نہ ہوتے تو کیا کرتے۔ فاروق نے بھی سر اوپر اٹھا کر کہا:

"یا اللہ، تیرا شکر ہے۔"

-----------☆☆☆-----------

D-83 سائٹ۔ کراچی
فون: 2581720 - 2578273
e-mail: atlantis@cyber.net.pk